

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



۷۸۶  
۹۲۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

[www.sabeelesakina.page.tl](http://www.sabeelesakina.page.tl)

[sabeelesakina@gmail.com](mailto:sabeelesakina@gmail.com)

Presented By Ziaraat.com

[www.ziaraat.com](http://www.ziaraat.com)

NOT FOR COMMERCIAL



# امام علیؑ

ولادت سے شہادت تک

مشہور عربی کتاب امام علیؑ  
من المہدِ الى اللحد کا اردو ترجمہ



آیت اللہ محمد سید کاظم قزوینی علیہ السلام

مترجم:

حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری



علیؑ

# ولادت سے شہادت تک

مؤلف

آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم

مترجم

علامہ محمد حسن جعفری

مصحح

جمہور الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

— ناشر —

ادارہ مہتاب صحیح الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاں، بیک لاہور

فون: 35425372



جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

نام کتاب : علیؑ : ولادت سے شہادت تک

مؤلف : آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم

مترجم : علامہ محمد حسن جعفری

مصحح : جلیل الاسلام علامہ یاض حسین جعفری فاضل قم

اشاعت : اکتوبر 2015ء

ہدیہ : 500 روپے

شعبہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دکان نمبر 20 - غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فون: 0301-4575120 ، 042-37225252

## ترتیب

- 9 ..... عرضِ ناشر ❀
- 11 ..... عرضِ ترجمہ ❀
- 16 ..... ہدیہِ اخلاص ❀
- 17 ..... ابتدائیہ ❀
- 23 ..... خدا کی قدرتِ لاحدود ہے ❀
- 24 ..... علیؑ مولودِ کعبہ ❀
- 27 ..... مادرِ امیر المومنینؑ کا خطبہ ❀
- 31 ..... دو سوال اور اُن کے جوابات ❀
- 34 ..... مسلمِ اولِ شاہِ مرداں علیؑ ❀
- 34 ..... حضرت علیؑ کی تربیت کی کہانی خود اُن کی زبانی ❀
- 40 ..... دعوتِ ذوالحشرہ ❀
- 42 ..... مامونِ عباسی کا مناظرہ ❀
- 45 ..... حضرت کی سبقتِ اسلامی کی کتبِ اہل سنت سے گواہی ❀
- 50 ..... ابوطالبؑ ملاحظہِ رسولؐ ❀
- 59 ..... حبِ ہجرت اور حضرت علیؑ ❀
- 63 ..... علیؑ بسترِ رسولؐ پر ❀
- 71 ..... حضرت علیؑ اور ہجرت ❀
- 78 ..... حضرت علیؑ حلقہٴ آزدواج میں شلک ہوئے ❀
- 85 ..... خطبہٴ کناح ❀

- 95 ..... حضرت علیؑ اور جہاد
- 99 ..... حضرت علیؑ اور جنگ بدر
- 103 ..... اس واقعہ کا ایک اور بیان
- 104 ..... جنگ بدر میں علیؑ کے ہاتھوں سے قتل ہونے والوں کے نام
- 106 ..... علیؑ اور جنگ بدر
- 111 ..... حضرت علیؑ کا بنی نضیر کے واقعہ میں کردار
- 113 ..... حضرت علیؑ اور جنگ خندق
- 125 ..... علیؑ اور جنگ خیبر
- 132 ..... علیؑ اور جنگ یمین
- 134 ..... علیؑ اور قرآن
- 136 ..... آیت تلمیح
- 141 ..... علیؑ اور مہلبہ
- 143 ..... واقعہ مہلبہ بطریق دیگر
- 146 ..... علیؑ کی افضلیت کا استدلال
- 151 ..... علیؑ صاحب رکوع میں ذکر آدیت ہیں
- 153 ..... نزول آیت کے حلقہ دوسری روایت
- 155 ..... نزول آیت کے حلقہ تیسری روایت
- 157 ..... سورہ عل اہلی کا نزول
- 162 ..... اعتراضات کے جوابات
- 164 ..... علیؑ مولا کا حضرت عباسؑ پر فقر کرنا
- 165 ..... آیت نجوئی
- 167 ..... دس اہم باتیں
- 169 ..... علیؑ اور علم



- 180 ..... علیؑ اور خطابت
- 190 ..... علیؑ کے دو حیرت انگیز خطبات
- 190 ..... خطبہ موقتہ
- 199 ..... غیر منقوط خطبہ
- 202 ..... علیؑ، شاعر، مدحیہ اور فلسفہ
- 210 ..... حضرت علیؑ اور فضائل انسانی
- 214 ..... علیؑ اور یقین
- 215 ..... علیؑ اور قوتِ حافظہ
- 215 ..... علیؑ اور رحم دلی
- 218 ..... علیؑ اور حق
- 220 ..... علیؑ اور مالِ دنیا
- 220 ..... علیؑ اور غمخوار گزر
- 221 ..... علیؑ اور حکمت
- 223 ..... علیؑ اور زہد
- 228 ..... علیؑ اور عفت
- 229 ..... علیؑ اور تواضع
- 231 ..... علیؑ اور علم و ذکر گزر
- 236 ..... علیؑ اور انسانی ہمدردی
- 237 ..... علیؑ اور کرم پیشہ شاہِ مردانِ علیؑ
- 242 ..... علیؑ اور عدل
- 249 ..... علیؑ اور عبادت
- 252 ..... خوش روئی اور صبر
- 254 ..... امیر المومنین علیؑ اور خصائص

- 254 ..... پھر علیؑ مولانا نے سورج پلاتا یا ❀
- 259 ..... حدیث ردّ شمس نقل کرنے والے شیعی علمائے کرام ❀
- 262 ..... حدیث طبر (بھنے ہوئے پرندہ کی حدیث) ❀
- 265 ..... حدیث طبر بطریق دیگر ❀
- 267 ..... حدیث منزلت ❀
- 273 ..... نبیؑ و علیؑ میں مواخات ❀
- 277 ..... حدیث اخوت کے مصادر ❀
- 278 ..... سورہ ہرات کی تلخ ❀
- 281 ..... اس روایت کا دوسرا انداز ❀
- 285 ..... علیؑ نے بت توڑ کر کعبہ کو پاک کیا ❀
- 286 ..... فتح مکہ سے پہلی کی بت شکنی ❀
- 287 ..... علیؑ رسولؐ خدا کو کیوں نہ اٹھا سکے؟ ❀
- 289 ..... حیدر کا ”دُر“ کھلا رہا اور باقی بند کر دیے گئے ❀
- 290 ..... حدیث سدّ الابواب بالفاظ دیگر ❀
- 292 ..... حضرت علیؑ میں متضاد صفات پائی جاتی تھیں ❀
- 295 ..... علیؑ اور غدیر ❀
- 300 ..... حدیث غدیر کے گواہ صحابہؓ کے نام ❀
- 302 ..... حکمِ دین ❀
- 303 ..... ولایتِ علیؑ کے منکر پر عذاب ❀
- 304 ..... منکرِ ولایت پر نزولِ عذاب کے حوالہ جات ❀
- 306 ..... لفظ موئی کے معانی ❀
- 312 ..... واقعہ غدیر اور شعراء ❀
- 315 ..... حسان بن ثابت کے اشعار ❀

- 316 ..... قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کا نذرانہ عقیدت
- 317 ..... عمرو بن العاص اور خدیجہ کی گواہی
- 318 ..... عکیمت بن زید اسدی اور واقعہ خدیجہ
- 319 ..... سید خدیجہ اور واقعہ خدیجہ
- 322 ..... عید خدیجہ
- 325 ..... وفات رسول اور علیؑ
- 332 ..... ایک اور طرح سے وصیت کا اثبات
- 334 ..... وصیت کے متعلق چند نصوص
- 345 ..... وفات رسول کے بعد وفات زہرا کا صدمہ
- 354 ..... بتول کے بعد امیر کائنات کی شادی
- 354 ..... علیؑ کی ازواج و اولاد
- 356 ..... مجلس شوریٰ اور حضرت عثمانؓ
- 360 ..... حضرت امیر المومنین علیؑ کا شوریٰ میں احتجاج اور اپنے فضائل کا اظہار
- 369 ..... حق بہ حقدار رسید اور جنگ جمل
- 393 ..... میدان جنگ
- 402 ..... زہیر بن عوام کا انجام
- 406 ..... جنگ صفین
- 412 ..... خوارج کا تصور
- 415 ..... امیر المومنین علیؑ اور خوارج
- 418 ..... خوارج کی تباہ کاریاں اور ان کا انجام
- 426 ..... مملکت امامؑ پر لوٹ مار اور تین غارتیں
- 426 ..... پہلی غارت
- 430 ..... برہنہ ابی ارقطہ کی غارت گری



- 432 ..... تیسری قارت ❀
- 435 ..... حضرت علیؑ اپنے خطوط اور خطبات کے آئینہ میں ❀
- 443 ..... حضرتؑ کا ایک اور خطبہ ..... ❀
- 444 ..... حضرتؑ کا ایک اور خطبہ اور عقل کا واقعہ ..... ❀
- 445 ..... ایک اور خطبہ کا کچھ حصہ ..... ❀
- 446 ..... ایک اور خطبہ سے اقتباس ..... ❀
- 447 ..... حضرتؑ کا ایک مختصر ترین خطبہ ..... ❀
- 448 ..... عامل بصرہ عثمان بن حنیف کے نام حضرتؑ کا خط ..... ❀
- 452 ..... انبیائے ماقبل پر حضرتؑ کی فضیلت ..... ❀
- 454 ..... حضرتؑ اپنی شہادت کی خبر دیتے ہیں ..... ❀
- 472 ..... علیؑ کا دغی حالت میں گمراہ لایا جانا! ..... ❀
- 479 ..... علیؑ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں ..... ❀
- 482 ..... حضرتؑ کا وصیت نامہ ..... ❀
- 492 ..... امیر المؤمنینؑ کے حضور خراج تحسین ..... ❀
- 494 ..... امام حسنؑ کا خطاب ..... ❀
- 496 ..... اختتام اور اختصار ..... ❀



## عرض ناشر

بندہ حقیر پر فقیر کو علم اجتہاد کے شہر قم المقدسہ میں کئی سال حصول تعلیم کے لیے رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علمائے اعلام اور بزرگان دین سے ملنے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ ایرانی تہذیب و ثقافت کو قریب سے دیکھا۔ علمی و روحانی محافل و مجالس میں شرکت کی۔ ایرانی قوم گونا گوں کمالات کی مالک ہے۔ علمی و فکری لحاظ سے وہ اہل ورشہ کے حامل ہیں۔ ایرانی عوام اپنے علماء و فضلا کا بہت زیادہ احترام بجالاتے ہیں۔

قم المقدسہ واقعہ علماء کا شہر ہے۔ آپ کو ہر گلی کوپے میں علماء کے گھر نظر آئیں گے جو دین کی سر بلندی کے لیے شبانہ روز کوشاں ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو با مقصد و بامراد بنانے میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ میں ایک دن اپنے علمی و فکری اور روحانی و علمی دوست آقائے بنی کے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں مرحوم آیت اللہ سید کاظم قزوینی کے دختر کی طرف رہنمائی کرتا ہوا پورڈ آویزاں نظر آیا۔ یوں تو میں نے مجالس و محافل میں آیت اللہ مرحوم کا ذکر علماء اور خطباء حضرات سے سنا رکھا تھا لیکن مجھے تفصیلی حوالے سے آگاہی نہ تھی۔ میں نے مرحوم آقا قزوینی کے بارے میں اپنے دوست محمد الاسلام بنی سے پوچھا تو انھوں نے بڑی دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ مرحوم مرتجعاً مرجع شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے پوری زندگی کتب اہل بیت کی تدوین و تلخیص میں گزاری۔ آپ ایک کہنہ مشق خلیفہ تھے۔ آپ نے کئی ایک موضوع پر علمی و تحقیقی کتابیں تحریر کیں۔

آپ کو ادبی علوم پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی علمی خطابت کے ذریعے ہزاروں لوگوں کو آل اطہار کے قریب کیا، بیسیوں مساجد تعمیر کروائیں، بے شمار مدارس تعمیر کروائے۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کو روزگار میسما کیا۔ آپ نے دنیا کے اکناف و اطراف میں جا کر عبادان اہل بیت کے عقائد و نظریات درست کروائے۔ آپ علم مناظرہ پر بدولتی رکھتے تھے۔ آپ قبر حسین

پر مصائب الہی بیت بیان کرنے تو حشر ہوا ہو جاتا اور غم حسینؑ میں ہر آنکھ اٹک بار ہو جاتی۔  
 برادر بزرگوار جی کی گفتگو نے مجھے مرحوم آقا قزوینی کے روحانی طور پر بہت قریب  
 کر دیا تھا۔ پھر میری آپ کے فرزند سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ سید بزرگوار اپنے والد  
 مرحوم کے انکار کو مرتکب کر کے عوام الناس تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ آپ نے مجھے ایک  
 نشست میں اپنے والد کے کئی ایک کراماتی قصے بھی سنائے۔ خصوصی طور پر کتاب: فاطمة الزہرا  
 من الہمد الی اللحد کے سکھانے کی غرض سے بیان فرمائی کہ علامہ کو صدام حسین کے حکم پر  
 زعمان میں بند کر دیا تھا۔ کئی سال زعمان کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد ایک شام پولیس کے  
 کچھ لوگ علامہ کو زعمان سے نکال کر بغداد سے باہر لے گئے۔ گاڑیاں ایک مقام پر جا کر روک  
 دی گئیں۔ وہ لوگ گڑھا کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ علامہ سمجھ گئے کہ مجھے ابھی مار کر یہ دفن  
 کر دیں گے۔

علامہ اسی لمحے سیدۃ فاطمہ الزہراؑ سے متصل ہوئے کہ اے خاتونِ جنت! مجھے اس  
 مصیبت سے نجات دلا دیں تو میں آپؑ پر ایک مبسوط طبعی کتاب لکھوں گا۔ اسی دوران میں ان  
 لوگوں کو وارنٹس پر پیغام ملا کہ علامہ کو قتل مت کرو، انہیں واپس لے آؤ۔ وہ علامہ کو واپس لے کر  
 زعمان پہنچے۔ آپ کو دو مہینے بعد زعمان سے رہائی ملی تو آپ شہرقم کی طرف حازم سفر ہوئے۔  
 آپ نے وہاں یہ کتاب تحریر کی جسے عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

زیر نظر کتاب علامہ کی عربی زبان میں حلی من الہمد الی اللحد کا اردو ترجمہ ہے۔  
 اس کو اردو قالب میں ڈھالنے کے لیے ہمارے دوست جید الاسلام علامہ حسن جعفری نے زحمت  
 کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بحق محمدؐ و آل محمدؑ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائے اور ہماری  
 توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

والسلام مع اللہ کریم

طالب دُعا

ریاض حسین جعفری، فاضل قم



## عرض مترجم

مسلم اڈل شاہ مرداں علی  
عشق را سرمایہ ایمان علی

خطیب منبر سلونی، ایمان کامل، باپ شہرلم نیا و باب خانہ حکمت پیغمبر، نفس رسول، زوج بتول، سلطان اولیاء، مظہر احباب، شیر خدا، سردار اوصیاء، امیر المؤمنین کی ذات والاصفات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس خوش نصیب نے آپ کا ذکر خیر کیا وہ خود لائق تعارف بن گیا۔

آپ ۳۰ عام الخلیل اور ماہ رجب کی ۱۳ کی شب کو طلوع فجر کے وقت بیت اللہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی طور پر ماں نے حیدر نام رکھا اور باپ نے اسد قرار دیا۔ اہل خاندان نے زید نام رکھنا چاہا، ابوطالب کی دعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی، جس پر مرقوم تھا کہ اس کا نام خدا پر علی رکھو، تاکہ نام خدا کی برکت سے اس کی بلندی برقرار رہے اور اس کی بھائے نام خدا کی بھادابستہ ہے۔

تریت کا کام خانہ کعبہ سے ہی رسول اکرم ﷺ نے سنبھال لیا تھا۔ آپ نے بچپن ہی میں علی کو آغوش میں لے لیا تھا اور آنحضرتؐ نے انھیں شب و روز ساتھ رکھا اور کبھی زَصَّتْنِي رَسُولُ اللَّهِ زَعَى كَارِحٍ مِثْلَ كَيْفِ الْأَنْبِيَاءِ الْفَصِيلِ بِأَثَرِ أُمَّهِ كَا مَهْرُ نَمَائِيں کیا۔

جب حکم الہی کے تحت رسول اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے حضرت علیؑ نے آپ کی تائید و تصدیق کی اور آپ نے ذی اسعیرہ میں نصرت کا جو وعدہ کیا

تھا اس پر پوری زندگی قائم رہے۔ خواہ وہ شعب ابی طالب کا اعتلا بھرا دور ہو یا شبہ ہجرت کا  
خونیں ماحول ہو آپؐ نے ہر جگہ قربانی کی لازوال داستانیں رقم کیں۔

ہجرت کے بعد جب اسلامی غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں آپؐ نے اعلیٰ  
کامانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور متادید عرب کو جہنم واصل کیا اور ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کو  
کامیابی دلائی۔

جنگ بدر کی فتح کے بعد قدرت نے حضرت علیؓ کو اس عظیم کارنامے کا انعام دیا  
اور یکم ذی الحجہ کو حضرت علیؓ کا عقد جناب فاطمہؓ سے ہوا۔ بی بیؓ کی خواستگاری کرنے  
والوں میں بڑے بڑے صحابہ پیش ہوئے تھے، لیکن قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ ثور کا عقد  
صرف ثور سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا:  
”اگر علیؓ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؓ کا کوئی ہمسرہ نہ ہوتا۔“

تین ہجری میں کفار نے بدر کا بدلہ لینے کا پروگرام بنایا اور تین ہزار افراد کے ساتھ  
مدینہ پر حملہ کر دیا۔ چند اصحاب کی غلطی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوئی اور  
مسلمان پیغمبرؐ کو چھوڑ کر اُحد کی پہاڑیوں پر دوڑ گئے تھے۔ اس جنگ میں حضرت حمزہؓ و مصعبؓ  
جیسے عظیم القدر افراد کے علاوہ ستر مسلمان شہید ہوئے۔ میدان میں شمع نبوت کی حفاظت کے  
لیے محدودے چند اصحاب باقی بچے۔ یہ ابو طالبؓ کے بیٹے کا جگر تھا جس نے خون کا دریا عبور  
کر کے شمع نبوت کی حفاظت کی تھی اور اسی جنگ میں منادی نے لَاقَتْنِیْ اِلَّا حَلِیْ لَا سَیْفَ اِلَّا  
ذُو الْفَقَّارِ کی صدا بلند کی تھی۔

پھر پانچ ہجری میں باقی عرب جمع ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ رسول اکرمؐ نے  
نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ کے گرد خندق کھدوائی، لیکن مشرکین کا بہت بڑا  
پہلوان عمرو بن عبدود خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اُس نے لشکر اسلام کے سامنے پہنچ کر  
مہارزہ طلبی کی۔ کسی نے اس کی بہادری کی داستان سنا کر مجاہدین کو دم سادھنے پر مجبور کر دیا تھا۔  
اس موقع پر حضرت علیؓ ہی تھے جنہوں نے ذی اسیرہ کے وعدہ کو نبھایا اور تنہا اس سے  
نہر آدھا ہوئے اور دشمن دین کو تہ تیغ کیا۔ رسول اکرمؐ نے اسی ضربت کو عقلمن کی عبادت سے

افضل قرار دیا۔ الفرض اس جنگ میں کُل ایمان نے کُل کفر پر غلبہ حاصل کیا۔

سات ہجری میں خیر کا معرکہ پیش آیا جس کی فتح کا سہرا بھی امیر المومنینؑ کے سر بندھا۔ آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا، بہت سے مشرکین نے کلمہ اسلام پڑھنے میں عی حانیت جانی۔ ایسے افراد میں ابوسفیان اور اس کا گھرانہ بھی شامل تھا۔

فتح مکہ کے بعد جنگ صفین پیش آئی جس میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار افراد پر مشتمل تھی اور مسلمانوں میں فروغ پیدا ہو گیا تھا لیکن جیسے ہی جنگ شروع ہوئی تو سب نے راؤ فرار اختیار کی۔ اس جنگ میں شیر خدا کی شجاعت نے عی فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

نو ہجری میں جیوک کا واقعہ پیش آیا اور یہ عہد بغیر کی واحد جنگ ہے جس میں حضرت علیؑ شامل نہیں ہوئے تھے۔ اسی موقع پر رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق یہ تاریخی اعلان کیا: ”میں مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

جیوک کے بعد سورۂ برأت کی تبلیغ کا مرحلہ پیش آیا۔ اس کام پر پہلے تو ایک اور صحابی کو مامور کیا گیا لیکن وحی الہی کے تحت یہ خدمت امیر المومنین علیؑ کے سپرد کی گئی۔ آپؑ نے مشرکین کے سامنے برأت مشرکین کا اعلان کیا۔

نو ہجری میں خیران کے عیسائیوں سے مہللہ کی نوبت آئی تو آنحضرت ﷺ نے قرآنی آیت کے تحت اَبْنَاءَ نَا میں حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ اور نِسَاءَ نَا میں حضرت فاطمہؑ زہراؑ اور اَنْفُسُنَا میں حضرت علیؑ کا انتخاب کیا۔

ان نورانی چہروں کو دیکھ کر عیسائیوں نے اپنی شکست کا اعتراف کیا اور یوں اسلام کو روحانی فتح نصیب ہوئی۔

دس ہجری میں رسول خداؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر حکم خدا کے تحت غدیر خم میں قیام کیا اور پالانوں کا منبر بنوا کر تمام مسلمانوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ ”جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔“

اس پر تمام اصحاب نے بیعت کی اور مشہور صحابہوں نے آپؐ کو مبارک باد دی۔



کیا یہ ہجری میں رسول مقبول کی وفات ہوئی اور پورے عالم اسلام پر غم کا پہاڑ ٹوٹا۔  
 حضرت علیؑ نے ہی آنحضرتؐ کو غسل و کفن دیا اور اپنے ہاتھوں سے آنحضرتؐ کو لحد میں  
 اتارا۔ اس کے بعد پھر ”چراغوں میں روشنی نہ رہی“ کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔  
 رسول خدا کی اکلوتی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ آپؐ کو  
 آپؐ کے باپ کے ترکہ سے محروم کیا گیا تھا اور آپؐ کا پہلو ٹھکے کیا گیا تھا۔  
 شیر خدا نے اس سخت ترین موقع پر بھی فرمان رسولؐ کی لاج رکھی اور تلوار نہ اٹھائی۔  
 بعد ازاں بچپن برس تک آپؐ خاموش رہے۔  
 بالآخر خلیفہ سوم کے بعد مسلمانوں نے آپؐ کا انتخاب کیا، لیکن جیسے ہی آپؐ خلیفہ بنے  
 تو بدرواۓد کے کہنے دوبارہ تازہ ہو گئے۔

ایک زوجہ رسولؐ کی زیر قیادت آپؐ کے خلاف جنگ جمل لڑی گئی۔ اس کے بعد بنی  
 امیہ کی رشوت نے اپنا کام دکھایا اور تمام دشمنان علیؑ ایک جگہ جمع ہوئے اور جنگ صفین برپا  
 کی گئی۔ اور جب جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئی تو عمرو عاص نے نیزوں پر قرآن بلند  
 کرائے جس کی وجہ سے مجبوراً جنگ بندی کرنا پڑی اور پھر حکمین کے غیر شرعی فیصلے نے  
 تاریخوں میں حرید اضافہ کیا۔ اور ادھر بہت سے نادان عابد و زاہد افراد نے آپؐ کے خلاف  
 شورش مہم کی۔ اس گروہ کو تاریخ میں خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آخر کار خوارج سے  
 نہروان کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی اور یوں آپؐ نے فتنہ خوارج کا استحصال کیا۔  
 پھر ایک خارجی عبدالرحمن بن ملجم لعین نے ماہ رمضان کی انیس کی شب حالت نماز میں  
 آپؐ پر وار کیا اور دو دن بعد آپؐ شہید ہو گئے اور نجف کی سرزمین کو آپؐ کے مدفن ہونے کی  
 سعادت نصیب ہوئی۔

آپؐ کی ذات والاصفات کے اتنے ابعاد ہیں کہ ہر پہلو پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔  
 کتاب ہذا حضرت آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی کے خطابات پر مشتمل ہے۔  
 اس سے قبل بندہ نے مرحوم کی کتاب سیدہ زینب کبریٰؑ از ولادت تا وفات کا ترجمہ

کیا ہے۔ اب بدمذہب کی طرف سے مرحوم علامہ کی یہ دوسری کتاب ہے۔  
جب کہ علامہ مرحوم کی مشہور کتاب فاطمہ زہرا از ولادت تا شہادت کا ترجمہ میرے  
برادر علامہ الطاف حسین کلاچی زیدہ مجدد کر رہے ہیں۔ خداوند عالم ان کو اس میں کامیابی عطا  
فرمائے۔

ان تمام تر علمی و دینی خدمات کا سہرا حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ ریاض حسین جعفری  
کے سر ہے جنہوں نے منہاج الصالحین نامی اشاعتی ادارہ قائم کر کے چند ہی برسوں میں اتنی  
کتابیں شائع کی ہیں جو کہ مشہور ترین ادارے نصف صدی میں بھی شائع نہیں کرا سکے۔  
قوم کو کتابوں کے تحائف دینے میں علامہ ریاض حسین جعفری کو خداوند عالم نے جو  
عزاز عطا کیا ہے وہ کسی دوسرے کے مقدر میں نہیں لکھا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ کاوش قبول فرمائے اور ہمیں قیامت کے دن شفاعت  
امیر المومنینؑ سے بہرہ مند فرمائے اور ادارہ منہاج الصالحین اور اس کے بانی کی توفیقات میں  
اضافہ فرمائے۔

والسلام

حررہ احقر الزمن  
محمد حسن جعفری

## ہدیہ اخلاص

بحضور حضرت صاحب الامر والزمان عجل اللہ فرجه الشریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اے قائم آل محمد! اہل الامۃ امیر المؤمنین علیہ السلام کے مناقب اور احوال زندگی پر مشتمل اس حقیر سے رسالہ کو آپ کی خدمت اقدس میں نذر کرتا ہوں، کیونکہ آپ خدا کی زمین پر اسی کے امین اور بندوں پر خدا کی رحمت ہیں۔

اے قائم الادھیاء! اے نبی امت! اے امام مختار! اے صاحب الامر! اے ہمارے آقا و مولا حضرت مہدی علیہ السلام میں اپنی طرف سے اس صحیفہ ولایت کو آپ کے حضور پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

اے کریم کائنات! میں آپ کے اوصاف عالیہ سے توجع رکھتا ہوں کہ اس ناجزی خدمت کو شرف قبولیت بخشیں گے۔

کرتبول افتد زبے عز و شرف

ناجز اس مقام پر برادران یوسف کا یہ جملہ دہرانا چاہتا ہے:  
يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَّا الْفِتْرَةَ وَجِئْنَا بِبِضَاعٍ مُزْجَجَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ  
وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ○

اور اس کے ساتھ یہ درخواست بھی کرتا ہوں

بکمی اے حقیقت پر نظر نظر آلباس حجاز میں

آپ کی حکومت خطہ کا مختار

محمد کاظم قزوینی

کر بلا، عراق

## ابتدائی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله كما يرطی وصلى الله على سيدنا محمد المصطفى واله  
سادات الوردی

میں روزہ اول سے ہی اولیائے الہی کی زندگی کا شہدائی ہوں، کیونکہ انہوں نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اوامر الہی اور ارادہ پروردگار کی اطاعت کے بلند ترین نمونے ہیں اور ان ہستیوں میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ذات اطاعت الہی کا مظہر اتم ہے۔ سچ یہ ہے کہ مجھے اپنی عربی زبان میں ایسے الفاظ ہی نہیں ملتے، جن کے ذریعے سے آپ کی شخصیت کے کمالات کو بیان کیا جاسکے۔

میں نے یہ الفاظ فرط عقیدت میں لکھے ہیں اور نہ ہی ان سے غلو کرنا مقصود ہے اور ان الفاظ سے مجھے کسی دنیاوی فائدہ کی بھی توقع نہیں ہے۔ میں نے ان الفاظ سے حقیقت اور واقعیت کا اظہار کیا ہے۔

مجھے اپنے قارئین کے متعلق یقین ہے کہ جیسے ہی وہ آپ کی عظیم شخصیت کا سلسلہ وار مطالعہ کریں گے تو وہ بھی میرے ان تاثرات کی تائید کریں گے اور اس کتاب کے مطالعہ سے حق اصلی شکل و صورت میں دکھائی دے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی عظمت کو لفظ ”عظیم“ سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ یہ لفظ ویسے بھی اتنا عام ہو چکا ہے کہ ہر کس و ناکس پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لفظ ”عظمت“ کبھی محکمک ہے اور عظمت کے بہت سے درجات ہیں اور ان میں قلت و کثرت اور ضعف و شدت کا تفاوت پایا جاتا ہے اور یہی حال فضائل و مناقب کا ہے۔

میں آپؐ کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہوں اور میں آپؐ کے مقام کی عظمت کے بیان کی استطاعت ہی نہیں رکھتا۔ میں جتنے بھی بلند ترین الفاظ کا انتخاب کروں اور طائرِ فکر کو پرواز میں لاؤں پھر بھی آپؐ کی ذات والا صفات میرے بیان کردہ اوصاف سے کہیں بلند و بالا دکھائی دیتی ہے۔ آپؐ کی بارگاہ میں طائرِ فکر پرواز ہی نہیں کر سکتا۔

اپنی اس عاجزی کو دیکھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ زیادہ ادیانہ طرز گفتگو کی بجائے سادہ ترین الفاظ میں ہی آپؐ کی زندگی کے چند گوشوں پر تحریر کروں، تاکہ ہر قاری اُسے آسانی سے سمجھ سکے اور مطالب کے سمجھنے میں کسی کو دشواری نہ ہو اور ہماری بھرم افراطیہ مطالب میں مانع نہ ہوں۔

انسانی صفات کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم کو فضائل اور دوسری قسم کو رذائل کہا جاتا ہے۔

انسانی نفوس فطری طور پر فضائل کو پسند کرتے ہیں اور جو ذات فضائل سے آراستہ ہو اُس سے محبت کرتے ہیں۔ فضائل میں علم، شجاعت اور کرم جیسے اوصاف حمیدہ شامل ہیں۔

اس کے برعکس ہر انسان رذائل، یعنی بری صفات سے نفرت کرتا ہے اور رذائل میں لتھڑے ہوئے شخص سے ہر طبع سلیم رکھنے والا شخص کراہت محسوس کرتا ہے۔ رذائل میں جہالت، بزدلی اور بخل جیسی صفات مذمومہ شامل ہیں۔

فضائل اور رذائل لوگوں میں قلت و کثرت اور ضعف اور شدت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات کرم کی صفت اپنے آخری درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح سے بخل کی مذموم صفت آخری حدوں تک پہنچ کر قارون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی حال تمام فضائل اور رذائل کا ہے۔

جب ہم امیرِ کائنات حضرت علیؑ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپؐ کی ذات میں تمام صفات حمیدہ اوجِ کمال پر دکھائی دیتی ہیں اور آپؐ کی ذات والا صفات تمام رذائل سے دُور نظر آتی ہے۔

جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے یہ صرف حُسنِ عقیدت کا اظہار نہیں ہے اور یہ خوبی پہلی

دعویٰ ہرگز نہیں ہے۔ کتاب ہذا کے مضامین اس کے لیے شواہد و براہین کا کام دیں گے۔  
 اللہ تعالیٰ کی کتاب سب سے بڑی حجت ہے اور خدا سے بڑھ کر اور کون سچا ہو سکتا  
 ہے؟ اور اس کے بعد تاریخ صحیح کو مضبوط دلیل کا درجہ حاصل ہے۔

اس مقام پر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی بھی اسے  
 عاجز نہیں کر سکتا۔ خدا کی مشیت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ بندوں کے سامنے انسانیت کے  
 اعلیٰ ترین نمونوں کو پیش کرے اور وہ نمونے اتنے بے مثال ہوں کہ ان پر خدا کو ناز ہو اور  
 انسانوں کو بھی ناز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے سامنے اپنی قدرتِ کاملہ کے دو نمونے پیش کیے ہیں جن کی  
 انسانیت کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

خدا کی قدرت کا پہلا شاہکار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور قدرتِ الہیہ کے  
 دوسرے شاہکار کا نام حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔

میرے دل میں مدت سے یہ خواہش کروٹیں لے رہی تھی کہ میں بھی خریدارانِ یوسفؑ  
 میں اپنا نام لکھاؤں اور امامِ زمانہؑ کے کچھ مواہب و مناقب لکھوں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ میں سمجھتا ہوں کہ انسانیت کو اپنی صلاح و فلاح کے لیے آپؐ کی  
 سیرت اور رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن اس نا پیدا کنار سمندر کو کوزے میں بند کرنا ناممکن  
 ہے۔ آپؐ کی زندگی کے دسیوں پہلو ہیں اور ہر پہلو اس قابل ہے کہ اس پر دسیوں مجلات لکھی  
 جاسکتی ہیں۔ یہی سوچ کر میں اس کام کی جرأت نہ کر سکا۔

بھر ۱۳۸۶ھ کو رمضان کا چاند طلوع ہوا۔ اس مہینہ کی برکت یہ ہے کہ مسلمانوں میں  
 عبادتِ الہی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور دین کی طرف توجہ میں اضافہ ہوتا ہے اور اس ماہ  
 میں ہر مسلمان نیک اعمال بجالانے کی مقدور بھرکوشش کرتا ہے۔ کربلا معلیٰ میں مقیم ہمارے  
 نوجوانوں نے ماہِ مبارک کی راتوں میں دروس کا اہتمام کیا اور دروس میں خطاب کرنا بھی  
 سعادتِ قسامِ ازل نے میرے مقدور میں لکھی۔

میں نے سوچا کہ اس ماہ کے دروس میں ایسے عنوان پر بحث کی جائے، جس سے خدا

کی رضا حاصل ہو اور سننے والوں کو اجر و ثواب ملے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اس مبارک مہینہ کے شانہ ورس میں امیر المومنین علیؑ کی شخصیت پر گفتگو کی جائے اور اسی عنوان کو اپنی گفتگو کا محور قرار دیا جائے، کیونکہ اس سے دینی، ملی، روحانی اور تربیتی فوائد کا حصول یقینی ہے اور یہ موضوع تمام ہندوگان خدا کے لیے فائدہ مند ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ امیر المومنین علیؑ پر گفتگو درحقیقت اسلام حقیقی پر گفتگو ہے، کیونکہ آپؑ کے حالات زندگی کے بیان سے اسلام کے آغاز سے علم و اہستہ ہے اور اُن سے اسلام کی اثر انگیزی مکمل کر سامنے آتی ہے اور پیغمبر اعظم ﷺ کی تبلیغی مساعی کا مکمل کرا اظہار ہوتا ہے۔ ہم اپنی گفتگو میں امام مہدی علیہ السلام کی زندگی کے چند پہلوؤں پر بحث کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ آپؑ نے کس طرح سے خون کا دریا تیر کر اسلام کو بچایا تھا اور آپؑ نے پرخطر حوادث کا مقابلہ کس انداز سے کیا تھا؟

جی ہاں! اسلام کی تاریخ میں ایسے پرخطر مواقع بھی آئے جب لوگوں کے چہروں کی رنگت اڑ گئی تھی اور دل مفلوم تک جا پہنچے تھے تو ان غونی مناظر میں ابو طالبؑ کے لعل کا کردار کیا تھا؟

ہم ان حوادث کے سلسلہ کی ابتدا ایام پیغمبر ﷺ سے کریں گے اور اس ضمن میں ہم آنحضرتؐ کی غنی اور مکمل عداوت کا تذکرہ بھی کریں گے اور اسلام کو درجہ بدرجہ ملنے والی کامیابیوں کا ذکر بھی کریں گے۔

ہجرت نبویؐ کے بعد حالات نے اور گھمبیر شکل اختیار کر لی تھی اور تمام کفار غرق آہن ہو کر نور خدا کو بجھانے کے درپے ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے غزوات اور قربانیوں کا دور شروع ہوا۔ عرب کی دھرتی انسانی خون سے لالہ زار ہو گئی اور عرب کی وادیاں قبرستانوں میں بدل گئی تھیں۔ ان مشکل ترین مراحل میں حضرت علیؑ نے جو قائدانہ کردار ادا کیا تھا اور دین کی بھاکے لیے آپؑ نے جو جدوجہد کی تھی اُس کا قدرے تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔

حیات پیغمبرؐ میں اسلام کے مجاہد اعظم کی زندگی کا ایک اہم ناک اور طویل باب یہ بھی ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد اسلام کے اس مجاہد اعظم نے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی اور روح فرسا

حالات پر صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔ آپؐ نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس کی بجائے آپؐ نے اسلام اور مسلمانوں کے وسیع تر مفادات کے تحفظ کے لیے صبر و سکوت کو ترجیح دی تھی۔ اسی حال میں آپؐ نے تقریباً چھائی صدی تک زندگی بسر کی۔ آپؐ کا زیادہ تر وقت اپنے ہیبت و صمت میں بسر ہوتا تھا۔ آپؐ کے پاس کسی طرح کے حکومتی اور سیاسی اختیارات نہیں تھے۔ اس عرصہ میں آپؐ پر کسی طرح کی مسئولیت کا کوئی بوجھ نہیں تھا، کیونکہ مسئولیت کے لیے قدرت و قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

آخر کار خلیفہ ثالث کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے اُس طویل اور سیاہ رات کا خاتمہ ہوا۔ پھر چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اب تک سیاست مداروں نے جس شخصیت کو گناہم رکھنے کی پوری کوشش کی تھی اب تمام مسلمانوں کی زبان پر اسی شخصیت کا ہی نام تھا اور غدیر کے اعلان کے بعد سے جو خلافت چھٹی گئی تھی پھر وہی خلافت آپؐ کے قدموں میں تھی۔

پھر اس کے بعد آپؐ کی مسئولیت کا دور شروع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ قانون اسلامی کے احکام اور مختلف حالات میں احکام الہی کی تطبیق کے زمانہ کا آغاز ہوتا ہے اور اسی زمانہ میں مخالف نظریات سے کمر اڑا کر مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے آپؐ کو بے انتہا مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہم قدم بہ قدم امیر المؤمنینؑ کی تاریخ بیان کریں گے اور آپؐ کی شہادت تک آپؐ کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔ آپؐ نے عدالت الہی کے جو نمونے قائم کیے تھے ان پر بھی ہم اختصار سے بحث کریں گے اور ہم آپؐ کی ان وصیتوں کو بھی بیان کریں گے جو آپؐ نے اپنی وفات سے قبل ارشاد فرمائی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہم امام علیؑ کے کچھ کلمات اور آپؐ کے فضائل اور مکارم اخلاق کا تذکرہ بھی کریں گے۔

ہم مجبور ہیں کہ ہر حادثہ کی مکمل تفصیل کی بجائے صرف ان جملوں پر قناعت کریں گے، جن کا براہ راست امام علیؑ سے ارتباط ہو اور غزوات کے مکمل بیان کی بجائے ہم حضرتؑ کے کردار پر ہی بحث کریں۔

ہمیں یقین ہے کہ انسان اپنی پوری کوشش کے باوجود آپؐ کی زندگی کے تمام گوشوں کا



احاطہ نہیں کر سکتا۔ انسانی زبان و قلم اس سے عاجز ہے، کیونکہ آپؐ کی ذات والامفات کی مثال سمندر کی سی ہے، جس کے اطراف تک رسائی ناممکن ہے اور اس کی گہرائی کا ماپنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

جب بھی کوئی انسان امام علیؑ کی شخصیت پر بحث کرنے لگتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامنے غیر متناہی جہان کھڑا ہے اور وہ اس کی فضا میں پرواز کر رہا ہے لیکن تھوڑی سی پرواز کے بعد اس کے پھولوں کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ جہاں آپؑ کی ذات لاقتناہی ہے اور ہمارے افکار کی سرحدیں انتہائی محدود ہیں تو پھر حق یہ ہے کہ اگر ہم آپؑ کا مکمل ادراک نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کے کچھ پہلوؤں کو تو اُجاگر کیا جائے۔

آئیے اب ہم آپؑ کو صحنہ شہداء ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام کے سامنے واقع جامع صافی میں لے چلتے ہیں اور حسب ذیل گفتگو سے آپؑ کے ادیان عالیہ کو معطر کرتے ہیں۔



## خدا کی قدرت لامحدود ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ  
اَلْكَرَامَ الْبَرَرَةِ

ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس ماہ مبارک کے دروس میں ہم اس شخصیت پر گفتگو کریں گے جس کی رسول خدا ﷺ کے بعد تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اور وہ شخصیت ہمارے آقا و مولا امیر کائنات ابوالحسن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ہے اور ہم اپنی گفتگو کا آغاز کعبہ میں حضرت کی ولادت باسعادت سے کریں گے۔

البتہ واقعہ بیان کرنے سے پہلے اگر تمہیدی گفتگو کی جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور امت قرآن ہونے کی وجہ سے ہمیں خارق عادت واقعات اور ماوراء الطبیعات پر بھی ایمان رکھنا پڑتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں بہت سے خارق عادت واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ان واقعات کو آپ ”ماورائیات“ اور ”میتافزکس“ اشیاء کا نام دے سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں، جن کا تعلق ”ماورائیات“ سے ہے اور بحیثیت مسلمان ہم ان واقعات کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا انکار کر سکتے ہیں، کیونکہ ہم قرآن کو ہر طرح کے شک و شبہ سے بلند و برتر سمجھتے ہیں اور ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ باطل کا قرآن میں گزر نہیں ہے اور باطل قرآن کے آگے سے آسکا ہے اور نہ ہی پیچھے سے۔

مثلاً آگ کی فطرت میں جلانا شامل ہے اور آگ کی طرف جلانے کے عمل کی نسبت ایک بدیہی الثبوت معاملہ ہے۔ جب کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے بت خانہ میں داخل ہو کر بت توڑے تو اُس وقت کے لوگوں نے حسرت کو جلانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپؐ کے جلانے کے لیے آگ روشن کی گئی اور آپؐ کو تحقیق میں بٹھا کر آگ میں ڈالا گیا۔ اس وقت خدا نے یہ عبادی:

قُلْنَا يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ (سورۃ انبیاء: آیت ۶۹)

”اے آگ! ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک ہو جا اور سلامتی بن جا۔“

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ جب خدا نے آگ سے فرمایا: ”ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک بن جا“ تو نارِ نمرود میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہوئی جو کہ آپؐ کے لیے ناقابلِ برداشت تھی تو خدا نے فوراً آگ سے کہا کہ ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن جا۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا تذکرہ کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ وہ اڑدیا بن جاتا تھا اور اس نے اڑدیا بن کر جادو گروں کی مصنوعی رسیوں کو گھل لیا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی عصا بن گیا۔

قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑے معجزات عطا کیے تھے۔ آپؑ پیدا ہونے کے بعد ہی آپؑ کو پھانسی اور مبروص افراد کو تندرستی عطا کرتے تھے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرتے تھے۔

چنانچہ قرآن کریم کے تین مقامات پر اس معجزے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح کے حالات و واقعات انبیائے کرامؑ کی زندگی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، جن سے انسان کو خدا کی لامتناہی قدرت کا یقین ہو جاتا ہے اور انسان تسلیم کر لیتا ہے کہ تمام موجودات خدا کے حکم و ارادہ کی پابند ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت کے موقع پر دیوارِ کعبہ کے شق ہونے میں بھی کوئی شک نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ خدا کی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ ہے۔

علیؑ مولودِ کعبہ

جب حضرت فاطمہ بنت اسد کو حمل کے نویں ماہ دروزہ محسوس ہوئی تو آپؐ اپنے گھر

سے نکل کر مسجد الحرام آئیں اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپؐ نے تسہیل ولادت کے لیے دُعا کی اور دُعا میں یہ کہا:

یا رب انی مؤمنہ بك وبكل کتاب انزلتہ وبكل رسول ارسلتہ  
..... ومصدقہ بكلامك وكلام جری ابراهيم الخلیل علیہ السلام وقد بانى  
بیتك العقیق واسألك بحق انبیائك المرسلین وملائكتك  
المقربین وبحق هذا الجنین الذی فی أحشائی..... ألا یسهل علیّ  
ولادتی

”پروردگار! میں تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور تیری نازل کی ہوئی ہر کتاب اور تیرے بھیجے ہوئے ہر رسول پر ایمان رکھتی ہوں۔ میں تیرے اور اپنے جدِ نامدار ابراہیم علیہ السلام کے کلام پر ایمان رکھتی ہوں۔ اسی نے تیرے اس قدیم گھر کو بنایا تھا۔ میں تجھے تیرے انبیائے مرسلین اور ملائکہ مقربین کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور تجھے اس امانت الہیہ کا واسطہ دیتی ہوں جو کہ میرے صدفِ عصمت کی زینت ہے، میرے لیے ولادت کے مرحلہ کو آسان فرما۔“

سیدہ کی دعا ختم ہوئی اور زعب اسد اللہ سے ”دیوارِ کعبہ کا کلیجہ پھٹ گیا“۔ دیوارِ کعبہ اس مقام سے شق ہوئی جسے ”سُجّار“ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد بی بی کعبہ میں داخل ہوئیں۔ پھٹی ہوئی دیوار دوبارہ مل گئی اور سیدہؑ نے وہاں حضرت علیؑ کو جنم دیا۔ (بخاری، جلد ۹)

ہم سب اس بات سے آگاہ ہیں کہ کعبہ کا دروازہ موجود تھا جہاں سے انسان کعبہ میں داخل ہو سکتا تھا، لیکن قدرت نے دروازہ نہ کھلویا، اس کے بجائے دیوارِ کعبہ شق ہوئی تاکہ علیؑ کی آمد کی واضح نشانی دکھائی جائے اور کل کلاں کوئی یہ نہ کہے کہ قاطعہ بنت اسد معروف طواف تھیں۔ جب وقت ولادت قریب آیا تو آپؐ دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔

اس معجزہ کا عجیب پہلو یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی کئی بار تعمیر ہوئی، لیکن وہ نشانِ دیوارِ کعبہ

میں آج بھی موجود ہے۔ حکومت نے اس شکاف کو چاندی اور شیشہ سے بھرا ہے، مگر اس نشان کو آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ بہت سے حجاج کرام اس دیوار کا بوسہ لیتے ہیں اور اس سے اپنے سینوں کو خس کرتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر خدا سے دعا مانگتے ہیں۔

شیخ طوسی "امالی" میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت عباس بن عبدالمطلب اور یزید بن قصب بیٹھے ہوئے تھے اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب بیت اللہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں قاطمہ بنت اسد بن ہاشم وہاں آئیں۔ اُس وقت انھیں حمل کے نو ماہ پورے ہو چکے تھے۔

بی بی بیت اللہ کے سامنے کھڑی ہوئیں۔ انھیں دروازہ لائق تھا۔ انھوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

الغرض بی بی کعبہ کے اندر چلی گئیں۔ پھٹی ہوئی دیوار دوبارہ مل گئی جب کہ دروازہ بند تھا۔ حضرت ابوطالب کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ وہ اپنے ساتھ اپنے خاندان کے افراد کو بھی لے کر آئے اور کوشش کی کہ کسی طرح سے کعبہ کا دروازہ کھل جائے اور خواتین کو بی بی کی مدد کے لیے بھیجا جائے، لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔

اس سے انھیں یقین ہو گیا کہ یہ معاملہ خدا کی طرف سے ہے۔ بی بی نے اعدودی حالات یوں بیان کیے کہ جب میں کعبہ میں داخل ہوئی تو میں کچھ دیر اندر سرخ خرخر پر بیٹھی۔ اتنے میں میرا فرزند علی پیدا ہوا۔ مجھے اس کی ولادت سے کسی درد اور تکلیف کا احساس نہ ہوا۔  
الغرض امیر المومنین کی والدہ ماجدہ عین دن تک کعبہ میں رہیں۔ یہ خبر پورے مکہ میں پھیل گئی اور تمام لوگ اس واقعہ کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ لوگ مسجد الحرام میں جمع ہوئے تاکہ اس حادثہ کی نوعیت معلوم کریں۔

جب تیسرا دن ہوا تو حضرت قاطمہ بنت اسد اسی مقام سے باہر آئیں جہاں سے وہ داخل ہوئی تھیں اور آپ نے اپنے ہاتھوں پر چاند سے بھی زیادہ حسین بچہ کو اٹھایا ہوا تھا۔

وہاں پر موجود مجمع بی بی کی طرف بڑھا۔ اس وقت بی بی نے مسجد الحرام کے صحن میں یہ

خطبہ دیا:

## مادرِ امیر المومنینؑ کا خطبہ

حضرت فاطمہ بنت اسدؑ نے حاضرین سے خطاب کیا اور ارشاد فرمایا:

معاشی الناس! ان الله عز وجل اختارني من خلقه وفضلني على  
المختارات ممن معني من قبلي وقد اختار الله آسية بنت  
مزامح فانها عبدت الله سرا في موضع لا يحب ان يعبد الله فيها  
الا اضطرارا

ومريم بنت عمران حيث هانت السيرت ولادة عيسى فحفرت  
الجذم اليابس من النخلة في فلاة من الارض حتى تساقط  
عليها رطبا جنيا وان الله اختارني ﴿فضلني﴾ عليها وعلى كل  
من معني قبل من نساء العالمين لاني ولدت في بيته العتيق  
وبقيت فيه ثلاثة ايام اكل من ثمار الجنة وارنقها... الى آخره  
”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق میں سے چنا ہے اور مجھے پہلی  
خواتین پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسیہ بنت مزاحم کا انتخاب کیا۔  
اس نے چھپ کر ایسی جگہ پر خدا کی عبادت کی تھی جس میں اضطراری  
حالت کے بغیر خدا نہیں چاہتا کہ اس مقام پر اس کی عبادت کی جائے۔  
اللہ نے مریم بنت عمران کا انتخاب کیا، جب اُن کے ہاں عیسیٰؑ کی ولادت  
ہوئی تھی تو انہوں نے بھوک مٹانے کے لیے ویران جگہ پر ایک خشک  
کھجور کو ہلایا تھا اور اُس سے تازہ کھجوریں گری تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر بھی فضیلت دی اور مجھ سے پہلے تمام جہانوں  
میں جتنی بھی عورتیں گزری ہیں، اُن سب پر مجھے فضیلت دی، کیونکہ میں  
نے اپنے بچہ کو خدا کے قدیم گھر میں جنم دیا ہے اور میں نے وہاں عین  
دن قیام کیا۔ اس عرصہ میں میں عین جنت کا رزق اور وہاں کے ثمرات کھاتی  
رہی.....“۔

اس تفصیل کے بعد اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا اور خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ پر تعجب کرنے کی محاجات باقی نہیں رہی۔

اگر خدا اپنے ولی کی ولادت کے لیے زمین کے افضل ترین حصہ کا انتخاب کر لے تو پھر اس میں تعجب کا کیا مقام ہے؟ اور اگر خدا اپنے دل کے زچہ خانہ کو ممتاز کرنا چاہے تو پھر اس میں شک کیسا اور حیرت کیسی؟

اگر خدا اپنے مقرب بندوں پر عطیات و احسانات کی بارش کرے، تاکہ وہ خدا کے ہاں ان کی محبوبیت کی دلیل بن جائے تو پھر اس میں کون سی قحاحت ہے اور اس میں کیا رکاوٹ ہے؟

حضرت علیؑ کی حرم میں ولادت کا تذکرہ شیخ مفیدؒ (الحتوفی ۳۳۱ھ) نے اپنی کتاب ارشاد میں کیا ہے۔ اس طرح سے شیخ طوسیؒ اور ماہر انساب علی بن ابی الختائم اور شہیدؒ نے حزار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ سید ابن طاووسؒ نے مصباح میں اور علامہ علیؒ (الحتوفی ۳۶۷ھ) نے اپنی کتاب ”کشف الحق وکشف الیقین“ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

قرن دوم کے شاعر سید حمیری نے حضرتؑ کی ولادت پر حسب ذیل نظم نظم بند کی تھی۔

ولدتہ فی حرام اللہ وامنہ      والبیث حیث فناؤہ والمسجد  
بیضاء طاهرة الثیاب کریمۃ      طابت وطاب ولیدھا والبولد  
مالف فی خرق القوابل مثلہ      الا ابن آمنۃ النبی محمد

”ان کی والدہ ماجدہ نے انہیں خدا کے حرم اور مقام امن میں جنم دیا تھا۔ وہ خاتون اہتائی عقیقہ و پاک باز تھیں۔ وہ خاتون خود بھی پاک تھیں، ان کا نومولود بھی پاک تھا اور زچہ خانہ بھی پاک تھا۔ جیسے آج تک ماہیوں کے کپڑوں میں اس جیسے طاہر کو نہیں لپیٹا گیا۔ البتہ فرد عمر آمنہ حضرت محمدؐ سے مستثنیٰ ہیں۔“

اسی طرح سے شاعر محمد بن منصور سرخسی نے بھی حضرتؑ کی اس فضیلت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ موصوف چھٹی صدی ہجری کے فرد تھے۔ انہوں نے یہ کہا تھا:

ولدته منجبة وكان ولادها في جوف كعبة افضل الاكنان  
حضرتؑ کی ولادت کعبہ کا ذکر صرف شیعہ علماء تک محدود نہیں ہے۔ بہت سے سنی علماء  
نے بھی اس حقیقت کو نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کو مسعودی نے مروج الذهب اور اثبات الوصیہ  
میں اور عبد الحمید خان دہلوی نے اُسے سیرت الخلفاء میں لکھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے  
محدثین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

عبدالہابی المعری اور عبد المسیح الطاک نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے: وسط کعبہ میں آپؑ کی  
ولادت کا واقعہ متفق علیہ ہے۔ اور یہ آپؑ کی وہ خاصیت ہے جس میں کوئی بھی آپؑ کا شریک  
نہیں ہے۔ آپؑ سے پہلے کوئی کعبہ میں پیدا ہوا اور نہ ہی آپؑ کے بعد کسی کی کعبہ میں ولادت  
ہوئی۔

محمود آلوسی نے عبدالہابی المعری کے قصیدہ کی شرح میں یہ الفاظ لکھے: ”امیر المومنین  
علیؑ کا کعبہ میں پیدا ہونا دنیا کا مشہور واقعہ ہے اور اسے شیعہ سنی علماء نے نقل کیا ہے۔۔۔۔۔  
جیسا کہ آپؑ کی ولادت مشہور ہے۔ اتنی کسی کی بھی ولادت کو شہرت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

کچھ یہ ہے کہ اہل الاحمہ کی ولادت کے لیے کعبہ سے بہتر جگہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ نے  
آپؑ کی ولادت اس جگہ کرائی جو کہ اہل ایمان کا قبلہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات، جس نے اشیاء  
کو ان کے مناسب مقام پر رکھا ہے اور وہ احکم الحاکمین ہے۔

حضرت ابو طالبؑ نے اپنی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسدؑ کو نو مولود کی مبارک دی اور  
اپنے فرزند کو اٹھا کر سینہ سے لگایا، پھر ان کی والدہ کے حوالے کیا۔

رسول خدا ﷺ اپنے ابن عمؑ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ آنحضرتؑ کے جمال  
مبارک پر نو مولود کی نظر پڑی تو مسکرانے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسا کہ ایک سال کا بچہ مسکرا رہا ہو۔  
آنحضرتؑ نے اپنے ابن عمؑ کو اٹھایا اور آپؑ کو بوسے دیے اور آپؑ نے اس مولودؑ کی  
جود کی ولادت پر خدا کی حمد کی۔ آپؑ علم الہی سے جانتے تھے کہ یہی مولود آپؑ کا بھائی اور  
وزیر ہوگا اور یہی بچہ اول المومنین ہوگا اور یہی معصوم بچہ مستقبل میں دین خداوندی کی ترویج و  
خلیج کرے گا۔



الغرض اس مصوم بچے نے رسول خدا ﷺ کو سلام کیا، اور اس کے بعد نومولود نے ان آیات کی تلاوت کی:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ○ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ○ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ○ لَمَنِ ابْتَنَىٰ ذَرَاءً فَأُولَٰئِكَ فَاوِزُكَ هُمُ الْعَادُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ○ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ○ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرَادُوسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (سورہ مؤمنون: آیت ۱۱ تا ۱۴)

”یہیہ اُن اہل ایمان نے فلاح پائی ہے، جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے اور جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ کا عمل انجام دینے والے اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور اُن کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت ہوتی ہیں ان کے لیے وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ جو ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے جنسی تسکین تلاش کرے تو وہ زیادتی کرنے والے ہیں اور وہ جو کہ اپنی امانتوں اور معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں اور جو کہ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہوں گے جو کہ فردوس کی وصافت پائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

رسول اکرم ﷺ نے جب اپنے بھائی کی زبان سے یہ آیات سنی تو آپؐ نے

ارشاد فرمایا:

اِنَّتَ وَاللهِ اميرهم تبديهم من علومك فيستارون وانت والله

دليلهم ربك يهتدون

”فلاح پانے والوں کا امیرؑ ہے اور ٹو انھیں اپنے علم کا رزق فراہم کرے گا اور وہ حاصل کریں گے۔ خدا کی قسم ان کو اُن کا رہبر ہے اور تیرے ہی ذریعہ سے وہ ہدایت پائیں گے۔“

ریحیں مکہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خوشی میں بہت بڑی خیرات کا اہتمام کیا اور منادی کرائی: ”لوگوا آؤ میرے فرزند کی پیدائش کے ولیمہ میں شرکت کرو۔“  
 بیعتہ البلد ابوطالبؑ نے اپنے فرزند کی پیدائش پر تین سو اونٹ اور ایک ہزار گائے اور بکریاں ذبح کرائیں اور اہل مکہ کو عظیم ولیمہ دیا اور لوگوں سے فرمایا:  
 ”جو میرے فرزند کے ولیمہ میں شرکت کا خواہش مند ہے تو وہ آئے اور بیت اللہ کے گرد سات اشواط پر مشتمل طواف کرے اور میرے فرزند پر سلام کرے۔ اللہ نے میرے بیٹے کو شرف عطا کیا ہے۔“ (بحوالہ انوار، جلد ۹)

## دو سوال اور اُن کے جوابات

اس مقام پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

- ① امیر المومنین حضرت علیؑ نے تین دن کی عمر میں کس طرح کلام کیا؟
  - ② انھوں نے پیدائش کے بعد قرآن کیسے پڑھا، جبکہ اس وقت تک تو نبی اکرم ﷺ پر نزول قرآن کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا؟
- پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت کا تین دن کی عمر میں کلام کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت مریمؑ اپنے فرزند حضرت عیسیٰؑ کو لے کر قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے بی بیؑ پر اعتراض کیا اور کہا:
- ”اے خواہر ہارون! تیرا والد بڑا تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی (پھر تو کنواری ہو کر ماں کیسے بن گئی؟)“

جول بی بیؑ نے خود کلام نہیں کیا تھا انھوں نے اپنے فرزند حضرت عیسیٰؑ کی طرف

اشارہ کیا۔

یہودی کہنے لگے: ہم پتھوڑے میں لیٹے ہوئے ایک مصوم بچے سے کیونکر کلام کریں؟  
قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوری تقریر کی اور ارشاد

فرمایا:

اِنِّ عَبْدُ اللّٰهِ اَتَيْنِي الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا... الی آخر؛

”میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا

ہے۔“ (سورہ مریم: آیت ۳۰)

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پتھوڑے میں کلام کر سکتے ہیں تو حضرت علی علیہ السلام تین دن کی عمر

میں کلام کیوں نہیں کر سکتے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس لیے کلام کیا تھا کہ وہ نبی تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے اس

لیے کلام کیا تھا کہ آپ ”نبی“ کے غلیغہ اور وصی تھے۔ آپ کی کھنکھو قدرتِ خداوندی کی شاہد تھی

اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝

”ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا۔“

جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر موقعِ عمل کے مطابق

صحیحیں برس تک نازل ہوتا رہا۔

قرآن کے نزول کے دو مرحلے ہیں: ایک مرحلہ کو ”انزال“ اور دوسرے مرحلہ کو

”تنزیل“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

”انزال“ کسی چیز کے یکبارگی نزول کو کہتا ہے اور ”تنزیل“ رفتہ رفتہ نزول کو کہا جاتا

ہے۔ جب کہ سورہ قدر میں لفظ انزلنا ہے جو کہ انزال سے مشتق ہے، جس کا معنی یکبارگی

نازل کرنا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام نے اس مشکل کو یوں حل فرمایا کہ خدا نے قرآن کو آسمانِ دنیا پر

یکبارگی نازل کیا تھا۔ یہ مرحلہ انزال کا مرحلہ ہے۔ پھر موقع محل کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے نازل کیا یہ تزیل کا مرحلہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے قرآن آسمان دنیا پر اتارا جا چکا تھا پھر خدا نے جس بچہ کی ولادت کے لیے خانہ کعبہ کا انتخاب کیا اگر اس پر قرآن کی کچھ آیات کا الہام کر دیا ہو تو پھر اس میں تعجب کیسا؟<sup>①</sup>

آپ کی ولادت ۱۳ رجب کو ہوئی اور عام الفیل کا تیسواں برس تھا۔  
ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ آپ کی ولادت اس سے پہلے ہوئی تھی۔



① اس طرح کے اعتراض صرف اس لیے کیے جاتے ہیں چونکہ قرآن پڑھنے کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اس لیے لوگوں کو اس طرح کے اعتراض نہائی دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کو ہم ایک اور طریقہ سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ تمام مسلمان یہ مانتے ہیں کہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو لاتعداد معجزات عطا کیے تھے آپ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ جب مقام اعجاز پر نکلے اور سنگریزوں کو اپنے ہاتھ پر اٹھاتے تو وہ لگے پڑھنے لگ جاتے تھے۔ حالانکہ پھر بے جان ہیں۔ یہ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ کا معجزہ ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ پر پہنچ کر بولنے لگ جاتے تھے اور لگے پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ جس نبی کے ہاتھ کا یہ کمال ہو کہ بے جان پتھر بھی بولنے لگ جائیں، اب اگر اسی نبی کے ہاتھ پر جان دار علی رضی اللہ عنہ پڑھنے لگے تو اس میں تعجب کیوں ہے اور حیرانگی کی کیا بات ہے؟

## مسلم اوّل شاہ مرداں علیؒ

آج کی شب ہمارا عنوان ہے کہ حضرت علیؓ کی تربیت کس نے کی اور کس اعزاز میں کی؟

تاریخ اسلام بیان کرتی ہے کہ حضرت علیؓ کی تربیت رسول اکرم ﷺ کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ خدا جانے کائنات کے عظیم مربی نے اپنے بھائی کی تربیت کیسے کی تھی اور لائق و فائق بھائی نے اس تربیت سے کیا کچھ حاصل کیا تھا؟

ہمارے پاس اس کے لیے مناسب الفاظ موجود نہیں ہیں۔ آئیے اس داستان کو خود امیر المومنین علیؓ کی زبانی سماعت فرمائیں۔

### حضرت علیؓ کی تربیت کی کہانی خود اُن کی زبانی

آپؓ نے اپنے مشہور خطبہ ”قاصدہ“ میں اپنی تربیت کی کہانی کو یوں بیان فرمایا:

أَنَا وَضَعْتُ فِي الصَّغَرِ بِكَلَالِ الْعَرَبِ وَكَسَمْتُ نَوَاجِمَ رَبِيعَةٍ وَمَضَرًا وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَالْمَنْزِلَةِ الْخَصِيصَةِ وَضَعَنِي فِي حَجْرِهِ وَأَنَا وَلَدٌ يَفْضِنِي إِلَى صَدْرِهِ وَيَكْنُفُنِي فِي فِرَاشِهِ وَيُسَنِّنِي جَسَدَهُ وَيُسَمِّنِي عَرَفَهُ وَكَانَ يَنْفُخُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِنِيهِ وَمَا وَجَدَنِي كَذِبَةً فِي قَوْلٍ، وَلَا خَطْلَةً فِي فِعْلٍ، وَلَقَدْ قَرَنَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقَ الْكَارِمِ، وَمَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ، لَيْلَهُ وَنَهَارُهُ، وَلَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُنِي كُلَّ سَنَةٍ بِحَرَاءٍ فَأَرَاهُ وَلَا يَرَاهُ غَيْرِي وَلَمْ يَجْعَمْ بَيْنَ وَاحِدٍ فِي

الْإِسْلَامِ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَخَدِيجَةَ وَأَنَا  
ثَالِثُهُمَا أَرَى نُورَ الْوَحْيِ وَالرِّسَالَةِ، وَأَشْمُ رِيحِ النُّبُوَّةِ، وَلَقَدْ  
سَمِعْتُ رَنَّةَ الشَّيْطَانِ حِينَ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ،  
فَقُلْتُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذِهِ الرَّنَّةُ فَقَالَ: هَذَا الشَّيْطَانُ قَدْ  
أَيَسَّ مِنْ عِبَادَتِهِ إِنَّكَ تَسْمَعُ مَا أَسْمَعُ، وَتَرَى مَا أَرَى إِلَّا إِنَّكَ  
لَسْتَ بِبَنِيٍّ وَلَكِنَّكَ لَوْزِيٌّ، وَإِنَّكَ لَعَلَى خَيْرٍ۔

”میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ جو عزمین کر دیا تھا اور قبیلہ ربیعہ و  
مصر کے ابھرے ہوئے سیگوں کو توڑ دیا تھا۔ تم جانتے ہی ہو کہ رسول  
اللہ ﷺ سے قریب کی عزیزداری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ  
سے میرا مقام اُن کے نزدیک کیا تھا؟

میں ابھی بچہ ہی تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔ آپؐ مجھے اپنے  
سینہ سے چٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔  
اپنے جسم مہارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سٹگھاتے  
تھے۔ پہلے آپؐ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں  
دیتے تھے۔ انھوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور نہ  
ہی میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپؐ کی دودھ  
بڑھائی کے وقت سے ہی فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح  
القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انھیں شب و روز بزرگ خصلتوں  
اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلا تھا اور میں اُن کے پیچھے پیچھے یوں لگا  
رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔

آپؐ ہر روز میرے لیے اخلاقی حسن کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے  
ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ آپؐ ہر سال (کوہ) حرام میں کچھ عرصہ  
قیام فرماتے تھے۔ وہاں میرے علاوہ انھیں کوئی نہیں دیکھتا تھا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ اور (ام المؤمنین) خدیجہؓ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام موجود نہ تھا۔ البتہ ان میں میں تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کا ثور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی۔ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ چیخ کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

(اے علیؓ) جو میں سدا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں اُسے تم بھی دیکھتے ہو۔ فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر اور جانشین ہو اور یقیناً تم بھلائی کی راہ پر ہو۔ (نوح البلاغ، خطبہ ۱۹۰) علامہ حلیؒ نے اس خطبہ کو کشف الیقین میں بھی نقل کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ مادرِ امیر المؤمنینؓ سے فرماتے تھے کہ اس کا جھولا میرے بستر کے قریب رکھو۔

آنحضرتؐ اپنے بھائی کی تربیت و کفالت کیا کرتے تھے۔ آپؐ بچپن میں ننھے بھائی کو خود نہلاتے تھے اور انھیں اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتے تھے اور سونے کے وقت خود جھولا جلاتے تھے اور انھیں لوریاں سناتے تھے، اور آپؐ انھیں اپنے سینہ پر اٹھاتے تھے اور کہا کرتے تھے:

”یہ میرا بھائی اور میرا وارث ہے اور یہ میرا منی ہے، یہ میرا سرمایہ ہے اور یہ میرے لیے حقائق چٹان ہے اور یہ میرا پشت پناہ ہے۔ میرا وصی ہے اور میرا داماد ہے اور یہ میری وصیتوں کا امین ہے اور میرا جانشین ہے۔“

آنحضرتؐ اپنے چھوٹے بھائی کو ہمیشہ کندھوں پر اٹھائے رہتے تھے اور انھیں پہاڑوں کی گھاٹیوں اور مکہ کی وادیوں کی سیر کراتے تھے۔ (بحار، ج ۹)

فطہی نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ پر اپنا خصوصی کرم کیا تھا۔ حضرت علیؓ کا بچپنا تھا کہ مکہ میں سخت قحط پڑ گیا جب کہ حضرت

ابوطالبؓ کثیر الحیال تھے۔

اس وقت رسولؐ خدا اور آپؐ کے چچا عباس کے مالی حالات اچھے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچا عباس سے فرمایا کہ ابوطالبؓ کثیر الحیال ہیں اور ہر طرف قحط کا دور دورہ ہے۔ آپؐ میرے ساتھ چلیں اور ان کا بوجھ ہلکا کریں۔ میں ان کے ایک بیٹے کو اپنی گود میں لے لوں گا اور ایک بیٹے کو آپؐ اپنی آغوش میں لے لیں۔

عباس نے کہا: یہ تجویز مناسب ہے۔ چنانچہ دونوں حضرت ابوطالبؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ جب تک حالات بہتر نہیں ہوتے تب تک ہم آپؐ کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ حضرت ابوطالبؓ نے کہا: آپؐ حقیر کو میرے پاس رہنے دو، اس کے علاوہ آپؐ جو چاہیں فیصلہ کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کا بازو تھاما اور انھیں سینہ سے لگایا اور حضرت عباسؓ نے جناب جعفرؓ کو سینہ سے لگایا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ مسلسل رسولؐ خدا کی تربیت میں رہے، یہاں تک کہ آپؐ کو خدا نے نبوت پر مبعوث فرمایا۔ حضرت علیؓ آپؐ کے بھوکار تھے۔ وہ فوراً آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی۔

الغرض آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا اور ان کی خوب تربیت کی اور حضرت علیؓ بھی آپؐ کے انتہائی فرماں بردار تھے۔ اُن کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ رسولؐ خدا کی رضا کو مد نظر رکھیں۔

آغازِ وحی سے قبل آنحضرت ﷺ کو آوازیں سنائی دیتی تھیں اور آپؐ کو خواب دکھائی دیتے تو آپؐ انھیں ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ کے سامنے بیان کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ انھیں تسلیم کرتی تھیں اور حضرت علیؓ آپؐ کو مبارک دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے دادا (عبدالطلب) نے آپؐ کے حلقِ جھوٹ نہیں کہا تھا اور کاهنوں نے آپؐ کے حلقِ جو کچھ بیان کیا تھا وہ بھی غلط نہیں ہے۔ الغرض وقت کی نبضیں دھڑکتی رہیں



یہاں تک کہ وہ وقت بھی آپہنچا جب خدا نے آنحضرتؐ کو مہلکی رسالت کا حکم دیا۔

اس وقت عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور مردوں میں سے حضرت علیؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔ اس وقت آپؐ کی عمر صرف دس برس کی تھی۔

حضرت خدیجہؓ دیکھتی تھیں کہ ان کے شوہر نامدار حضرت علیؓ پر بے حد شفقت کرتے ہیں اور ہر طرح سے اُن کا خیال رکھتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ بھی حضرت علیؓ کو اپنی آنکھ کا تارا سمجھتی تھیں اور ہمیشہ حضرت علیؓ کو صاف سترے کپڑے پہناتی تھیں اور آپؐ کو دھلا دھلا کر آپؐ کے بال سنوارتی تھیں۔ الغرض حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو وہ پیار دیا جو کوئی ماں اپنے بیٹے کو دے سکتی ہے۔

علمِ نفسیات و تربیت کے ماہرین یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انسان کا کردار اور اُس کے اخلاق کا دار و مدار اُس کی بچپن کی تربیت پر ہوتا ہے اور ہر شخص کی زندگی اس کے تربیت کرنے والے کی عکاس ہوتی ہے اور کسی بھی بچے کی تربیت کو دیکھ کر اس کے مستقبل کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔ جس بچے کو بچپن میں حقارت اور نفرت ملے تو جب وہ بڑا ہوگا تو وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہوگا۔

الغرض ہر انسان کی شخصیت کی بلندی اور پستی میں تربیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اگر کسی بچے کی تربیت بہتر انداز سے کی جائے تو اُس میں شرافتِ نفس، بلند ہمتی اور روحانی بلندی دکھائی دے گی۔

مناقب میں ابی رافعؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنے چچا حضرت ابوطالبؓ سے فرمایا تھا کہ میری خواہش ہے کہ آپؐ اپنا ایک فرزند میرے حوالے کریں، جو میرے معاملات میں میرا ہاتھ بٹائے۔ میں آپؐ کا شکر گزار رہوں گا۔

حضرت ابوطالبؓ نے جواب دیا کہ آپؐ میرے جس بیٹے کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں۔

رسولؐ خدا نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ منہجِ نبوت سے سیراب ہوئے

اور اُن کی زندگی کے شجر کی رسولِ خدا نے آبیاری کی تھی اور رسولِ اکرمؐ نے آپؐ کی ایسی تربیت کی کہ آپؐ تمام دنیا کی امامت و قیادت کے مستحق قرار پائے۔ حضرت علیؓ شجرۂ نبوت کی شاخِ بزمند ثابت ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کیسے بنے؟ حضرت علیؓ نے حضرت علیؓ کا ہی انتخاب کیوں کیا تھا؟ اس کی دو ممکنہ وجوہات ہو سکتی ہیں:

① آنحضرتؐ نے آپؐ میں غیر معمولی فہم و ذکاوت کا مشاہدہ کیا، جیسا تو ان کا انتخاب کیا تھا۔

② یا پھر وحی الہی کے اشاروں کے تحت آپؐ نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا تھا۔ اگر اُسے نبی اکرمؐ کیسے بنے؟ کی فراست سے تعبیر کیا جائے تو آپؐ کی فراست کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا اور آپؐ کے گمان کو ناکام نہیں کہا جاسکتا۔

اور اگر رسولِ خدا نے آپؐ کا انتخاب وحی الہی کے اشاروں پر کیا تھا تو پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا چاہتا تھا کہ جانشین پیغمبرؐ کی تربیت پیغمبرؐ خدا کے ہاتھوں کرائی جائے اور اُسے رسولِ اکرمؐ کی شخصیت کا عکس بنایا جائے اور انھیں میدانِ مہابہ میں ”نفسِ رسولؐ“ کا لقب دیا جائے۔

چنانچہ ایسے ہی ارفع و اعلیٰ مقاصد کے لیے رسولِ خدا نے آپؐ کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی شخصیت کا آئینہ دار بنانے میں کوئی کمی نہیں کی تھی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو فضائل و مکارم کے سانچے میں ڈھالا تھا۔

رسولِ خدا کی تربیت نے حضرت علیؓ کی ذات پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا اور آپؐ میں وہ تمام صلاحیتیں آجا کر ہوئی تھیں جن سے کوئی بھی انسان انسانیت کی معراج حاصل کرتا ہے۔ اس عظیم تربیت کے نتیجے میں آپؐ ”خدائی نعمات و عطیات کے مرکز قرار پائے تھے اور آپؐ ولایت، خلافت اور وصایت کے عظیم مناصب کے مستحق ٹھہرے تھے۔ خدا کی طرف سے آپؐ کو عظمت عطا ہوئی اور رسولِ خدا کی طرف سے وصایت و خلافت نصیب ہوئی۔ آپؐ کی ذات جو امرِ دینی اور کرم کا اعلیٰ ترین نمونہ ثابت ہوئی۔ آپؐ کی شخصیت میں خود اعتمادی، احساس

خصیت اور عظمت نفس کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور آپؐ بڑی سے بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا سکتے تھے اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے پر تیار رہتے تھے اور اس کا اظہار دعوتِ ذوالحشرہ میں ہوا۔

### دعوتِ ذوالحشرہ

امالیٰ فتح میں ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آپؐ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (آپؐ اپنے قرابت داروں کو ہوشیار کریں) کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے مجھے فرمایا:

”مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے کہ آپؐ اپنے قرابت داروں کو دعوتِ اسلام دیں۔ مجھے حکم پروردگار پر عمل کرنا ہے، اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُن کی طرف سے مجھے پذیرائی نہیں ملے گی۔ آپؐ ایک صالح آلے کی روٹیاں پکوائیں اور بکری کی ران کا سالن تیار کرائیں اور ایک پیالہ دودھ کا مہیا کریں۔ پھر عبدالمطلب کی تمام اولاد کو دعوتِ طعام دیں تاکہ میں ان تک خدا کا پیغام پہنچاؤں۔“

میں نے عالی قدر کے فرمان پر عمل کیا اور رشتہ داروں کو دعوت دی۔ چالیس کے لگ بھگ افراد جمع ہوئے۔ اُن میں ابوطالبؓ، حمزہؓ، عباسؓ اور ابولہبؓ بھی شامل تھا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ میں طعام لے آیا۔ رسولِ اکرمؐ نے دہجی میں سے ایک بوٹی نکالی اور دانتوں سے چبا کر اسے برتن میں ڈال دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا نام لے کر کھانا تناول فرمائیں۔

ہر شخص نے جی بھر کر کھانا کھایا اور ہر شخص اچھی طرح سے سیر ہوا جب کہ جمال میں پڑا ہوا کھانا ویسے کا ویسا بچا ہوا تھا۔ اس پر لوگوں کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں علیؓ کی جان ہے، جو کھانا تیار کرایا گیا تھا وہ صرف ایک آدمی کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ بعد ازاں میں دودھ کا پیالہ لایا، سب نے باری باری جی بھر کر دودھ پیا اور سب کے سب خوب سیراب ہوئے۔

اس کے بعد رسول خدا نے اس مجمع کو خطاب کرنے کا ارادہ کیا تو ابلیس نے سبقت کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

یہ سنتا تھا کہ حاضرین اٹھ کر چلے گئے اور حبیبہؓ خدا گفتگو نہ کر سکے۔

دوسرے دن رسول خدا نے مجھ سے فرمایا کہ کل اس شخص نے پہل کی تھی اور مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا تھا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ آج پھر کل کی طرح دعوت کا اہتمام کرو اور لوگوں کو دوبارہ دعوت دو۔ چنانچہ میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ کھانا تیار ہو گیا اور کھانے والے بھی پہنچ گئے۔ حضورؐ نے آج بھی کل کے عمل کو دہرایا۔ سب اچھی طرح سے سیر و میراب ہوئے۔ پھر آنحضرتؐ نے گفتگو کی اور فرمایا:

”اے اولادِ عبدالمطلب! میں پورے عرب میں کسی ایسے جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس ایسا پیغام لایا ہو جو میرے کلام سے افضل ہو۔ میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی سعادت اور بھلائی کا پیغام لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو مجھ پر ایمان لائے اور میرے معاملات میں میری مدد کرے؟ جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وزیر اور میرے بعد میرے اہل میں میرا جانشین ہوگا۔“

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ یہ اعلان عن کر تمام افراد نے خاموشی اختیار کی۔ اس وقت میں اٹھا، تیس دن و سال کے اعتبار سے سب سے چھوٹا تھا اور آشوبِ چشم میں مبتلا تھا اور میری پٹریاں کمزور تھیں۔

میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں حاضر ہوں۔ اللہ نے آپؐ کو جو پیغام دے کر مبعوث کیا ہے اس میں میں آپؐ کا وزیر رہوں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

إِنَّ هَذَا أَمْسَى وَوَصِيَّتِي وَوَزِيرِي وَخَلِيفَتِي فَيَنْكُمُ فَاسْتَعُوا لَهُ وَاطِيعُوا

”یقیناً یہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وزیر اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ

ہے۔ تم لوگ اس کا فرمان سنو اور اطاعت بجالاؤ۔“

لوگ جتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت ابوطالبؓ سے کہا: تجھے محمدؐ

نے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کا فرمان سنو اور اس کی اطاعت بجالاؤ۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

”تم میں سے کسی کو میری مدد کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر تم میں سے

کوئی کھڑا نہ ہوا تو پھر کوئی تمہارا غیر ضرور کھڑا ہوگا۔ پھر تم بچے جاؤ گے۔“

آپؐ نے تین مرتبہ یہ کلمات دہرائے۔

حضرت علیؓ اٹھے اور انھوں نے بیعت کی۔ پھر نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا: یا علیؓ!

میرے قریب آؤ۔

حضرت علیؓ حضور سرور کائناتؐ کے قریب ہوئے۔ انھوں نے منہ کھولا۔ نبی اکرمؐ نے

ان کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور ان کے کندھوں اور سینے کے درمیان لعابِ دہن ڈالا۔

ابولہب نے کہا: تم نے تو اپنے ابنِ عم سے انتہائی برا سلوک کیا ہے۔ اس نے تیری

بات قبول کی ہے اور تو نے اس کے چہرے اور منہ کو تھوک سے بھر دیا ہے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں نے اُسے علم و فہم اور حکمت و دانائی سے بھرا

ہے۔ (بخاری: جلد ۹)

مامون عباسی کا مناظرہ

بادشاہ مامون الرشید نے سبقتِ اسلام کے عنوان پر فقہائے اہل سنت سے ایک

یادگار مناظرہ کیا تھا۔ ہم بقدرِ ضرورت اس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں:

مامون: اسحاق! یہ بتاؤ کہ جس دن اللہ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا اُس دن سب

سے افضل عمل کیا تھا؟

اسحاق: کلمہ شہادت کا اِخلاص۔

مامون: کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس دن سبقتِ اسلام افضل ترین عمل تھا؟

اسحاق: جی ہاں، میری مراد یہی ہے۔

مامون: قرآن کریم نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ اُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝

”سبقت حاصل کرنے والے ہی مقرب بارگاہ ہیں۔“

آپ بتائیں کہ کیا کسی نے علیؑ سے پہلے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی ہے؟

اسحاق: امیر المومنین! علیؑ اسلام لائے تو وہ کم سن بچے تھے اور وہ اسلام لانے کے

مکلف ہی نہ تھے جب کہ ابو بکرؓ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ وہ سن و سال کے لحاظ سے کامل تھے اور وہ شریعت کے مکلف تھے۔

مامون: مجھے یہ بتائیں کہ ان دو میں سے اسلام قبول کرنے میں سبقت کس نے

حاصل کی؟ اس کے بعد میں نابالغ اور بالغ پر بحث کروں گا۔

اسحاق: حضرت علیؑ حضرت ابو بکرؓ سے پہلے اسلام لائے تھے۔

مامون: علیؑ کی سبقت اسلامی تو مسلم ہو گئی۔ اب یہ بتاؤ کہ علیؑ نے جو اسلام قبول کیا تھا

انھیں رسول اکرمؐ نے اس کی دعوت دی تھی یا خدا کی طرف سے الہام پا کر انھوں نے ایسا کیا تھا؟

یہ سن کر اسحاق نے سر جھکا لیا۔

مامون: اسحاق! الہام کا نہ کہنا ورنہ علیؑ کو رسولؐ خدا سے مقدم ماننا پڑے گا، کیونکہ رسولؐ

کو اسلام کی پہچان اس وقت ہوئی جب جبریلؑ آپؐ پر نازل ہوئے۔

اسحاق: جی ہاں، رسولؐ خدا نے انھیں دعوت دی تھی۔

مامون: اچھا یہ بتاؤ جب رسولؐ خدا نے علیؑ کو دعوت دی تو اللہ کے حکم سے دعوت دی

تھی یا اذراؤ مکلف انھوں نے ایسا کیا تھا؟

اسحاق سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

مامون: سیدھی سی بات ہے کہ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسولؐ خدا نے انھیں اذراؤ مکلف

دعوت دی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ مقبول کی زبانی یہ الفاظ کہلائے ہیں:

وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ

”میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

اسحاق: جی ہاں! امیر المومنین امی اکرمؑ نے خدا کے حکم سے انھیں دعوت دی تھی۔  
 مامون: کیا خدا کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کو ایسے شخص کو دعوت کا حکم  
 دے جس پر تکلیف شرعی عائد ہی نہ ہوتی ہو؟  
 اسحاق: خدا کی پناہ، ایسا نہیں ہو سکتا۔

اس طرح سے بادشاہ مامون الرشید نے سبقت اسلام پر دلائل قاہرہ دے کر فقہائے  
 اہل سنت کو لاجواب کر دیا۔

دعوت ذوالحشرہ کے وقت حضرت علیؑ نے بلند یوں کی سمت میں بڑا قدم نہیں  
 اٹھایا تھا۔ نبی اکرمؐ نے انھیں اس وقت دعوت اسلام دی تھی، جب خدا نے انھیں غار حرا میں  
 مبعوث کیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب آنحضرتؐ حرا سے رسالت کا یوجہ اٹھا کر اترے تھے اور  
 آپؐ نے جب اپنے گھر کا رخ کیا اور حضرت خدیجہؓ نے دروازہ کھولا تو انھوں نے بے ساختہ  
 کہا: یہ کیسا نور ہے؟

آپؐ نے فرمایا: یہ نبوت کا نور ہے۔ خدیجہ! گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں  
 ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت خدیجہؓ نے گواہی دی۔ بزمِ خواتین میں سے حضرت خدیجہؓ نے سب سے  
 پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو اس گواہی کے لیے طلب کیا تو انھوں نے فوراً یہ  
 گواہی دی۔ مردوں میں سے حضرت علیؑ پہلے انسان ہیں، جنھوں نے اسلام کی دعوت پر  
 لبیک کہا تھا۔

ویسے بھی علیؑ کے اسلام اور باقی لوگوں کے اسلام لانے میں بھی بڑا فرق ہے۔ باقی  
 لوگ جنھوں نے نبی اکرمؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا وہ اس سے قبل غیر موحّد تھے۔ ان میں  
 سے کوئی پہلے یہودی تھا تو کوئی نصرانی، کوئی مشرک تھا اور کوئی بت پرست۔ وہ لوگ پہلے کافریا  
 مشرک تھے پھر مسلمان ہوئے تھے، لیکن علیؑ اعلانِ نبوت سے قبل فطرتِ الہی پر قائم تھے۔

آپؐ کے دامن پر شرک و کفر کا کوئی داغ نہیں تھا۔ آپؐ پہلے بھی موحّد تھے اور پھر بھی موحّد ہی رہے۔ رسول اکرم ﷺ نے آپؐ کو جو علوم و معارف تعلیم کیے تھے اس سے آپؐ کے ایمان و ایمان میں اضافہ ہوا تھا۔ یعنی زمین آمادہ تھی، قحط ریزی کی ضرورت تھی، جیسے ہی آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو علیؑ نے بڑھ کر آپؐ کی تائید و تصدیق کی۔

### حضرتؑ کی سبقت و اسلامی کی کتب اہل سنت سے گواہی

آپؐ کی سبقت و اسلامی کا واقعہ اتنا مسلم ہے کہ طائے اہل سنت نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس موضوع کی مناسبت سے ہم چند اعتراضات کو ذیل میں بیان کرتے ہیں: خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَدَّيْكُمْ وَرَدُّدًا عَلَى الْخَوْضِ أَدَّيْكُمْ إِسْلَامًا عَلَى ابْنِ أَبِي طَالِبٍ  
 ”تم میں سے جو خوض کوڑ پر سب سے پہلے علیؑ وارد ہوں گے اور وہی اسلام میں تم میں سے اول ہیں۔“

نبی اعظم ﷺ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:  
 إِنَّ هَذَا أَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِي وَهَذَا أَوَّلُ مَنْ يُصَافِحُنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 وَهَذَا الصِّدِّيقُ الْأَكْبَرُ

”بے شک یہ وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور یہی قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے مصافحہ کرے گا اور یہی صدیق اکبر ہے۔“

حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ صَلَّيْتُ الْمَلَائِكَةَ عَلَى وَعَلَى عَلِيٍّ سَبْعَ سِنِينَ لِأَنَّا كُنَّا نُصَلِّي  
 وَلَيْسَ مَعَنَا أَحَدٌ يُصَلِّي غَيْرَنَا

”ملائکہ میرے اور علیؑ پر سات برس تک درود بھیجتے رہے، کیونکہ ہم اس عرصہ میں نماز پڑھتے تھے اور ہمارے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھتا تھا۔“



حضرت علیؑ نے فرمایا:

أَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَأَخُو رَسُولِ اللَّهِ وَأَنَا الصَّدِيقُ الْأَكْبَرُ لَا يَقُولُهَا  
بَعْدِي إِلَّا كَاذِبٌ مُفْتَرٍ وَلَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ قَبْلَ النَّاسِ  
بِسَبْعِ سِنِينَ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ صَلَّى مَعَهُ

”میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ میں صدیق اکبر ہوں  
اور میرے بعد جو بھی صدیق اکبر کا دھوٹی کرے گا تو وہ جھوٹا اور افترا  
پرداز ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے رسول خدا کے ساتھ نماز  
پڑھی اور میں آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھنے والا پہلا شخص ہوں۔“

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ رَجُلٍ أَسْلَمَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ  
”میں رسول خدا پر اسلام لانے والا پہلا شخص ہوں۔“

آپؐ نے فرمایا:

أَسْلَمْتُ قَبْلَ أَنْ يَسْلَمَ النَّاسُ بِسَبْعِ سِنِينَ  
”میں لوگوں کے اسلام لانے سے سات برس پہلے اسلام لایا تھا۔“

آپؐ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ إِنِّي لَا أَعْرِفُ عَبْدًا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ عَبْدَكَ قَبْلِي غَيْرَ نَبِيِّكَ  
﴿قَالَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ﴾ ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ صَلَّيْتُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ النَّاسُ  
”پروردگار! اس امت میں سے میں کسی کو نہیں جانتا جس نے تیرے نبی  
کے علاوہ مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو۔“ (آپؐ نے اس جملہ کو تین  
مرتبہ دہرایا)

پھر کہا: میں نے لوگوں سے پہلے نماز پڑھی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَأَسْلَمْتُ يَوْمَ الثَّلَاثِ

”رسول اکرم سموار کے دن مبعوث ہوئے تھے اور میں منگل کے دن اسلام لایا تھا۔“

آپؐ نے اپنی سبقت اسلامی کو ان اشعار میں فرمایا:  
 سَبَقْتُكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ طَرًّا  
 غَلَامًا مَا بَلَغْتُ أَدَانَ جِلِّي  
 ”میں نے تم سب سے پہلے اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل کی ہے۔ اس وقت میں بچہ تھا اور حد بلوغت پر بھی نہیں پہنچا تھا۔“  
 آپؐ نے یہ اشعار بھی ارشاد فرمائے:

أَنَا أَخُو الْمُصْطَفَى لَا شَكَّ فِي نَسَبِي  
 بِهِ رَتَّبْتُ وَصِيَّتًا ، هُنَا وَلَدِي  
 صَدَقْتُهُ وَجَمِيعَ النَّاسِ فِي يَوْمِ  
 مِنَ الْفَلَاةِ وَالْإِشْرَاكِ وَالْمُنْكَرِ

”میں مصطفیٰ کا بھائی ہوں میرے نسب میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں آنحضرتؐ کے پاس ہی پلا بڑھا اور رسولؐ کے نواسے میرے فروغ ہیں۔ میں نے آنحضرتؐ کی اس وقت تصدیق کی تھی جب تمام لوگ گمراہی، ضلالت اور شرک کی وادیوں میں گم تھے۔“

جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رسولؐ اعظم کے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے۔ رسولؐ خدا اشعار من کر مسکرائے اور فرمایا: اے علیؓ! آپؐ نے سچ کہا ہے۔  
 حضرت علیؓ کی سبقت اسلامی کا اعتراف تمام صحابہ اور تابعین کو تھا اور پچاس ے زائد شعراء نے اس واقعہ کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔

قارئین کرام! اس کی تفصیل کے لیے ہمارے بزرگوار شیخ امینی رحمۃ اللہ کی کتاب ”الغدیر“ کی تیسری جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت امینیؒ نے اس عنوان پر انتہائی خوب صورت گفتگو کی ہے (ویسے تو ان کی

ساری گفتگو خوب صورت ہے) انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

”جب ہم حضرت علیؑ کو مسلم اڈل کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ نہیں ہوتی جسے ابن کثیر اور اس کی جماعت نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اسلام قبول کرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے کافر تھے (نحوذ باللہ)۔ سوال یہ ہے کہ علیؑ نے کب کفر کیا تھا کہ انھیں اسلام لانا پڑا تھا؟ اور انھوں نے کب شرک کیا تھا کہ انھیں ایمان لانے کی احتیاج محسوس ہوئی؟ آپؑ کی تو ولادت باسعادت بھی روشِ حقیقت پر ہوئی تھی۔ آپؑ کی پرورش آغوشِ نبوت میں ہوئی اور دستِ رسالتؐ نے آپؑ کے دامنِ مبارک میں لقمے دیے تھے اور نبیؐ کے خلقِ عظیم سے آپؑ کی تربیت ہوئی تھی۔ جس وقت رسولِ خداؐ نے اعلانِ نبوت نہیں کیا تھا اس وقت بھی حضرت علیؑ رسولِ خداؐ کی اقتدا کرتے تھے۔ آپؑ وہی چاہتے تھے جو رسولِ خداؐ چاہتے تھے۔ آپؑ کی تمام خواہشات رسولِ خداؐ کی چاہت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔“

آپؑ کے ایمان، اسلام، سبقت اور اولیت کا وہی مفہوم ہے جو کہ ابراہیمؑ کے حلقِ خدا نے فرمایا: اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔  
اسلام ابراہیمؑ کے حلقِ اللہ نے فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِوَرَبِّ الْعَالَمِينَ ○

”جب اس کے رب نے کہا کہ اسلام لالینی سراپا تسلیم ہو جا، تو اس نے کہا: میں رب العالمین کے حضور سراپائے تسلیم ہوں۔“

حضرت علیؑ کے اسلام کی اولیت کی وہی حیثیت ہے جس کی ترجمانی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی زبانی فرمائی۔ انھوں نے یہ فرمایا تھا:

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ

”میں اول المؤمنین ہوں۔“

آپؐ کے ایمان کی وہی حیثیت ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کے ایمان کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ  
 ”رسولؐ ایمان لایا اُس پر جو کہ اُس کی طرف اُس کے رب کی طرف  
 سے نازل کیا گیا۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریمؐ کو یہ کہنے کا حکم دیا:  
 اٰمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ  
 ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلم ہوں۔“  
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاْمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ  
 ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے حضور اسلام لاؤں۔“ (یعنی  
 سراپائے تسلیم ہو جاؤں)

(جس طرح سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت رسول اکرم ﷺ کا اسلام و ایمان مسبوق بالکفر نہیں تھا اسی طرح سے حضرت علیؑ کا اسلام بھی مسبوق بالکفر نہیں تھا)۔

مشہور مفسر ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

”میں اس مرد کے متعلق بھلا کیا کہہ سکتا ہوں، جس نے ہدایت میں سب سے سبقت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اُس کی عبادت کی جب کہ اہل زمین بتھروں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے خالق کے منکر تھے۔ عقیدہ توحید میں آپؐ پر کسی نے سبقت حاصل نہیں کی البتہ وہ ذات اس سے مستغنی ہے، جس نے ہر چیز میں سبقت حاصل کی تھی اور وہ ذات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔“

محدثین کی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ حضرت علیؑ ہی وہ شخصیت ہیں، جنہوں

نے سب سے پہلے رسول اکرمؐ کی عروسی کی تھی اور آپؐ پر ایمان لائے تھے اور محدودے چند افراد کے علاوہ اس رائے کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔

جو بھی شخص محدثین کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا تو اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ واقدی، ابن جریر طبری کا بھی یہی نظریہ ہے اور الاستیعاب کے مؤلف نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی ہے۔

### ابوطالبؓ کا حفظِ رسولؐ

ہم نے پہلے بھی یہ عرض کیا تھا کہ کسی بھی انسان کی تربیت میں تین عناصر کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے:

① والدین ② تربیت دینے والا ③ وہ گھر جہاں انسان آنکھ کھولا ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے بچپن ہی میں رسولؐ خدا سے توحید کے اسباق سکھے تھے اور آپؐ نے اپنی کم سنی، لڑکپن، جوانی اور پختہ عمر میں رسولؐ خدا سے علومِ الہیہ کا استفادہ کیا تھا اور اس کام کے لیے قدم قدم پر حضرت ابوطالبؓ نے اپنے فرزند کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

حضرت ابوطالبؓ "مرئی نبوت" تھے۔ آپؓ نے اپنے والد حضرت عبدالمطلبؓ کی وفاتِ حسرتِ آیات کے بعد آنحضرتؐ کو اپنی کفالت و حضانت میں لیا تھا۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر آٹھ سال بھی نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالبؓ نے آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ لیا اور گھر لے آئے اور اپنا فرزند سمجھ کر آنحضرتؐ کی کفالت کی تھی۔

ابوطالبؓ اور ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ آنحضرتؐ سے بے حد پیار کرتے تھے اور خورد و نوش اور لباس میں انھیں اپنے بیٹوں پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ آپؐ نے سفر و حضر میں آنحضرتؐ کی خدمت کا مکمل حق ادا کیا تھا۔

رسولؐ خدا اور حضرت خدیجہؓ کی شادی میں بھی آپؐ نے اہم کردار ادا کیا تھا اور آپؐ نے شادی میں مائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا تھا۔

رسولؐ خدا نے جیسے ہی اعلانِ نبوت کیا تو ہر طرف سے مخالفت کی صدائیں اٹھنے لگیں۔

اُن پر خطرِ لُحَات میں حضرت ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کے محافظ کا کردار ادا کیا تھا۔  
 حضرت ابوطالبؑ رسولِ خدا کی نبوت و رسالت پر پورا ایمان رکھتے تھے اور اس بات کو ہر صاحبِ انصاف تسلیم کرتا ہے۔ اس کے چند ثبوت ملاحظہ فرمائیں:  
 ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوطالبؑ نے دیکھا کہ رسولِ خدا اور حضرت علیؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت علیؑ رسولِ خدا کی دائیں طرف کھڑے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے فرزند جعفرؑ سے فرمایا: آگے بڑھو اور اپنے ابنِ عم کی بائیں طرف کھڑے ہو جاؤ۔  
 ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جعفرؑ کھڑے ہوئے اور علیؑ کے پہلو میں آکر کھڑے ہو گئے۔

جب رسولِ خدا نے محسوس کیا کہ ایک مقتدی کا اضافہ ہو چکا ہے تو آپؐ ان دونوں کے آگے چلے گئے اور نماز تمام کی۔ جب یہ نماز مکمل ہوئی تو حضرت ابوطالبؑ نے خوش ہو کر یہ اشعار پڑھے:

إِنِّ عَلِيًّا وَجَعَفَرًا رَفَعْتَنِي      عِنْدَ مَلَمِ الزَّمَانِ وَالنَّوْبِ  
 لَا تَخْذُلَا وَلَا تَنْصُرَا ابْنَ عَمَّتِكُنَا      أَخِي يَلْقَى مِنْ بَيْنِهِمَا دَائِبِ  
 وَاللَّهِ لَا أَخْذُلُ النَّبِيَّ وَلَا      يَخْذُلُهُ مِنْ بَنِ ذَوْحَسْبِ

”علیؑ اور جعفرؑ مشکلاتِ زمانہ میں میری قوت ہیں اور قابلِ بھروسہ ہیں۔

خبردار! اپنے ابنِ عم اور میرے سگے بھتیجے کو کبھی تمنا نہ چھوڑنا۔ خدا کی قسم! میں نبیؐ کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گا اور میرا کوئی بھی صاحبِ فضیلت فرزند انھیں تمنا نہیں چھوڑے گا۔“

حضرت ابوطالبؑ بعض اوقات رسولِ خدا کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے: جب میں انھیں دیکھتا ہوں تو مجھے بے ساختہ اپنے بھائی عبداللہؑ یاد آ جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ حضرت ابوطالبؑ اور حضرت عبداللہؑ دونوں سگے بھائی تھے۔

حضرت عبدالطلبؑ اور حضرت ابوطالبؑ کو حضرت عبداللہؑ سے بے حد پیار تھا۔ جب آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت کیا تو ہر طرف سے مخالفت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حضرت

ابوطالبؑ نے دیکھا کہ رحمۃ للعالمین کی دعائی خطرے میں ہے اور بالخصوص اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی آنحضرتؐ پر شب غمان نہ مارے۔

حضرت ابوطالبؑ نے یہ انتظام کیا کہ وہ رات کے وقت آپؐ کے بستر تہہ لیا کرتے تھے اور آپؐ کے بستر پر اپنے فرزند علیؑ کو سلاتے تھے، تاکہ اگر کوئی حملہ کرے تو ابوطالبؑ کا چٹا قتل ہو جائے اور اللہ کی امانت میں خیانت نہ ہو۔ (ابوطالبؑ کا ایمان (محمدؐ) فتح جائے۔)

ایک بار حضرت علیؑ نے اپنے والد کے جذبہ ایمانی کے امتحان کے لیے ان سے عرض کیا: بابا جان! میں تو قتل ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے فرزند کے سامنے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

اصبرن یا بنی فالصبر احلی . کل سی مصیرة لشعوب  
قد بذلنناک والبلاد شدید لفداء الحبيب وابن الحبيب  
لفداء الاخر ذی الحساب الثا قب والباء والکریم النجیب

”اے میرے پیارے فرزند! صبر سے کام لو۔ صبر ہی بہترین سرمایہ ہے۔ ہر زعمہ شخص کا انجام موت ہے۔ ہم نے تجھے حبیب بن حبیب پر قربان کر دیا ہے، کیونکہ اس وقت آزمائش بڑی سخت ہے۔ ہم نے تجھے بلند حسب رکھنے والے کریم و نجیب کی قربانی بنایا ہے۔“

حضرت علیؑ نے جب اپنے والد ماجد کے اس اشار کو دیکھا تو انھوں نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

أَتَا مُوْنِي بِالصَّبْرِ فِي نَصْرِ أَحْمَدِ وَدَ اللَّهِ مَا قَلَّتِ الذَّن قَلَّتِ جَا زِمَا  
وَلَكِنِّي أَجَبْتُ أَنْ تَرْتَضِقَ وَتَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَزِلْ لَكَ طَائِعَا  
سَا سَعَى لَوْجَه اللَّهِ فِي نَصْرِ أَحْمَدِ بَنِي الْهَدْيِ الْمَحْمُودِ طِفْلَا وَيَا فَعَا

”کیا آپؐ مجھے نصرت احمدؑ کے لیے صبر کا حکم دیتے ہیں؟ خدا کی قسم! میں نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی خوف کی وجہ سے نہیں کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ دیکھیں کہ میں کس قدر اُن کی مدد کرتا ہوں اور آپؐ یہ بھی معلوم

کر سکیں کہ میں ہمیشہ سے آپؐ کا اطاعت گزار رہا ہوں۔ میں احمدؓ کی مدد کرنے سے خدا کی رضا تلاش کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ ہدایت کے پیغمبر ہیں، اور بچپن اور جوانی میں قابلِ ستائش ہیں۔“

قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ کعبہ تشریف لے گئے اور آپؐ نے وہاں نماز شروع کی۔ صحن کعبہ میں قریش کے مشاہیر جمع تھے۔ الاجمل نے کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو اٹھ کر اس کی نماز خراب کرے؟ اس وقت عبداللہ زہری اٹھا اور اُس نے گوبر اور خون اٹھایا اور رسول خدا کے چہرے پر مل دیا۔

آپؐ نے نماز ختم کی اور اسی حالت میں اپنے چچا ابوطالبؓ کے پاس آئے اور کہا: چچا جان! دیکھئے لوگوں نے مجھ سے کیا سلوک کیا ہے؟

ابوطالبؓ نے عرض کیا: جان عم! یہ سلوک کس نے کیا؟

آپؐ نے فرمایا: عبداللہ بن زہری نے یہ گستاخی کی ہے۔

ابوطالبؓ تلوار لے کر اٹھے اور رسول خدا کو ساتھ لیا اور صحن کعبہ میں تشریف لائے جہاں مشاہیر قریش جمع تھے۔ جب انھوں نے حضرت ابوطالبؓ کے جلال کو دیکھا تو اٹھ کر جانے لگے۔ ابوطالبؓ نے گرجدار آواز میں فرمایا: خبردار! کسی نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں گا۔

آپؐ کی دمکی موثر ثابت ہوئی۔ سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے رسول خدا سے عرض کیا: کیا یہ زیادتی کس نے کی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: عبداللہ بن زہری نے یہ جسارت کی ہے۔

حضرت ابوطالبؓ نے گوبر اور خون اٹھایا اور وہاں پر موجود سب کے چہروں، ڈاڑھیوں اور کپڑوں پر مل دیا۔

حضرت ابوطالبؓ کا ایمان و اسلام متواتر اور مسلم ہے۔ بہت سے اہل سنت و جماعت نے ایمان ابوطالبؓ پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان میں حسب ذیل کتابیں بڑی مشہور ہیں:



① کتاب اسنی المطالب ② ابوطالب مومن قریش ③ المجد علی الذہب الی الخفیر ابی طالب ④ مزید تفصیل کے لیے شیخ امین رحمہ اللہ کی معرکہ آرا کتاب ”الفخیر“ کی ساتویں جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی شان میں بہت سے قصائد اور آیات کہے ہیں اور ان میں آپؐ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ امینی مرحوم فرماتے ہیں کہ کچھ مورخین کا بیان ہے کہ ابوطالبؑ نے مدح رسولؐ میں تین ہزار قصائد کہے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں جن میں ان کے ایمان کی تصریح پائی جاتی ہے اور وہ نصرت پیغمبرؐ کے جذبات کے عکاس ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے بادشاہ حبشہ نجاشی کو ایک خط تحریر کیا جس میں انھوں نے یہ اشعار لکھے تھے:

لیعلم خیار الناس ان محمداً نبی کموالی والبسیح بن مریم  
اتانا بھدی مثل ما اتیابہ فکل بامر اللہ یھدی ویعصم  
”اچھے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت مومنینؑ اور  
عیسیٰؑ بن مریم کی طرح کے نبی ہیں۔ وہ ہمارے پاس ہدایت کا وہی  
پیغام لائے ہیں جسے مومنینؑ نے پیش کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک  
خدا کے فرمان کے مطابق ہدایت کرتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے۔“

حضرت ابوطالبؑ کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

الا ابلغا حنی علی ذات بینھا لویا وخصا من لوی بنی کعب  
آلم تعلبوا انا وجدنا محمداً رسولاً کموالی خطی اول الکتاب  
”میری طرف سے لوی بن کعب تک یہ پیغام پہنچا دو کہ کیا تجھے معلوم نہیں  
ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی رسولؐ پایا ہے جیسا کہ مومنینؑ رسولؐ تھے اور

① پاکستان کی فاضل شخصیت جناب سائمن جی نے بھی اس عنوان پر کتاب لکھی ہے جس کا نام ”الامان ابوطالب“ ہے۔

سابقہ کتابوں میں اُن کا نام موجود ہے۔

جب رسول اکرم ﷺ کو مشرکین کی طرف سے دھمکیاں ملنے لگیں تو حضرت ابوطالبؓ نے ان مشرکین کی گیدڑ بھمکیوں کے جواب میں یہ اشعار کہے تھے:

یرجون ان نسفی بقتل محمد ولم تحتضب سر العوالی من الدم  
کذبتہ دیت اللہ حتی تغلقوا جسام تلق بالحطیم وزمزم  
”کیا وہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم محمدؐ کو قتل کے لیے پیش کر دیں گے حالانکہ  
ابھی تک تو گندی رنگ کے نیرے خون سے سرخ ہی نہیں ہوئے ہیں۔  
بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے۔ ابھی تک تو بہت سی کھوپڑیاں حلیم  
وزمزم میں گرانی جا چکی ہیں۔“

حضرت ابوطالبؓ نے رسولؐ خدا کو مخاطب کر کے انھیں اپنی نصرت اور حمایت کا یوں

اتھاڑ کیا تھا:

واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم حتی اوسد فی التراب رہینا  
فاصدہم ہامرک ما علیک عفناضۃ والبش بذاک وقرمنک عیونا  
ودعوتنی وعلیت انک ناصحی ولقد دعوت وکنت ثم امینا  
ولقد علیت بان دین محمد من غیر ادیان البریۃ دینا

”خدا کی قسم! یہ لوگ اپنی تمام ترجیحت سمیت آپؐ تک نہیں پہنچ

پائیں گے، جب تک میں زمین کی دیر تہوں میں دفن نہ ہو جاؤں۔

آپؐ کل کر اپنے احکام کو بیان کریں۔ آپؐ پر کوئی پابندی نہیں ہے

اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھیں۔ آپؐ نے مجھے دعوت دی ہے اور مجھے

معلوم ہے کہ آپؐ میرے غیر خواہ ہیں۔ آپؐ نے دعوت دی ہے، آپؐ

امین ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین کائنات کے بہترین ادیان میں

سے ہے۔“

حضرت ابوطالبؓ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی اہمت میں یہ اشعار پڑھے تھے:

لقد اکرم الله النبي محمدا فاکرم خلق الله في الناس احمدا  
وشق له من اسمه ليجله فذوا العرش محمود وهذا محمدا

”اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو عزت سے نوازا ہے، خلق خدا میں

محمد ہی خدا کے سب سے صاحب عزت فرد ہیں۔ خدا نے ان کے نام کو

اپنے نام سے شتق کیا ہے۔ عرش کا مالک محمود ہے اور یہ محمد ہے۔“

”قصیدہ لامیہ“ میں حضرت ابوطالبؑ نے جہاں دشمنان مصطفیٰ کو چیلنج کیا تو وہاں

آنحضرت ﷺ کی مدح میں بھی یہ اشعار کہے تھے: ①

كذبتم وبیت الله نبي محمدا ولما نطامن دونه وفناضل

ونسلبه حتى نصرتم حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

وابيض ليتسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصبة للارامل

يلوذبه الهلاك من آل هاشم فهم عنده في رحمة وفواضل

الم تعلموا ان ابننا لامكذب لدينا ولا نعباء بقول الاباطل

فايدة رب العباد بنصرة واطهر ديننا حقه غير باطل

”بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم محمد کو بے یار و مددگار چھوڑ

دیں گے۔ ابھی تک تو ہم نے اُن کی حفاظت کے لیے حیر چلائے ہیں اور

نہ ہی نیرے چلائے ہیں۔ ہاں! محمدؐ کو تمہارے ہمدرد اس وقت کیا جائے گا

جب ہم سب کی لاشیں اُس کے ارد گرد پڑی ہوں گی اور یہ وہ وقت ہوگا

جب ہم مر کر اپنے بیوی بچوں کو فراموش کر چکے ہوں گے۔

محمدؐ حسین اور سفید چہرے والا ہے۔ اس کے چہرے کو بادل دیکھ کر

برسنے لگ جاتے ہیں۔ وہ یتیمی کا مربی اور یتیم گان کا سہارا ہے۔ آل ہاشم

کے ٹھکانہ افراد محمدؐ کی پناہ لیتے ہیں اور اس سے شفقت اور نعمات

حاصل کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے ہاں ہمارے بچے کی

① حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان اشعار پر قصیدیں کہی تھیں۔

مکذیب نہیں کی جاتی اور ہم فضول باتوں کی پردہ نہیں کرتے۔ بندوں کے رب نے اپنی عروسے اس کی تائید کی ہے اور اس دین حق کو ظہر دیا ہے جو کہ باطل نہیں ہے۔“

حضرت ابوطالبؑ نے رسول خدا کا خود دفاع ہی نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو بھی رسول اکرمؐ کے دفاع کی وصیت کی تھی۔ انھوں نے وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا:

اوصی بنصرہ بنی المظہر اربعة ذلک ابن علیہا یوشیخ القوم محاسنا  
وحیوة الاسد الحامی حقیقته وجعفر ان تذودوا دونہ الناسا  
کونوا فداء لکم ابنی وما ولدت فی نصر احد دون الناسا اقتراسا  
”میں نبی اکرمؐ کی مدد کے لیے چار افراد کو وصیت کرتا ہوں۔ اپنے بیٹے علیؑ اور سردار قوم محاسن کو وصیت کرتا ہوں اور حقائق کے محافظ شیر حمزہؑ اور جعفرؑ کو وصیت کرتا ہوں کہ تم ان سے دشمنوں کا دفاع کرو۔ تم لوگ محمدؐ کی حفاظت کے لیے ڈھال بن جاؤ۔ میری ماں اور اس کی تمام اولاد تم پر قربان ہو۔“

حضرت ابوطالبؑ کے ان اشعار کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

ان ابن امنۃ النبی محمدا حندی یفوق منازل الاولاد  
راعیۃ منہ قرابة موصولة وجعلت فیہ وصیۃ الاجداد  
”فرزند آمنہؑ محمدؐ پیغمبر مجھے میری اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ میں نے اُن کے متعلق قرابت کی پاسداری کی ہے اور اپنے بزرگوں کی وصیت کو یاد رکھا ہے۔“

ان کے علاوہ بھی آپؐ کے اور بھی دسیوں اشعار ہیں جو کہ آپ کے جذبہ ایمانی اور ایمان پر دلالت کرتے ہیں۔ علمائے اعلام نے محنت شاقہ کر کے حضرت ابوطالبؑ کے اشعار پر مشتمل دیوان تھکیل دیا ہے۔ اس طرح کے اشعار آپ کو دیوان ابوطالبؑ میں مل جائیں گے

اور کتب تراجم و تاریخ میں حضرت ابو طالبؑ کے اشعار موجود ہیں۔

ہر انصاف پسند سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ خدا را بتا گئیں کیا یہ قربانیاں اور یہ اشعار حضرت ابو طالبؑ کے اسلام و ایمان کی دلیل نہیں ہیں؟ اور کیا اسلام اس کے علاوہ اور کسی چیز کا نام ہے؟

ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر ابو قحافہ، خطاب یا عطفان نے اس طرح کی معمولی سی بھی قربانی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو آج کے تہصیب افراد انھیں اول المسلمین کا خطاب دیتے، لیکن اس تہصیب کا کیا کیا جائے جو دنیا کو حضرت علیؑ سے ہے۔ ابو طالبؑ کو آج مشرک اس لیے کہا جا رہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے والد گرامی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کفیل رسولؐ اور محافظ پیغمبرؐ پر الزامات صرف اس لیے لگائے جا رہے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ کے والد تھے اور دشمنان علیؑ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ وہ علیؑ کے نسب کو کفر جاہلیت سے منزہ دیکھیں۔

ان لوگوں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ انھیں بھی مرنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وہاں خدا اُن سے ان گستاخیوں کا محاسبہ کرے گا۔



## شبِ ہجرت اور حضرت علیؑ

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ  
بِالْعَبَادِ ○ (سورۃ بقرہ: آیت ۲۰۷)

”انسانوں میں سے وہ بھی ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا کی تلاش میں  
فروخت کر دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔“

آج کا ہمارا موضوع سخن یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے رسولِ خدا کی حفاظت اور دفاع  
کے لیے کیا قربانیاں دی تھیں۔

گذشتہ شب ہم نے آپ کے والد ماجد حضرت ابوطالبؑ کی کچھ قربانیوں کا ذکر کیا تھا  
اور یہ بیان کیا تھا کہ انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کا کس طرح سے دفاع کیا تھا اور آج رات ہم  
وضاحت سے یہ بیان کریں گے کہ حضرت علیؑ نے اسلام کی بھاکے لیے کتنی آزمائشات کا  
مقابلہ کیا تھا۔ یقیناً کسی شاعر نے سچ کہا ہے ۔

ولولا ابوطالب وابنہ      لما مثل الدین شخصاً وقاماً  
فذاک بسکۃ آوی وحامی      وهذا بیثرب جس الحامی  
فللہ ذا فاتحاً للہدی      واللہ ذا للبعال ختاماً

”اگر دنیا میں ابوطالبؑ اور اُن کا بیٹا نہ ہوتا تو دین کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا  
نہ ہوتا۔ باپ نے مکہ میں رسولِ اکرمؐ کو چناہ دی اور اُن کا دفاع کیا اور بیٹے  
نے یثرب میں موت کے دریا کو عبور کیا۔ کیا کہنا اُس کا جس نے ہدایت

کے دروازے کو لے اور کیا کہنا اُس کا جس پر بلند یوں کا اختتام ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا، تاکہ وہ رسول اکرمؐ کے

بہترین دوزیر اور مددگار ثابت ہوں اور دین اسلام کے بلند درجہ مجاہد ثابت ہوں۔

یقیناً حضرت علیؑ نے اپنے مقصدِ خلق کو پورا کیا۔ ہم نے دعوتِ ذوالحشرہ کا واقعہ

بیان کیا ہے اور اس ضمن میں یہ واضح کیا کہ حضرت علیؑ نے نصرتِ رسولؐ کا مکمل کردہہ کیا

تھا۔ یہ وعدہ چمکانہ گفتگو پر مبنی نہ تھا۔ آپؑ نے یہ وعدہ پہلی طرح سے سوچ سمجھ کر کیا تھا۔

آپؑ کے اس وعدہ سے آپؑ کی شخصیت اور معریت کا اظہار ہوتا ہے اور آپؑ نے یہ وعدہ کر

کے عملی طور پر لوگوں کو بتایا تھا کہ آپؑ کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے اور آپؑ کو اپنی ذات

اور اپنے قلبِ مطمئن پر پورا اعتماد ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ کی تلخ کا عرصہ شروع ہوا تو حضرت علیؑ قدم قدم

پر آنحضرتؐ کے ساتھ ہوتے تھے اور ہر طرح کی اذیتیں بھیلے تھے۔ حالات

واقعات کی سختی میں جب کہ آپؐ کندن ہوتے گئے اور آپؐ کو مسلسل تجربات نے اس قابل

بنادیا تھا کہ آپؐ اسلام کی کشتی کے ناخدا کے مکمل معاون بن سکیں۔

اگر مجھے حضرتؐ کی ذات پر انفرادی خوف نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ علیؑ کا دل دنیا کے

تمام انسانوں کے دلوں سے زیادہ قوی تھا اور علیؑ انتہائی مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اگر

ایسا نہ ہوتا تو یہ بات ناممکن تھی کہ انسان ہو اور اس کے دل میں خوف کا کبھی گزرنیک نہ ہو اور

بڑے خطرات میں گھر کر بھی اس کے اعصاب میں کمزوری واقع نہ ہو اور تاریک حال و

مستقبل بھی اُسے مضطرب نہ کر سکے اور وہ خرائز کے تسلط سے آزاد ہی نہ ہو بلکہ خرائز اس کے

تسلط میں دکھائی دیں۔

ہر شخص میں خبید ذات اور خبید حیات کا غریزہ پایا جاتا ہے لیکن علیؑ وہ عظیم انسان

ہیں جو ان خرائز سے بلند بالا ہیں۔

حضرت علیؑ بچپن میں کتنے بہادر تھے اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا

ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ جب حضرت علی علیہ السلام طلحہ بن ابی طلحہ کے مقابلے میں گئے تھے تو اس نے آپ کو یا قُصَم کہہ کر خطاب کیا تھا۔ آخر یا قُصَم سے کیا مراد ہے اور یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قیام پزیر تھے تو مشرکین کہہ حضرت ابوطالبؑ کے ڈر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ خود تو آنحضرتؐ کے سامنے نہ آئے انہوں نے اپنے چھوٹے بچوں سے کہا کہ جب تم محمد مصطفیٰ کو گلی کو چھل میں دیکھو تو ان پر پتھر اور مٹی کے ڈھیلے برساؤ۔

چنانچہ مشرکین مکہ کے بچوں نے آنحضرتؐ کو ستایا۔ رسول خداؐ نے اپنے چچا سے ان کے بچوں کی شکایت کی۔ حضرت ابوطالبؑ نے مشرکین مکہ کو بلا کر فرمایا: تمہیں حیا نہیں آتی۔ اب تم نے اپنے بچے رسول خداؐ کے پیچھے لگا دیے ہیں۔

مشرکین مکہ نے جواب دیا: ابوطالبؑ! اگر ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہو تو ہم مجرم ہیں لیکن کیا کریں وہ تو بچے ہیں، ہم بچوں کا کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: اچھا تم چلے جاؤ، کل کلاں میرے پاس شکوہ لے کر نہ آنا۔ مشرکین چلے گئے۔ ابوطالبؑ نے حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا: اے علیؑ! تم نے دیکھا کہ مشرکین کے بچوں نے تمہارے سردار کی کس طرح سے توہین کی ہے؟

چنانچہ دوسرا دن ہوا، رسول خداؐ گھر سے نکلے اور حضرت علیؑ بھی آپؐ کے ساتھ چلے، راستے میں مشرکین کے بچوں نے اپنی مادت کے مطابق آپؐ کی بے ادبی کی تو حضرت علیؑ نے ان پر حملہ کیا اور انہیں سخت چوٹیں پہنچائیں۔

بچے روئے ہوئے ذبحی حالت میں اپنے ماں باپ کے پاس گئے اور کہا: علیؑ نے ہمیں مار مار کر ہمارا بھر کس نکال دیا ہے اور ہمیں ذبحی کر دیا ہے۔

مشرکین شکایت لے کر ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا: آپ کے بیٹے نے ہمارے بچوں کو لہجہ لہان کر دیا ہے۔

ابوطالبؑ نے مسکرا کر کہا: ہمارے کسی بڑے نے تو یہ کام نہیں کیا۔ کیا کریں علیؑ چھوٹا



مجھ ہے، ہم بچوں کا کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت علیؑ نے مشرکین کے بچوں کو لہلہاں کیا تھا اور عربی زبان میں لہلہاں کرنے والے کو قُضَم کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؑ جنگ بدر میں طلحہ بن ابی طلحہ کے مقابلہ میں گئے تھے تو اسے پچھلا وقت یاد آیا اور اس نے انھیں یَا قُضَم کہہ کر خطاب کیا تھا۔ مشرکین مکہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو ختم کرنے کے لیے بہت سے حربے استعمال کیے، لیکن ان کے تمام حربے ناکام ہوئے۔ آخر کار وہ حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ اپنے پیچھے کو منع کریں کہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا نہ کہے اور ہمارے نوجوانوں کو ان کے آباء اجداد کے طریقے سے منحرف نہ کرے۔

حضرت ابوطالبؑ نے اُن کی کوئی بات نہ مانی اور آنحضرتؐ کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا۔ ابوطالبؑ کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد انھوں نے اُصصابی جنگ شروع کی اور رسول خداؐ کو دھمکیاں دینے لگے اور آپؐ پر دیوانہ پن اور جادو زدہ ہونے کی جہتیں عائد کرنے لگے اور موقع ملنے پر آپؐ پر پتھر برساتے تھے اور آپؐ کے کپڑوں پر ظالمت پھیلتے تھے۔ جب ان حربوں سے کچھ حاصل نہ ہوا تو انھوں نے بنی ہاشم کے معاشی و اقتصادی بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور اس ظالمانہ فیصلہ کی عبارت لکھی گئی۔

حضرت ابوطالبؑ نے جب یہ سختیاں ملاحظہ کیں تو آپؐ رسول خداؐ اور اپنے خاندان کو لے کر شعب ابی طالب میں آگئے جہاں بھوک اور افلاس ان کا مقدر بنی۔ مگر رسول خداؐ اور حضرت ابوطالبؑ نے ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ رسول خداؐ پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (سورہ ہود: آیت ۱۱۲)

”جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اُس کے مطابق استقامت اختیار کریں۔“

آخر کار تین برس کے کرب ناک لمحات گزرنے کے بعد مقاطعہ ختم ہوا اور ابوطالبؑ اپنے خاندان کو لے کر مکہ میں آئے، لیکن شعب ابی طالبؑ کی سختیوں نے حضرت خدیجہؓ اور ابوطالبؑ کو سخت کمزور کر دیا تھا۔ شعب ابی طالبؑ سے رہائی کے تھوڑا عرصہ بعد محمدؐ اسلام اُم المصومین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات ہوئی۔ پھر کچھ دنوں بعد حضرت ابوطالبؑ بھی

جہاں قافی سے رخصت فرما گئے۔

یہ دونوں ہستیاں رسول خدا کے لیے دو پتھروں کے مانند تھیں۔ ان کی وفات نے رسول اسلام کو غم و اندوہ میں مبتلا کر دیا۔ رسول خدا نے اس سال کا نام ”عام الحزن“ (غم کا سال) رکھا تھا۔ ان عظیم مددگاروں کی وفات سے جہاں قلب رسول کو صدمہ پہنچا تو وہاں پر مشرکین نے اپنے لیے میدان کو خالی سمجھ لیا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب آنحضرت کی زندگی کا چراغ گل کر دینا چاہیے۔

علیٰ بستر رسول پر

اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مشرکین مکہ کا ”دارالحدود“ میں اجتماع ہوا، اور وہاں رسول اکرم سے منہنے کے لیے مختلف تجاویز زیر بحث آئیں۔ آخر کار بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر قبیلہ سے ایک شخص لیا جائے اور وہ گروہ مل کر آنحضرت پر شب خون مارے اور انھیں شہید کر دے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے چالیس افراد کا جتھہ تعینات کیا گیا اور وہ آنحضرت کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جبرئیل کو نازل کیا اور اُس نے آپ کو مشرکین کے منصوبہ کی خبر دی اور اس کے ساتھ آنحضرت کو خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ اب مکہ میں رہنا بے سود ہے۔ آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اے علی! روح الامین نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ قریش نے منصوبہ بنایا ہے کہ وہ آج رات مجھے قتل کر دیں اور خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ میں مکہ چھوڑ دوں اور اسی رات غار ثور چلا جاؤں۔ خدا نے مجھے یہ حکم بھی دیا ہے کہ میں تجھے یہ حکم دوں کہ آج کی شب تُو نے میرے بستر پر سونا ہے، تاکہ حملہ آور یہ سمجھیں کہ میں گھر میں ہوں اور اپنے بستر پر سو رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایثار کے قربان جائے۔ انھوں نے یہ نہیں پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا میں محفوظ رہوں گا۔ اس کے بجائے انھوں نے یہ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میرے سونے

سے آپ کی جان بچ جائے گی؟

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں ایسا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سکرانے لگے اور سجدہ فخر بجالائے کہ میری قربانی سے رسول اسلام کی جان بچ سکتی ہے۔

دنیا نے اسلام میں سب سے پہلے سجدہ فخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ سجدہ سے قاریغ ہوئے تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ میرے کان، آنکھیں اور دل آپ پر فدا ہوں۔ آپ جو بھی حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا اور آپ کے مقاصد کو پورا کروں گا۔ خدا نے درخواست ہے کہ وہ مجھے اپنی توفیقات سے مالا مال فرمائے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آج رات تم نے میری شہید بن کر سونا ہے۔ آپ نے آج رات میری حضری چادر اوڑھنی ہے اور اس اعزاز سے سونا ہے کہ کوئی فرق نہ کر سکے کہ نبی سوراہا ہے یا علیؑ۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کا احسان لیتا ہے۔ سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہیں۔ پھر جو ان کے مشابہ ہوں پھر جو ان مشابہ افراد کے مشابہ ہوں۔ آج خدا آپ سے وہی احسان لے رہا ہے جو اس نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے لیا تھا۔ لہذا صبر کرنا، صبر کرنا۔ ھیب اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہوتی ہے۔

بعد ازاں نبی اکرم ﷺ نے انھیں اپنے سینے سے لگایا اور رونے لگے اور رسول خدا کو خطرات میں گھرا دیکر حضرت علیؑ بھی رونے لگے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ آج کی شب میرا ہتھ فرس گل نہیں رنگیں مقل ہے۔ ممکن ہے کہ جب کفار میری جگہ چھیں دیکھیں تو چھیں قتل کر دیں۔ کیا اس کے باوجود بھی میرے ہتھ پر سونے کے لیے آمادہ ہو؟

شیخ خدا نے پوری جرأت و شہامت سے جواب دیا: میں اس بات پر راضی ہوں کہ میری روح اور میری جان آپ پر قربان ہو۔ مجھے اگر زندگی عزیز ہے تو صرف اس لیے کہ آپ کی خدمت کروں اور آپ کے فوہر و فواہی کی پابندی کروں اور آپ کے چاہنے والوں کی مدد

کروں اور اُن سے محبت کروں اور آپؐ کے دشمنوں سے جہاد کروں اور اگر یہ سچ نظر نہ ہوتا تو میں اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی جینا پسند نہ کرتا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر تم سو جاؤ اور جب حالات بہتر ہو جائیں تو مدینہ آجانا۔ الغرض آنحضرتؐ غار کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علیؓ آپؐ کے بستر پر آپؐ کی چادر تان کر سو گئے۔

قریش کے سجدل قاتلوں نے آپؐ کے گھر کا گھیراؤ کیا اور انھوں نے دیوار سے کچھ پتھر بھی پھینکے۔ پتھروں سے حضرت علیؓ کو تکلیف ہوئی لیکن وہ کچھ نہ بولے، تاکہ کفار کو نبی اکرم ﷺ کی روانگی کا علم نہ ہو۔

خونخوار قاتل رات کی تاریکی ہی میں حملہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ابولہب نے انھیں منع کیا اور کہا کہ اس گھر میں خواتین بھی موجود ہیں۔ اگر غلطی سے کوئی خاتون قتل ہوگئی تو اس سے پورے قرب میں ہماری رسوائی ہوگی۔

قاتل ساری رات انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی۔ اس وقت وہ تلواریں سوٹ کر گھر میں داخل ہوئے اور آنحضرتؐ کے بستر کی طرف بڑھے۔ قتل کے لیے آنے والوں میں خالد بن ولید بھی موجود تھا۔

ابوجہل نے قاتلوں کی جماعت سے کہا کہ اُسے نیند کی حالت میں قتل نہ کرو۔ پہلے پتھر مارو تاکہ وہ جاگ جائے۔ اس کے بعد اُسے قتل کرو، تاکہ اُسے قتل کی اذیت کا پورا احساس ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ تلوار کے وار کتنے اذیت ناک ہوتے ہیں۔

قاتلوں نے پتھر پھینکے۔ حضرت علیؓ نے چہرے سے چادر ہٹائی اور اُن سے فرمایا کہ تمھارا کیا کام ہے؟ تم یہاں کیوں آئے ہو؟

قاتلوں نے پہچان لیا کہ یہ تو علیؓ ہے اور وہ جسے قتل کرنے آئے تھے وہ تو موجود ہی نہیں ہے۔

ابوجہل نے کہا: لوگو! دیکھو محمدؐ خود فرار کر گیا ہے اور اپنی جگہ پر تمہیں دھوکا دینے کے لیے علیؓ کو سلا کر گیا ہے۔ اگر محمدؐ کا دعویٰ سچا ہوتا کہ خدا اس کا محافظ ہے تو پھر اُسے یہاں سے

بھاگنے کی کیا ضرورت تھی اور ابنِ عمر کو بستر پر لٹانے کی کیا پڑی تھی؟

غور و قاتلوں نے پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہے؟

خیر خدا نے فرمایا: کیا تم انھیں میرے حوالے کر گئے تھے؟

قاتلوں نے کہا کہ تو نے پوری رات ہمیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ ہم سمجھتے رہے کہ محمدؐ سوئے ہوئے ہیں۔ پھر انھوں نے چاہا کہ حضرت علیؑ پر تشدد کیا جائے۔ ابلیہب نے انھیں اس سے منع کیا اور کہا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ گھر سے روانہ ہوئے اور آپؐ نے غار ثور میں پناہ لی اور مسلسل تین دن تک قار میں قیام پذیر رہے۔ حضرت علیؑ وہاں انھیں کھانا پانی پہنچاتے تھے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا کہ حضرت علیؑ نے ہجرت کے لیے تین اونٹ کرائے پر حاصل کیے۔ ایک رسولِ خدا کے لیے اور ایک حضرت ابوبکر کے لیے اور ایک اُن کے رہنما کے لیے۔

آپؐ تین دنوں کے بعد غار سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

شعلی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت علیؑ کو مکہ میں ٹھہرایا، تاکہ وہ آپؐ کے بعد آپؐ کے قرض ادا کریں اور لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں۔

آپؐ جب روانہ ہونے لگے تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: یا علیؑ! آپؐ میرے بستر پر میری حضری چادر اوڑھ کر سو جائیں۔ خدا نے چاہا تو آپؐ کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی۔

حضرت علیؑ نے حضورؐ کے فرمان کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے فرمایا: میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے لیکن تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے لمبی رکھی ہے کیا تم میں سے لمبی عمر والا اپنی عمر دوسرے کو دینے پر آمادہ ہے؟

دونوں فرشتوں نے زعمہ رہنے کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اُن کو وحی فرمائی: تم علیؑ ابن ابی طالبؑ کی مانند کیوں نہ بنے؟ میں نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؑ مرتضیٰ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔ محمدؐ ہجرت کر کے روانہ ہو چکے ہیں اور علیؑ اُن کی جان بچانے کے لیے اُن کے

ہمز پر سو گیا ہے۔ تم دونوں زمین پر جاؤ اور علیؑ کو دشمنوں سے بچاؤ۔  
حکمِ خدا سن کر دونوں زمین پر آئے۔ جبریلؑ حضرت علیؑ کے سرہانے کھڑے ہو گئے  
اور میکائیلؑ پابقی کی طرف۔

اس وقت حضرت جبریلؑ نے حضرت علیؑ کو مبارک دیتے ہوئے کہا:  
بِخَيْرٍ مِّنْ مِّثْلِكَ يَا بَنِي طَالِبٍ يُبَاهِي اللَّهُ بِكَ مَلَائِكَتَهُ  
”تمہیں مبارک ہوائے ابوطالبؑ کے لعل! آپؑ جیسا کون ہو سکتا ہے۔  
خداوند متعال آپؑ کے ذریعے سے فرشتوں پر مہابت کر رہا ہے۔“  
جب رسولؐ خدا مدینہ کی طرف محسّر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر شانِ علیؑ کے متعلق یہ  
آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو  
بَالِ الْعِبَادِ ○ (سورۃ بقرہ: آیت ۲۰۷)

”انسانوں میں وہ بھی ہے جو اللہ کی مرضات کی تلاش میں اپنی جان بیچ  
دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: روزِ غار کی صبح کو جبریلؑ میرے پاس آئے۔ میں نے  
جبریلؑ سے کہا: آج آپؑ خوش خوش دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟  
جبریلؑ امینؑ نے کہا: میں خوش کیوں نہ ہوں جب کہ خدا نے آپؑ کے بھائی اور وصی  
اور آپؑ کی امت کے امامؑ کے متعلق میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی ہے۔  
میں نے پوچھا: خدا نے علیؑ کو کیا اعزاز بخشا ہے؟

جبریلؑ نے کہا: آج رات علیؑ کے ایثار پر خدا نے ملائکہ پر مہابت کی ہے اور فرمایا  
ہے: ”اے میرے ملائکہ! زمین پر نگاہ کرو۔ میرے نبیؐ کے بعد میری جنت نے اپنی جان  
رسولؐ اسلام پر نچھاور کر رکھی ہے اور میری عظمت کے اظہار کے لیے اس نے اپنے رخساروں  
کو خاک آلودہ کیا ہے۔ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ میری مخلوق کا امامؑ اور میرے  
بندوں کا مولا ہے۔“

حضرت علیؓ اپنی اس خداداد کامیابی پر ہمیشہ فخر کرتے تھے اور اس موضوع پر آپؓ نے یہ اشعار بھی فرمائے تھے:

وقیت بنفسی خیر من وطاء الحصنی      ومن طاف بالبيت العتيق وبالبحر  
محمد لما خاف ان يسكروا به      فوقاه رب ذوالجلال من السكر  
وبت اراعيهم متى يقتلونني      وقد وطنت نفسي على القتل والاسر  
وبات رسول الله في الغار آمنا      هناك وفي حفظ الاله وفي ستر  
اقام ثلاثا ثم زمت قلائص      قلائص يفر بن الحصني اينما تزي

”میں نے اپنی جان دے کر اس ذات کو بچایا جو تمام انسانوں سے بہتر تھی۔ میں نے عمر مصطفیٰؐ کو اُس وقت بچایا جب کفار اُن کے متعلق برا ارادہ رکھتے تھے۔ رب ذوالجلال نے انھیں کفار کی سازش سے محفوظ رکھا۔ میں ساری رات انتظار کرتا رہا کہ وہ مجھے کب قتل کرتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو قتل اور مقید ہونے پر آمادہ کر چکا تھا۔

رسول خداؐ نے وہ رات غار میں امن سے بسر کی اور انھوں نے خدا کی حفاظت و نگرانی میں گزاری۔ رسول خداؐ نے تین دن غار میں قیام کیا۔ پھر حیرت انگیز اور آفتابوں پر سوار ہو کر وہاں سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔“

حضرت علیؓ کے اس ایثار نے آسمان کے فرشتوں کو متحجب کر دیا تھا اور تاریخ اسلام میں مواسات کی یہ منفرد مثال قائم کی۔ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ تاریخ انبیاء کا منفرد واقعہ تھا، اس لیے اگر دنیا کے عظیم انسان آپؐ کے حضور تعظیم کے لیے سر جھکاتے ہیں تو اس پر کسی کو تعجب نہیں کرنا چاہیے اور اگر آج قلم و نثر کے ذریعے سے آپؐ کی مدحت میں رطب اللسان دکھائی دیتی ہے تو اس پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت علیؓ کی تعریف و توصیف صرف مسلمانوں نے ہی نہیں کی ہے بلکہ دنیا کے ہر مذہب و مسلک کے باخمیر اور خوددار اور عدل پسند افراد نے بھی آپؐ کی تعریف کی ہے۔ سید ابن طاووسؒ نے اس سلسلہ میں انتہائی خوب صورت گفتگو کی ہے۔ غیر مسلموں میں

سے جارج محمد اداق مولف عدالت انسانی اور پولس سلامہ نے ”ملمحۃ الغدیہ“ میں آپؐ کے حضور عقیدت کے پھول بچھا دیے ہیں۔

آج کی گفتگو میں ہم صرف سید ابن طاووس کے بیان کردہ نکات پیش کرتے ہیں۔ سید ابن طاووس ”کتاب الاقبال“ میں رقم طراز ہیں:

اس ہجرت کے اسرار میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے ساری رات خطرات کے بستر پر بسر کی تھی اور انھوں نے اپنی جان کو دو ہستیوں کے لیے قربان کرنے کے لیے پیش کیا تھا:

❖ آپؐ دنیا و آخرت کے مالک کی رضا کے خواہش مند تھے۔

❖ آپؐ رسول اکرمؐ کی جان بچانا چاہتے تھے، کیونکہ رسول اکرمؐ نے آپؐ پر ظاہری اور باطنی نعمات کے دروازے کھول رکھے تھے۔

اگر شبہ ہجرت حضرت علیؑ بستر رسولؐ پر نہ سوتے اور کافر یہ گمان نہ کرتے کہ بستر پر رسولؐ سو رہے ہیں تو پھر کفار ساری رات انتظار نہ کرتے اور اسی وقت آنحضرت ﷺ کی تلاش شروع کر دیتے اور غارتگ سے پہلے ہی آپؐ کو گرفتار کر لیتے۔

اللہ کی خصوصی تدبیر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو سلامتی ملی تھی اور خدا نے حضرت علیؑ کے ایثار سے اپنی تدبیر کی تکمیل کی تھی اور حضرت علیؑ کے ایثار کی خدا نے خوب قدردانی کی اور اُن کی شان میں وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ..... کی آیت نازل فرمائی۔

اس آیت نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حضرت علیؑ کے اس اقدام کا مقصد صرف مرضاتِ خداوندی کی جستجو تھی۔ اس کے علاوہ آپؐ کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے ایثار کو اتنا پسند فرمایا کہ بزم ملائکہ میں اس پر فخر و مباہات کیا اور ملائکہ کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ معصوم ہونے کے باوجود اس ایثار سے محروم ہیں۔ حضرت علیؑ نے صرف شبہ ہجرت ہی مکہ میں بسر نہیں کی تھی۔ اس کے بعد بھی نین دن تک آپؐ نے مکہ میں قیام کیا تھا اور یہ جرأت و شجاعت خدا کی عطا کے بغیر کسی کو



حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپؐ نے ہجرتِ یثیبرؒ کے بعد پورے تین دن تک خاندانِ رسولؐ کی حفاظت کی تھی۔ پھر تین دن گزرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے اہل خانہ کو لے کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور آپؐ کے قافلہ میں تمام تر خواتین تھیں۔ تنہا مرد آپؐ ہی تھے اور لوگوں کی شدید صداوت کے باوجود آپؐ نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔

ہجرت سے اسلام کی نئی تاریخ شروع ہوئی اور آپؐ کی قربانی اور ایثار کی وجہ سے ہجرت ممکن ہوئی تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہجرت کے بعد اسلام اور رسولؐ اسلام کو جو کامیابیاں نصیب ہوئیں ان کے پیچھے آپؐ کا ایثار کارفرما تھا۔

اس عنوان پر طویل بحث ہو سکتی ہے، لیکن ہم اسی پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔



## حضرت علیؑ اور ہجرت

امیر المومنین علیؑ نے اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:  
 اما انه سيظهر عليكم بعدى رجل وحب البلعوم مند حق  
 البطن ياكل ما يجد ويطلب ما لا يجد فاقتلوه ولن تقتلوه الا  
 وانه سيامركم بسبى والبراءة منى فاما السب منبوء فانتهل  
 زكوة ولكم نجات واما البراءة فلا شتبراً وامنى فانى ولدت  
 على الفطرة وسبقت الى الايمان والهجرة

”میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوگا جس کا طعن کشادہ اور  
 پیٹ بڑا ہوگا، جو پائے گا وہ نکل جائے گا اور جو نہ پائے گا اس کی اُسے  
 ڈھونڈ لگی رہے گی۔ (بہتر تو یہ ہے کہ) تم اُسے قتل کر ڈالنا، لیکن یہ معلوم  
 ہے کہ تم اسے ہرگز قتل نہ کرو گے۔ وہ تمہیں حکم دے گا کہ تم مجھے برا کہو  
 اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ جہاں تک برا کہنے کا تعلق ہے تو مجھے  
 برا کہہ لینا، اس لیے کہ یہ میرے لیے پاکیزگی کا سبب اور تمہارے لیے  
 (دشمنوں سے) نجات پانے کا باعث ہے، لیکن (دل سے) مجھ سے بیزاری  
 اختیار نہ کرنا، اس لیے کہ میں (دین) فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور ایمان و  
 ہجرت میں میں نے سبقت حاصل کی ہے۔“ (نوح البلاغہ، خطبہ ۷۷)

مذکورہ بالا کلمات آپ کو اکثر کتب حدیث بالخصوص نوح البلاغہ میں دکھائی دیں گے۔  
 امیر المومنین علیؑ نے امیر شام کے تسلط کی پیشین گوئی کی تھی اور آپؑ نے اس کی مذموم

صفات بھی بیان کی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ زیادہ کھاتا ہوگا اور وہ کھانے سے میسر نہیں ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے لا اشیعہ اللہ بطنہ کہہ کر امیر شام کو بددعا دی تھی کہ ”خدا کرے کہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔“

ہم امیر شام اور اُس کی نفسیات پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ آج کی گفتگو کا عنوان سبقت الی الایمان والہجرة (میں نے ایمان و ہجرت میں سبقت کی ہے) کا جملہ ہے۔ حضرت علیؑ کی سبقت اسلامی والایمانی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بحث صرف سبقت ہجرت کی ہے۔ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک شہر چھوڑ کر دوسرے شہر میں آباد ہونا مراد نہیں ہے اور یہ کوئی فضیلت بھی نہیں ہے۔ اس طرح کے مہاجر بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ غالباً ہجرت سے یہ مراد ہے کہ خدا کی رضا کے لیے وطن اور جو کچھ وطن میں ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔

پروردگارِ عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْوُتُ

فَقَدْ وَفَّقَ أَجْرُكَ عَلَى اللَّهِ (سورۃ نساء: آیت ۱۰۰)

”جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کرے، پھر

اس پر موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔“

یہ آیت مجیدہ اُن مہاجرین کی شان میں نازل ہوئی، جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور

اس آیت مجیدہ کے مفہوم میں وہ ملامین حج بھی شامل ہیں جن کی راہِ حج میں وفات ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو غیر مہاجرین پر فضیلت دی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنا تمام

مال اور خاندان اس لیے چھوڑا تھا کہ ان کا دین محفوظ رہے اور وہ مشرکین سے نجات حاصل

کر سکیں، جو انہیں احکام دین پر عمل کرنے سے منع کرتے تھے۔

حضرت علیؑ نے ہجرت میں باقی مسلمانوں پر سبقت حاصل کی تھی۔ مؤرخین لکھتے

ہیں: آپؐ نے رسول اکرم ﷺ کی امتیں لوگوں کو واپس کیں، پھر آپؐ نے مکہ سے

ہجرت کی اور سب سے پہلے رسول خدا سے جا ملے تھے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول خدا کے ساتھ فار سے مدینہ تک ہجرت کی تھی اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے سبقت ہجرت کا ذکر کیا ہوگا تو اس وقت حضرت ابوبکر موجود نہیں ہوں گے۔

علاوہ ازیں بطور مناقشہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مکہ سے ہجرت کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے۔ وہ رفاقت رسولؐ کی خاطر روانہ ہوئے تھے اور آپؐ کے ساتھ تباہ پچھے تھے، جبکہ حضرت علیؓ نے مکہ کو ہجرت کی نیت سے چھوڑا تھا اور ہر چیز کو ہجرت کی غرض سے خیر باد کہا تھا۔ اسی لیے حضرت علیؓ کو علی الاطلاق اول المهاجرین کہنا صحیح ہے۔

علاوہ ازیں یہ امکان بھی ہے کہ ہجرت میں سبقت کے دعوئی سے آپؐ کی مراد ہجرت اِلَى الدِّينِ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی زبانی ان کلمات کو نقل کیا ہے: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلَیْ رَبِّیْ ”میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں“۔

حضرت علیؓ کی ہجرت کے واقعات کو مورخین نے یوں بیان کیا ہے:

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو خط لکھا جس میں انھیں حکم دیا کہ وہ مکہ چھوڑ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور مکہ میں کم سے کم قیام کریں۔

آنحضرت ﷺ کا یہ خط ابوداؤد قسریؒ نے کر علیؓ مولا کے پاس آیا تھا۔ جب آپؐ کو رسالت مآبؐ کا خط موصول ہوا تو آپؐ نے روانگی کی تیاری کی۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ رسول خداؐ نے امانتوں کی واپسی کے لیے مولائے کائناتؐ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، کیونکہ آنحضرتؐ کی امانت داری کی وجہ سے لوگ آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ آپؐ کی ہجرت کے بعد حضرت علیؓ نے تمام لوگوں کو اُن کی امانتیں واپس کیں۔ جب اس مرحلہ سے فارغ ہوئے تو آپؐ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور بلند آواز سے اعلان کیا:

لوگو! کیا تم میں سے کسی نے میرے رسولؐ سے امانت لینی ہے؟

کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس سے میرے رسولؐ نے کوئی وصیت کی ہو؟

کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس سے رسول خداؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو؟

جب اس اعلان کے بعد کسی نے آپؐ سے رجوع نہ کیا تو پھر آپؐ ہجرت کر کے رسولِ خدا کے پاس پہنچ گئے۔

ابن شہر آشوب حریہ لکھتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے وقت حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی کہ وہ آپؐ کا قرض ادا کریں اور لوگوں کی لامتیں انھیں واپس کریں۔

حضرت علیؑ ان تمام کاموں سے فراغت پانے کے بعد، رات کے وقت مکہ سے روانہ ہوئے۔ آپؐ کے قافلہ میں حضرت قاطمہ زہراءؑ اور آپؐ کی والدہ ماجدہ قاطمہ بنت اسد اور قاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب شامل تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ جناح بنت زبیر تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کا قلام امین بن ابی امین آپؐ کا قاصد ابوداؤد بھی آپؐ کے قافلہ میں شامل تھے۔

اُذُنوں کا سفر شروع ہوا۔ ابوداؤد نے اُذُنوں کو حیرتی سے دوڑانا شروع کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اُذُن مت دوڑاؤ۔ ان پر غواٹیں سوار ہیں اور وہ اچھائی کمزور ہیں۔ ابوداؤد نے کہا: میں اس لیے حیرتی کر رہا ہوں، تاکہ کوئی تعاقب کرنے والا ہمیں نہ پالے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: آرام آرام سے اُذُن چلاؤ۔ رسول خدا ﷺ نے مجھے خبر دی تھی کہ میرے بعد مشرکین تمہیں کوئی بڑی اذیت نہیں دے سکیں گے۔ اس کے بعد ابوداؤد نے اُذُنوں کی رفتار دہشی کر دی۔

آپؐ نے سر راہ ان اشعار کو پڑھا:

لیس الا الله فارفع ظنکا

یکفیک رب الناس ما اھمکا

”اللہ کے علاوہ کسی کے پاس کوئی قوت نہیں ہے، لہذا اپنا گمان دُور کر دو

اور ہر اہم معاملہ میں بندوں کا پروردگار حیرتی کفایت کرے گا۔“

مہاجرین کا یہ مختصر قافلہ محسوس تھا جب یہ قافلہ مقامِ فہمان کے قریب پہنچا تو قریش کے

سات افراد ڈالھے باندھے ہوئے نمودار ہوئے۔ اُن کے ساتھ حارث بن اُمیہ کا قلام ”جناح“

بھی شامل تھا۔

حضرت علیؓ نے ایمن اور ایوداقد سے فرمایا: اؤنٹ بشادہ اور اُن کے زانو باندھ دو۔ آپؐ نے پردہ دار بیبیوں کو محلوں سے اُتارا اور انھیں ایک محفوظ مقام پر بٹھایا۔ پھر آپؐ تلوار طم کر کے ان کے مقابلہ میں تشریف لے گئے۔

وہ کہنے لگے: کیا آپؐ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ آپؐ ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نکل جاؤ گے؟ بہتری اسی میں ہے کہ آپؐ واپس مکہ چلے آؤ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر میں مکہ نہ جانا چاہوں تو پھر؟

انھوں نے کہا: ہم آپؐ کو جبری طور پر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ کہا اور وہ اؤنٹوں اور پردہ دار خواتین کی طرف بڑھے، تاکہ انھیں خوفزدہ کریں۔

حضرت علیؓ درمیان میں کھڑے ہو گئے۔ جناح نے تلوار سے آپؐ پر وار کرنا چاہا تو آپؐ نے اُس کے وار کو ناکام کیا۔ پھر آپؐ نے اُس پر حملہ کیا اور اُس کی گردن اڑادی اور اُس کے گھوڑے کی ٹانگوں کو زخمی کیا۔ اس وقت آپؐ نے یہ رجز پڑھا:

خلوا سبیل الجاہد المجاہد

آلیت لا اعبد الا الواحد

”شرک کا انکار کرنے والے مجاہد کا راستہ چھوڑ دو۔ میں قسم کھا چکا ہوں کہ

وحدۃ لاشریک کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کروں گا۔“

شیر خدا کے تیر دیکھ کر قریش کے بد معاش بھاگ گئے اور کہا: اے فرزند ابوطالب! آج تم ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہو۔

حضرتؐ نے فرمایا: اپنے ابنِ نم کے پاس یثرب جا رہا ہوں، جو چاہتا ہے کہ میں اُس کا گوشت ادھیڑوں اور اُس کا خون بہاؤں تو وہ میرے تعاقب میں آئے یا میرے قریب ہو کر دیکھے۔

پھر آپؐ نے ایمن اور ایوداقد سے فرمایا: اؤنٹوں کو کھول دو۔ آپؐ نے بیبیوں کو سوار کرایا پھر وہاں سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ جھان پہنچے۔ آپؐ نے وہاں ایک دن اور ایک

رات قیام کیا۔ اس دوران کچھ کمزور مومنین بھی آپؐ کے قافلہ میں شامل ہوئے۔ ان میں رسول خدا کی کنیز ام ایمن بھی شامل تھی۔

حضرت علیؑ اور فاطمہؑ (فاطمہ بنت عقیل، فاطمہ بنت اسد، اور فاطمہ بنت زبیر) ساری رات نماز میں مصروف رہے اور قیام و قعود اور لیٹ کر خدا کو یاد کرتے رہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی۔ حضرت علیؑ نے نماز فجر پڑھائی، پھر مہمان سے روانہ ہوئے اور ہر منزل پر خدا کا ذکر کرتے رہے۔ خدا نے اس قافلہ کی کیفیت کو وحی کے ذریعے سے اپنے حبیب پر نازل کیا اور اُن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيقُكَم بِغَمٍّ مِّنْكُمْ مَّنْ ذَكَرُوا اللَّهَ ۚ

(سورہ آل عمران: آیت ۱۹۱ تا ۱۹۵)

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ سے باہر قبا میں قیام کیا اور آپؐ حضرت علیؑ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ مدینہ چلیں، مدینہ کے لوگ آپؐ کی آمد پر خوش ہیں اور وہ آپؐ کے منتظر ہیں۔ آپؐ یہاں علیؑ کا انتظار نہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ علیؑ ایک ماہ تک نہیں آئیں گے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ علیؑ بہت جلد ہمارے پاس آجائیں گے۔ جب تک میرا بھائی، میرا اہل بیت اور میرے خاندان میں سے مجھ کو زیادہ محبوب فرد جس نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے میری جان بچائی ہے، نہ آجائے تب تک میں یہاں سے مدینہ نہیں جاؤں گا۔

الغرض نبی اکرم ﷺ نے پندرہ دن تک قبا میں قیام کیا۔ پھر پھر وہیں دن حضرت علیؑ آپؐ کے خاندان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ مسلسل پیدل سفر کرنے کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں متوڑم ہو چکے تھے۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو گلے لگایا اور اُن کے زخمی اور

متوڑم پاؤں کو دیکھ کر آپؐ ابدیدہ ہو گئے۔

آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اپنا ہاتھ آگے کرو۔

حضرت علیؑ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو آپؐ نے اُس پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ حضرت علیؑ نے آپؐ کے لعابِ دہن کو اپنے پاؤں پر ملا تو اُسی وقت پاؤں کا ورم ختم ہو گیا۔ پھر کبھی آپؐ کے پاؤں متوڑم نہ ہوئے۔





## حضرت علیؑ حلقہ ازدواج میں منسلک ہوئے

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالضَّالِّحِينَ مِنْ جِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

”اپنی بیوگان اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کراؤ، اگر وہ مفلس ہوئے تو خدا اپنے فضل سے انھیں مالا مال کر دے گا۔ اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے۔“ (سورہ نور: آیت ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں نکاح کی سنت کو جاری کیا۔ نکاح کا مقصد فقط جنسی جذبات کی تسکین ہی نہیں ہے، بلکہ نسل کا بڑھنا مقصود ہے۔ البتہ اس میں جنسی جذبات کی تسکین ضمنی حیثیت رکھتی ہے۔ نکاح ایک مضبوط قلم ہے جو انسان کو بد عملی اور بد فکری سے محفوظ رکھتا ہے۔

نکاح کا بلند ترین ہدف ایک خاندان کو تشکیل دینا ہے۔ خاندان میں والدین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور والدین ہی اپنے بچوں کی تربیت کر کے انھیں جوان کرتے ہیں۔ نسل کو ہر وقت کفیل اور مربی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ شفیق سرپرست کی محتاج ہوتی ہے، بالخصوص چھوٹے بچوں کو رضاقت، تربیت، پرورش، توجہ اور خدمت کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح سے بچوں کو غذا، لباس، مکان اور تعلیم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں کی ان تمام ضروریات کی والدین کفالت کرتے ہیں اور آج کل کے کیئر ہاؤس (Care House) والدین کے غما کو پر نہیں کر سکتے۔

کبھی کوئی دینی ماں کی طرح سے نہیں ہو سکتی۔ کیا اجرت پر کام کرنے والی آیامیں کا سا

پیار دے سکتی ہے؟ کیا وہ بیمار بچے کے لیے ساری ساری رات آنکھوں میں کاٹ سکتی ہے؟  
عربی کی مشہور ضرب المثل ہے:

ليست الشكلى كالاستاجرة

”اُجرت لے کر رونے والی پھر مردہ ماں کی طرح نہیں ہوتی۔“

والدین کا سا پیار اور کس طرح سے ممکن نہیں ہے۔ بچوں کی پرورش کے نام نہاد  
اور بے بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اور جن بچوں کو والدین کا پیار میسر نہیں  
اُن کی شخصیت میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے اور اس طرح کے بچے جوانی میں عام طور پر  
جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔

آج کل ہماری جوان نسل میں جو خرابیاں دکھائی دیتی ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ  
جوانوں کے لیے شادی کرنا مشکل ہو چکا ہے اور کچھ ایسے نوجوان بھی ہیں جو اس وجہ سے  
شادی نہیں کرنا چاہتے کہ انھیں شادی کی ذمہ داریاں مشکل دکھائی دیتی ہیں۔  
یاد رکھیں امانی زندگی میں خدا نے بڑی برکت رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام  
جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

من تزوج فقد احرز نصف دينه فليتق الله في النصف الباقي

”جس شخص نے شادی کی تو اُس نے اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیا، باقی

آدھے دین کے لیے اُسے خوفِ خدا کرنا چاہیے۔“

آج کل شادی آسان نہیں رہی اور نوجوان شادی سے گھبراتے ہیں، جبکہ انھیں دنا  
سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ کچھ پرہیزگار قسم کے جوان اپنے نفس پر کنٹرول رکھتے ہیں۔  
کچھ نوجوان اس لیے شادی نہیں کرتے کہ انھیں ان کی من پسند بیوی دکھائی نہیں دیتی۔ اور وہ  
شادی بیوی کی جستجو میں رہتے ہیں۔

اس طرح کی تمام مشکلات دورِ جاہلیت میں بھی موجود تھیں، لیکن ان مشکلات کی  
صورت کچھ اور تھی۔ پہلی مشکل تو یہ تھی کہ عورتوں کا ہر زیادہ ہوتا تھا اور اُس کے علاوہ قبائلی  
تضادات بھی نکاح میں رکاوٹ بنتے تھے اور بعض اوقات لوگوں کی بے جا غیرت بھی اس کا

سب ثابت ہوتی تھی۔ آخر کار عرب میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب لوگوں نے اپنی بیٹیوں کو زعمہ درگور کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی گواہی دی ہے:

وَإِذَا النُّوءُ ذُكِّمَتْ لَهَا سِلَاحٌ ۖ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (سورہ نکویر: آیت ۸-۹)  
 ”جب زعمہ درگور ہونے والی لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟“

اہل عرب بیٹی کو اپنے لیے قال بد قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم میں اسی معاشرے کی یوں تصویر کشی کی گئی:

وَإِذَا بَشَرًا أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۖ  
 يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَتْ بِهِ ۚ إِنَّ يَتْسِكُّهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ  
 يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۖ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (سورہ نمل: آیت ۵۸-۵۹)  
 ”جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم کے گھونٹ پینے لگ جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ کیا وہ اسے.....؟؟ کے ساتھ اپنے پاس ٹھہرائے رہے یا اسے زمین میں دفن کر دے؟ آگاہ رہو! وہ کتنا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ نے اس بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی۔ آپؐ نے دور جاہلیت کی قابل نفرت روایات کو توڑا۔ قرآن کریم نے لوگوں کو رسول خدا کی اتباع یہ کہہ کر ترغیب دی:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا  
 عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْغَيْرِ وَفٍ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ  
 السُّئْرِ وَيُخْلِلُ لَهُمُ الْقُلَيْبَ وَيُخْرِجُهُمُ الظُّلُمَاتِ وَيَقْدِرُ لَهُمْ  
 إِضْرَهُمْ وَالْأَخْلَافَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (سورہ اعراف: آیت ۱۵۷)

”وہ لوگ جو اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو کہ نبی امی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں بھلائی کا حکم دیتا

ہے اور برائیوں سے منع کرتا ہے اور اُن کے لیے پاکیزہ اشیاء کو حلال کرتا ہے اور ناپاک اشیاء کو حرام کرتا ہے اور ان سے بوجھ اُتارتا ہے اور انھیں ان رسوم و رواج کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہے، جو اُن پر پڑی ہوئی ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ نے صرف ذہانی مہلیفات پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے عملی طور پر رسومات کی زنجیروں سے لوگوں کو آزادی دلائی۔ آپؐ کے ان اقدامات کے نمونہ کے طور پر حضرت سیدہ زہراؓ کی سادہ ترین شادی کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے اپنی لخت جگر صاحبزادی کی شادی اتنی سادگی سے کی کہ وہ لوگوں کے لیے مثال بن گئی۔ آپؐ نے عملی طور پر دوِ جاہلیت کی اُن رسومات کا خاتمہ کیا جن کی وجہ سے شادی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سنئے:

جب حضرت سیدہ زہراؓ سن رشد کو پہنچیں تو قریش کے افاضل افراد نے رشتہ کے لیے خواستگاری کی اور خواستگاری کرنے والوں میں بڑے دولت مند اور صاحبانِ شرف افراد بھی شامل تھے، لیکن جب بھی کسی نے آپؐ سے خواستگاری کی تو آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا اور درخواست کرنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ رسول اللہ اس درخواست پر ناراض ہوئے ہیں یا یہ کہ اس کے متعلق کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی آنحضرت ﷺ سے رشتہ طلب کیا تھا۔ رسول خدا نے جواب میں فرمایا: امرھا الی ربھا ”میری بیٹی کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

حضرت عمرؓ نے بھی آنحضرت ﷺ سے حضرت سیدہ زہراؓ کا رشتہ طلب کیا تھا۔ رسول خدا نے انھیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ کو دے چکے تھے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اس وقت آپؐ شہر سے باہر اپنے کمبوروں کے باغ کو پانی پلا رہے تھے اور ان دونوں صحابیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپؐ رسول خدا سے حضرت فاطمہؓ کے رشتہ کی درخواست کیوں نہیں کرتے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: دو چیزیں مانع ہیں:

◇ مجھے آنحضرت ﷺ سے رشتہ طلب کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔

◇ میرے پاس دولت نہیں ہے۔

حضرت سعدؓ نے کہا: آپؐ رسول خدا کے پاس ضرور جائیں اور ان سے فاطمہؓ کا رشتہ طلب کریں۔ مجھے یقین ہے کہ رسول خدا آپؐ کی درخواست قبول کریں گے اور آنحضرتؐ نے یہ رشتہ آپؐ کی خاطر مخصوص کیا ہوا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: اچھا یہ بتائیں کہ میں رسول خدا کے سامنے کیا کلمات کہوں؟ حضرت سعدؓ نے کہا: آپؐ جا کر ان سے یہ کہیں کہ میں خدا و رسول اللہ کی بارگاہ میں فاطمہؓ بت محمدؐ کا رشتہ طلب کرنے آیا ہوں۔

حضرت علیؓ روانہ ہوئے۔ آپؐ کے بچنے سے قبل جبریل امینؑ آنحضرتؐ ﷺ پر نازل ہوئے اور انھیں اطلاع دی کہ حضرت علیؓ حضرت زہراؓ کی خواست گاری کے لیے آپؐ کے پاس آرہے ہیں۔ اُس وقت حبیب خدا ﷺ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؓ وہاں آئے اور آپؐ نے دستک دی۔ بی بی اُم سلمہؓ نے کہا: کون ہے؟

حضرت علیؓ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ رسول خدا نے فرمایا: سلمہ! اٹھو اور دروازہ کھولو اور اُسے اندر آنے کا کہہ دو۔ یہ وہ شخص ہے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا و رسولؐ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔

بی بی اُم سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے اُسے دیکھے بغیر اُن کے یہ اوصاف کیسے جان کیے ہیں؟

رسول خداؐ نے فرمایا: آنے والا کوئی جاہل اور جلد باز انسان نہیں ہے، یہ میرا بھائی، میرا ابنِ عم اور تمام مخلوق میں سے مجھے محبوب ہے۔

بی بی اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ علیؓ بن ابی طالبؓ تھے اور علیؓ اس وقت تک اندر نہ آئے جب تک میں پردہ کی اوٹ میں نہیں چلی گئی۔

پھر حضرت علیؓ اندر داخل ہوئے اور آپؐ نے رسول خداؐ پر سلام کیا۔ آپؐ نے

سلام کا جواب دیا۔ حضرت علیؓ رسول خدا کے سامنے نظر میں جھکا کر بیٹھ گئے۔ یوں لگتا تھا کہ آپؐ کچھ مانگتا چاہتے ہیں، لیکن ہچکچا رہے ہیں۔ ادب رسول کی وجہ سے انہیں زمین پر گڑھی ہوئی تھیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خاموشی کو توڑا اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کوئی غرض لے کر آئے ہو۔ تم اپنی حاجت بیان کرو اور اپنے مافی الضمیر کا کھل کر اظہار کرو۔ تمہاری ہر حاجت پوری کی جائے گی۔

حضرت علیؓ نے بڑے ادب سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ تو جانتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے بچپن ہی میں اپنی گود میں لیا تھا اور میری تربیت کی تھی۔ آپؐ نے میرے والدین سے بھی مجھ پر زیادہ شفقت کی ہے۔ اللہ نے آپؐ کے ذریعے اور آپؐ کے ہاتھوں سے مجھے ہدایت عطا کی ہے۔ آپؐ ہی دنیا و آخرت میں میرا سرمایہ ہیں۔

یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میرا بھی ایک گھر ہو اور میری بھی ایک بیوی ہو جس سے میں سکون حاصل کر سکوں۔ میں آپؐ کی خدمت میں رشتہ طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ میں آپؐ سے آپؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ کا رشتہ طلب کرتا ہوں۔ کیا آپؐ مجھ پر یہ احسان فرمائیں گے؟

رسول خدا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: تمہارے پاس کیا کچھ ہے کہ میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کروں؟

حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حالات آپؐ سے پوشیدہ نہیں ہیں، میرے پاس میری تلوار ہے، میری زرہ ہے اور پانی لانے والا اونٹ ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔

پادشاہ کلبہ ایوان اُد

یک حسام و یک زہاہ سامان اُد

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تلوار تمہاری ضرورت ہے، اس سے تم جہاد کرتے ہو اور دشمنان خدا سے جنگ کرتے ہو۔ اونٹ بھی تمہارے لیے ضروری ہے کیونکہ اس پر تم پانی

لاؤ کر اپنی کجگروں کو چلاتے ہو اور خاندان کے لیے پانی لاتے ہو اور سفر میں اس پر سامان لادتے ہو۔ البتہ زرہ کے بدلے میں تمہاری شادی کرتا ہوں اور اس حق مہر پر راضی ہوں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! کیا میں تمہیں خوش خبری نہ دوں؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، ضرور خوش خبری سنائیں۔ آپؐ روزِ اَوَّل سے ہی بابرکت ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نکاح پڑھنے سے قبل آسمان پر تیرا نکاح کیا ہے۔ تم سے پہلے کچھ اور افراد نے بھی رشتہ طلب کیا تھا۔ میں نے جب بھی اپنی بیٹی سے ان رشتوں کا ذکر کیا تو اُن کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے۔ تم انتظار کرو، میں اپنی بیٹی سے اُن کی رائے پوچھ لوں۔

آنحضرتؐ گھر میں تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنے والد کی نظمیں اُتاری، انھیں وضو کرایا، پھر بیٹھ گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: فاطمہؑ! میں ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ حضرت سیدہؑ نے عرض کیا: بابا جان! حکم فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا: فاطمہؑ! تم علیؑ ابن ابی طالبؑ کی قربت، فضیلت اور سبقتِ اسلام سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ وہ تمہاری شادی اپنی مخلوق میں سے افضل ترین فرد کے ساتھ کرائے جو اُسے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ علیؑ تمہارے رشتہ کی درخواست لے کر آئے ہیں اُس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

بی بیؑ نے یہ سنا تو خاموش رہیں۔ انھوں نے منہ پھیرا اور نہ ہی ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے۔

نبی اکرمؐ اٹھے اور فرمایا: اللہ اکبر! اُس کی خاموشی اُس کی رضامندی کی دلیل ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے۔ کچھ دیر بعد رسول خداؐ بھی مسجد میں داخل ہوئے اُس وقت مسجد میں مہاجرین و انصار جمع تھے۔ آپؐ منبر پر تشریف لائے اور خدا کی حمد و ثناء بجالائے، پھر آپؐ نے فرمایا:

اے گروہِ مسلمین! ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور اُس نے پروردگار کی طرف سے

یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے ملائکہ کو بیت المعمور میں جمع کیا اور انھیں اس بات کا گواہ بنایا کہ اس نے فاطمہؑ بہت محمدؐ کا علیؑ ابن ابی طالبؑ سے نکاح کر دیا ہے۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زمین پر اس کا نکاح کر دوں اور تمہیں اس کا گواہ بناؤں۔

### خطبہ نکاح

پھر آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! تم اٹھو اور اپنے نکاح کا خطبہ پڑھو۔ اس وقت حضرت علیؑ اٹھے اور خدا کی حمد و ثنا کی اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا اور ارشاد کیا:

الحمد لله شكرا لا نعبه ويا ديه ولا اله الا الله شهادة تبليغه  
وترضييه وصلى الله على محمد صلاة تزلفه وتخطيه والنكاح ما  
امر الله عز وجل به ورضيه ومجلسنا هذا ما قضاه الله واذن  
فيه وقد زوجني رسول الله ابنته فاطمة وجعل صداقها درعي  
هذا وقد رضيت بذلك فاسألوه واشهدوا

”میں اللہ کے احسانات و نعمات پر شکر کرتے ہوئے اُس کی حمد بجالاتا ہوں اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ایسی گواہی جو اُس تک پہنچے اور اُسے راضی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا درود ہو حضرت محمد ﷺ پر جو انھیں قربت و منزلت عطا کرے۔ واضح رہے کہ نکاح ایک ایسا عمل ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے اور ہماری یہ محفل بھی اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہے، جس کا خدا نے فیصلہ کیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ رسول اللہ نے مجھ سے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کی شادی کی ہے اور میری اس زرہ کو اس کا حق ہر قرار دیا ہے۔ میں اس پر راضی ہوں۔ تم ان سے پوچھ لو اور گواہ رہو۔“

مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے تزویج کر دی ہے؟



رسولؐ خدا نے فرمایا: جی ہاں۔

لوگوں نے کہا: اللہ اُن کے خاندان میں برکت ڈالے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اپنی ازدواج کے پاس آئے اور حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! اب تم اپنی زرہ فروخت کر دو اور اس سے جو رقم حاصل ہو وہ میرے پاس لے آؤ تاکہ میں تمہارے اور تمہاری زوجہ کے لیے گھریلو ضروریات کا سامان خرید لوں۔

حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی زرہ چار سو ہجری درہم میں فروخت کی۔ کچھ روایات میں چار سو اسی اور بعض روایات میں پانچ سو درہم بیان کیا گیا ہے۔  
 کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے یہ زرہ حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھوں فروخت کی تھی۔  
 آپؐ رسولؐ خدا کی خدمت میں زرہ کی قیمت لے کر حاضر ہوئے اور ساری رقم آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر کو بلایا اور انھیں تریسٹھ درہم دیے اور فرمایا کہ یہ رقم لے لو اور اس سے گھریلو ضروریات کی اشیاء کی خریداری کرو۔ آنحضرتؐ نے اُن کی مدد کے لیے حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کو بھی اُن کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت ابو بکر بازار گئے اور انھوں نے وہاں سے اُون سے بھرا ہوا ایک گدالیا اور ایک رنگین چڑا اور ایک سرہانہ جس میں بھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور خمیری عبا، پانی کی مشک، کچھ گھڑے اور لوٹا اور اُون کا باریک پردہ خریدا اور اس سامان کو لے کر آنحضرتؐ کے پاس آئے۔

جب رسولؐ خدا نے اس سادہ سے سامان کو دیکھا تو آپؐ رو پڑے اور آپؐ کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا: پروردگار! ان لوگوں کے گھروں میں برکت نازل فرما، جن کے برتن ٹھیکری کے ہوں۔

حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ سامان سے بچی ہوئی باقی رقم آنحضرتؐ نے حضرت بی بی ام سلمہؓ کے حوالے کی اور ارشاد فرمایا: اے ام سلمہؓ! اس رقم کو اپنے پاس رکھو۔

اس کے بعد پورے ایک مہینہ تک میں نے اس معاملے کے لیے رسول اکرمؐ سے کوئی گفتگو نہ کی، البتہ جب آنحضرتؐ کے پاس عجا ہوتا تو آپؐ فرماتے تھے کہ تمہیں بشارت ہو،

میں نے تمہارا نکاح تمام جہانوں کی سردار خاتون سے کیا ہے۔

ایک ماہ گزرنے کے بعد میرے بھائی عقیلؑ بن ابی طالبؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا: قاطعہ بنت محمدؐ کے ساتھ تمہارے نکاح کی مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ آپؐ رسول اکرم ﷺ سے رخصتی کی درخواست کیوں نہیں کرتے؟

میں نے کہا: بھائی جان! میری یہ خواہش تو ہے لیکن مجھے درخواست کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

حضرت عقیلؑ نے کہا: میرے ساتھ آؤ، ہم دونوں بھائی چلتے ہیں۔ پھر ہم دونوں بھائی روانہ ہوئے۔ راستے میں ہمیں آنحضرتؐ کی کنیز ام ایمنؓ ملیں۔ ہم نے اس کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا۔

ام ایمنؓ نے کہا: آپؐ کو درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام ہم عورتوں کا ہے۔ اس طرح کے مواقع پر عورتوں کی درخواست زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

ام ایمنؓ حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں اور ان سے یہ گفتگو کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے تمام ازدواجی وغیرہ کو بلایا اور انہیں لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آئیں کیونکہ آنحضرتؐ اس وقت ان کے حجرے میں تشریف فرما تھے اور ازدواجی وغیرہ نے آپؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! ہم ایک ایسے معاملے کے لیے حاضر ہوئی ہیں کہ اگر آج خدیجہؓ زعمہ ہوتیں تو انہیں اس سے بے حد خوشی ہوتی۔

آنحضرتؐ ﷺ نے جیسے ہی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا نام سنا تو آپؐ ابدیدہ ہو گئے اور فرمایا: خدیجہؓ جیسی کون ہے؟ اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اس نے اپنے مال سے میری اس وقت مدد کی جب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا تھا اور اس نے اللہ کے دین کے لیے میری پشت پناہی کی تھی۔ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اُسے جنت میں زمرہ کے موتیوں کے گل کی خوشخبری سناؤں جس میں کوئی شور اور تکلیف نہیں ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے جو کچھ خدیجہؓ کے متعلق فرمایا ہے وہ درست ہے، لیکن اس وقت وہ خدا کے حضور پہنچ چکی ہیں، اللہ مقام جنت میں ہماری اس

سے ملاقات کرائے گا۔

یا رسول اللہ اعلیٰ دنیا میں آپ کا بھائی ہے اور نسب میں ابن عم ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی کی رخصتی کریں، تاکہ وہ عائلی زندگی بسر کریں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اُم سلمہؓ! اگر یہی بات ہے تو علیؓ خود کیوں نہیں کہتے؟  
حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اسے یہ درخواست کرتے ہوئے حیا دامن گیر ہوتی ہے۔

رسول خدا ﷺ نے اُم ایمن سے فرمایا: جاؤ اور علیؓ کو بلا لاؤ۔  
اُم ایمن باہر آئیں تو علیؓ کو اپنا مختصر پایا۔ پھر علیؓ مولانا رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول خدا نے فرمایا: اے علیؓ! کوئی مکان تلاش کرو، تاکہ قاطمہؓ کی ڈولی کو وہاں لے جایا جائے۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حارثہ بن نعمان کے گھر کے علاوہ تو کوئی اور مکان موجود نہیں ہے۔

رسول خدا نے فرمایا: ہمیں حارثہ سے مکان طلب کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بہت سے مکانات تو اس وقت ہمارے ہی تصرف میں ہیں۔

آنحضرتؐ کی یہ گفتگو حارثہ تک پہنچی تو وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ذات اور میرا تمام مال اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہے۔ آپؐ میرے جتنے بھی مکان لینا چاہیں خوشی سے لے لیں۔

رسول خدا نے اس کے حق میں دُعا خیر فرمائی۔

شادی گھر کو سجایا گیا۔ سب سے پہلے گھر میں ریت بچھائی گئی اور ایک لکڑی نصب کی گئی، جس پر منگ لٹکائی گئی اور پردے لٹکائے گئے اور کپڑے سنکھانے کے لیے دو لکڑیاں ایک دوسرے کے سامنے لگائی گئیں اور ایک ریشی باندھ دی گئی۔ پھر دُہنے کی کھال بچھا کر اس پر گدا ڈالا گیا اور اس گھر میں حضرت قاطمہؓ زہراؓ کی ڈولی لائی گئی۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ آپؐ شادی کا ولیمہ دیں۔ پھر آپؐ کے

حکم کے تحت آٹا لایا گیا اور ایک ذنبہ ذبح کیا گیا۔ حضرت علیؓ بازار سے کھجوریں اور گھی خرید لائے۔ نبی اکرمؐ نے اپنی قمیص کی آستینوں کو آٹا اور کھجوروں اور گھی کو ملانا شروع کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: اب جسے چاہو ولیمہ پر بلاؤ۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں: میں مسجد میں آیا تو مسجد لوگوں سے کچا کھج بھری ہوئی تھی۔ میں نے کھڑے ہو کر آواز دی: اے لوگو! فاطمہؑ بہت محنت کی شادی کا ولیمہ تیار ہے، اس میں شرکت کرو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: لوگ جوق در جوق اس ولیمہ میں شامل ہوئے۔ حد یہ ہے کہ شہر سے باہر کے افراد جو کہ اپنے کھیتوں اور نخلستانوں میں کام کر رہے تھے وہ بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔ شرکاء کی تعداد چار ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ مدینہ کی خواتین ان کے علاوہ تھیں۔

نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگوائے، اُن میں روٹی اور سالن ڈال کر سب سے پہلے اپنی ازدواج کے پاس روانہ کیے۔ پھر ایک اور برتن میں کھانا ڈال کر فرمایا کہ یہ فاطمہؑ اور اُس کے شوہر کے لیے ہے۔

ابن بابویہ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے بنات عبدالمطلبؑ اور مہاجرین و انصار کی خواتین کو حکم دیا کہ وہ فاطمہؑ زہراؑ کی روانگی کے جلوس میں شریک ہوں اور سر راہ رجز پڑھیں اور خدا کی حمد و ثنا کریں اور ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالیں جس سے خدا ناراض ہوتا ہے۔

جابر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ زہراؑ کو ناقہ پر سوار کیا گیا۔ ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ خاتونِ جنت کو رسولؐ خدا کے ”شہباء“ نامی ٹمچر پر سوار کرایا گیا۔

حضرت سلمانؓ نے سواری کی باگ پکڑی۔ نبی اکرمؐ، حمزہؓ، عقیلؓ، جعفرؓ اور آپؐ کے خاندان کے افراد تلواریں نگلی کر کے جلوس میں پیچھے پیچھے چلے۔

آزواجِ رسولؐ لہن کی سواری سے آگے چلیں اور انھوں نے رجز پڑھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ رجز پڑھے:

سَمَن بَعُونَ اللّٰهَ جَارَاتٍ      وَاشْكُرْنَهُ فِي كُلِّ حَالَاتٍ  
وَاذْكُرْنَ مَا اَنْهَمُ رَبُّ الْعَالِي      مِنْ كَشْفِ مَكْرُوهٍ وَ آفَاتٍ  
فَقَدْ هَدَانَا بَعْدَ كُفْرٍ وَقَدْ      اَنْعَشَنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ  
وَسَمَنَ مَعَ خَيْرِ نِسَاءِ الْوَرَثَى      تَغْدَى بِعِبَادَتِ وَخَالَاتِ  
يَابِئَتْ مِنْ فَضْلِهِ ذُو الْعَالِي      بِالْوَحْيِ مِنْهُ وَالرَّسَالَاتِ

”اے میری مسائیما اللہ کی مدد سے آگے رہو اور تمام حالات میں اُس کا شکر بجالاؤ۔ خدا نے جو مصائب و آفات دُور کیے ہیں تم اُن انعامات کو یاد کرو۔ خدا نے ہمیں کفر کے بعد راہِ ہدایت دی اور آسمانوں کے رب نے ہم پر احسان کیا۔ کائنات کی افضل ترین خاتون کے ساتھ چلو۔ اس پر پھونکھیاں اور خالائیں قربان ہو جائیں۔ یہ اس کی صاحبزادی ہے جسے دینی اور رسالت کے ذریعے سے خداوند نے کائنات پر فضیلت دی ہے۔“

اس پر سرتِ موقع پر حضرت عائشہ نے یہ رجز پڑھا:

يَا نِسْوَةَ اسْتَتِرْنَ بِالْمَعَاوِرِ      وَاذْكُرْنَ مَا يَحْسَنُ فِي الْمَحَاضِرِ  
وَاذْكُرْنَ رَبَّ النَّاسِ اِذْ يَخْصُنَا      بِدِينِهِ مَعَ كُلِّ عَبْدٍ شَاكِرٍ  
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى اِفْضَالِهِ      وَاشْكُرِ لِلّٰهِ الْعَزِيزِ الْقَادِرِ  
سَمَنَ بِهَا فَاللّٰهُ اَعْطَى ذِكْرَهَا      وَخَصَّهَا مِنْهُ بِطَهَرٍ طَاهِرٍ

”اے بیویا پردے کی اوٹ میں رہو اور وہ چیز بیان کرو جو محافل میں بھلی لگتی ہو۔ لوگوں کے رب کو یاد کرو، اُس نے ہمیں ہر شکر گزار بندے کے ساتھ اپنے دین کے لیے مخصوص کیا۔“

اللہ کے احسانات پر اس کی حمد ہے اور غالب و قادرِ خدا کا شکر ہے۔ تم ہاں کے ساتھ چلتی رہو۔ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور اسے پاک و پاکیزہ شوہر کے لیے مخصوص کیا ہے۔“

اس خوشی کے موقع پر حضرت حفصہ بھی کسی سے پیچھے نہ رہی تھیں، انھوں نے یہ رجز پڑھا:

فاطمة خیر نساء البشر ومن لها وجه كوجه القمر  
 فضلك الله على كل الورى بفضل من بآی الزمر  
 زوجك الله مفتی فاضلا اعنى عليا خیر من فی الحضرا  
 فسران جارائی بها فانها كریمة بنت عظیم الخطر

”فاطمہ زہرا تمام نساء العالمین سے افضل و برتر ہیں۔ ان کا چہرہ چاند کی طرح دیکتا ہے، خدا نے تجھے تمام جہان پر فضیلت دی ہے اور آیاتِ دمر کے ساتھ تجھے مخصوص کیا ہے۔ اللہ نے حیری شادی فاضل جو ان سے کی ہے۔ اس سے میری مراد علیؑ ہے، جو تمام موجود افراد سے افضل و اہل ہے۔ میری سہیلیاں ان کے ساتھ آگے بڑھتی رہو، وہ کریمہ خاتون ہے اور عظیم القدر انسان کی صاحبزادی ہے۔“

اس موقع پر سہیلین معاذ کی والدہ بی بی معاذہ نے یہ رجز پڑھے تھے:

اقول قولا فيه ما فيه واذكر الخیر والبریه  
 محمد خیر بنی آدم ما فيه کبر ولایتہ  
 بفضل عرفنا رشدنا فالله بالخیر یجازیه  
 ونحن مع بنت نبی الهدی ذی شرف قد کفنت فیہ  
 فی ذرۃ شافحة اصلها فما ادئی شیئا یدانیہ

”میں حق و حقیقت کہہ رہی ہوں، میں بھلائی کو یاد کرتی اور اسے ظاہر کرتی ہوں۔ محمدؐ نسلِ آدمؑ سے بہتر ہیں، ان میں کوئی تکبر اور بڑائی نہیں ہے۔ اُس کی فضیلت کی برکت سے ہمیں سیدھا راستہ ملا۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جزا دے گا اور ہم بغیر ہدایت کی صاحبزادی کے ساتھ ہیں، جس میں ہر طرح کا شرف پایا جاتا ہے۔ اس کا تعلق بلند و بالا جز سے ہے۔ مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی جو اس کے مساوی ہو۔“

شادی میں شریک خواتین جب رجز کے پہلے فقرے کو ذہرائیں تو تکبیر کہتی تھیں۔

الغرض اس شان و شوکت سے زہرا بچول بچھٹا کی بات چلی، یہاں تک کہ دولہا کے گھر ڈولی پہنچ گئی۔

رسول اکرم ﷺ نے دولہا علیؑ کو بلایا۔ جب آپؐ قریب ہوئے تو حضورؐ نے اپنی صاحبزادی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: اللہ اس گھرانے کو برکت دے۔ پھر فرمایا: اے علیؑ! فاطمہؑ تمہاری بہترین زوجہ ہے۔ پھر حضرت سیدہ زہراؑ کی طرف رخ انور کر کے فرمایا: فاطمہؑ علیؑ تمہارے بہترین شوہر ہیں۔

بعد ازاں آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! فاطمہؑ تمہارے پاس میری امانت ہے۔ پھر آپؐ نے دعا مانگی اور اللہ رب العالمین سے درخواست کی:

”پروردگار! ان کے خاندان کو جمع رکھنا اور ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کرنا اور ان دونوں اور اُن کی نسلوں کو جنت النعیم کے داروں میں سے قرار دے۔ اُنھیں با برکت اور طیب و طاہر اولاد نصیب فرما اور ان کی ذریت میں برکت کا نزول فرما اور اُنھیں ایسا امام بنا جو تیرے فرمان کے مطابق تیری ہی اطاعت کی ہدایت دیتے ہیں اور ایسی چیزوں کا حکم دیتے ہیں جن میں تیری رضا مضمحل ہوتی ہے۔

خدا یا! یہ دونوں پوری مخلوق میں سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور اپنی طرف سے ان پر نگہبان مقرر فرما اور میں ان دونوں اور اُن کی نسل کو شر شیطان سے بچانے کے لیے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر آپؐ دروازے سے باہر تشریف لائے اور یہ کہہ رہے تھے:

خاتم دونوں کو اور تمہاری نسل کو طاہر رکھے۔ جو تم سے صلح رکھے گا میری بھی اُس سے صلح ہے اور جو تم دونوں سے جنگ کرے گا میری بھی اُس سے جنگ ہے۔ میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اُسے تمہارا محافظ قرار دیتا ہوں۔“

حضرت اسماء بنت عمیس نے وہ رات علیؑ و بتولؑ کے گھر میں گزاری۔ صبح ہوئی تو آنحضرتؐ زوجین کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور آپؐ نے اُن پر سلام کیا۔ حضرت اسماء نے دروازہ کھولا اور آپؐ گھر میں تشریف لائے اور حضرت علیؑ سے پوچھا: اے علیؑ! آپؐ نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا؟

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اطاعت الہی میں انہیں اچھا مدگار پایا۔ پھر آپؐ نے حضرت سیدہؓ سے پوچھا: زہراؑ! تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ بی بیؑ نے عرض کیا: میں نے انہیں اچھا خاوند پایا۔

آنحضرتؐ ﷺ اپنے ساتھ دودھ کا ایک پیالہ لائے تھے۔ آپؐ نے حضرت سیدہؓ سے فرمایا: حیرا! باپ تجھ پر قربان، اس میں سے کچھ دودھ پی لو۔ جب بی بیؑ نے دودھ پی لیا تو رسول خداؐ نے وہی پیالہ حضرت علیؑ کے سپرد کیا اور فرمایا: حیرا! ابن عم تجھ پر قربان، باقی دودھ آپؐ پی لیں۔ پھر حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: پانی کا ایک پیالہ لاؤ۔

حضرت علیؑ پانی کا پیالہ لائے۔ آپؐ نے اس میں تین بار اپنا لعاب و دہن شامل فرمایا اور کچھ قرآنی آیات کی تلاوت کر کے اس پر دم کیا اور فرمایا: اے علیؑ! اسے پی لو، مگر کچھ حصہ اس میں سے بچاؤ۔

حضرت علیؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آنحضرتؐ نے وہ بچا ہوا پانی اٹھایا اور حضرت علیؑ کے سر اور سینہ پر چھڑک دیا۔ پھر فرمایا: اے علیؑ! اللہ تم سے ہر جس کو دور رکھے اور تمہیں ایسی طہارت دے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔

بعد ازاں آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: آپؐ کچھ دیر کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔ حضرت علیؑ باہر چلے گئے تو آپؐ نے سیدہؓ سے تنہائی میں کہا: بیٹی! آپؐ کیسی ہیں اور آپؐ نے اپنے شوہر کو کیسا پایا ہے؟

حضرت سیدہؓ نے عرض کیا: بابا جان! میں نے انہیں بہترین شوہر پایا ہے، لیکن کل کچھ زنانہ قریش مجھے ملنے آئی تھیں، انہوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپؐ کے والد نے آپؐ کو



ایک مفلس انسان سے بھلا ہے جس کے پاس دولت نہیں ہے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! نہ تو حیرا والد مفلس ہے اور نہ ہی حیرا خاوند مفلس ہے۔ میرے سامنے زمین کے سونے چاندی کے ذخائر پیش کیے گئے، میں نے انھیں ٹھکرا دیا اور میں نے اس اجر کا انتخاب کیا جو خدا کے ہاں موجود ہے۔

پیاری بیٹی! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر آپ بھی وہ جان لیتیں تو آپ کی نظر میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی۔

پیاری بیٹی! میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں کی، میں نے تمہیں اس شخص سے بھلا ہے جو اوّل المسلمین ہے اور جو سب سے بڑا عالم ہے اور جو سب سے زیادہ بردبار ہے۔ پیاری بیٹی! اللہ نے روئے زمین پر نگاہ کی تو دو افراد کا انتخاب کیا، ان میں سے ایک کو حیرا والد بنایا اور دوسرے کو حیرا شوہر بنایا۔

پیاری بیٹی! تمہارا شوہر بہترین شوہر ہے، اس کے کسی بھی فرمان کی نافرمانی نہ کرنا۔  
(اقتباس از بحار الانوار، جلد دہم)



## حضرت علیؓ اور جہاد

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ  
الْجَنَّةَ يَنْقَلِبُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ  
”یقیناً اللہ نے جنت کے عوض اہل ایمان سے ان کی جانوں اور ان کے  
اموال کو خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جگ کرتے ہیں اور قتل کرتے  
ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔“ (سورہ توبہ: آیت ۱۱۱)

اسلام وہ واحد دین ہے جو کہ امن و سلامتی کا محافظ ہے۔ وہ دیگر ادیان کی بہ نسبت  
لوگوں کے جان و مال اور حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے خون کو ناحق بہانا اور اُن  
سے زندگی کی نعمت چھیننا اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ترین عمل ہے۔ البتہ اگر کوئی بد بخت  
انسانی سعادت کے راستے کو روکنے پر ہند ہو تو پھر اسلام ایسے شخص کے خون بہانے کو جائز  
قرار دیتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی شہر میں عطف پہاریاں پانی جا میں جن سے لوگوں کی  
جان کو خطرہ ہو اور ایک طبیب خدا ترسی کرتے ہوئے اُس شہر میں آجائے اور لوگوں کو مفت دوا  
فراہم کرنے لگے اور لوگ اس کی دوا سے صحت یاب ہو رہے ہوں۔

پھر کچھ اشرار کا گروہ نمودار ہو، جو محتاج کو علاج سے منع کرے اور اس سے جگ  
شروع کر دے اور طبیب انھیں سمجھائے کہ تم لوگ اپنی حرکات سے باز آ جاؤ میں تو یہاں کے  
عوام میں صحت و عافیت تقسیم کر رہا ہوں۔ میری تو کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تمہارے

شہر کو بیماری سے پاک کرنا چاہتا ہوں۔

مگر آشراہ کا گروہ دھمکیوں پر اتر آئے اور شفا حاصل کرنے کے لیے جو لوگ معالج کے پاس جانا چاہتے ہوں اُن سے لڑائی پر آمادہ ہو جائے اور وہ گروہ لوگوں کی صحت و سلامتی دیکھ کر کسی قیمت پر راضی نہ ہو تو قتل کا فیصلہ بھی ہے کہ آشراہ کے اس گروہ کو نابود کر دیا جائے۔ اس وقت کا جاہلی ماحول بیماری میں مبتلا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کا طبیب مقرر کیا تھا۔ مکہ کے آشراہ نے طبیب سے اتنی بدسلوکی کی کہ انھیں مکہ سے ہجرت کرنا پڑی تھی۔

ان لوگوں نے خدا کے مقرر کردہ طبیب کو مکہ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن خدا نے اُن کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ آپؐ نے اپنی جنم دھرتی کو چھوڑ دیا تاکہ دعوتِ اسلام کو جاری رکھا جاسکے لیکن دشمنوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور آپؐ کی زندگی کے چراغ کو گل کرنے کے منصوبے بنائے اور اس کے لیے باقاعدہ جتھہ بندی کی گئی اور اُن کا اوّل و آخر ہدف یہ تھا کہ آنحضرتؐ اور اُن کے پیروکاروں کا دنیا سے خاتمہ کر دیا جائے۔

ان حالات میں رسولؐ خدا کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ آپؐ اپنے دوستوں کو جمع کر کے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔

آپؐ کے دوستوں میں مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے انصار تھے۔ ان میں بوڑھے، پختہ عمر اور جوان ہر طرح کے افراد تھے اور ان سب میں ایک چیز مشترک تھی اور وہ اسلام کی محبت تھی۔ اور ان کے پاس مادی ہتھیار کم تھے جب کہ وہ ایمان کے ہتھیاروں سے مکمل طور پر مسلح تھے، لیکن ابھی تک زندگی سے پیار ان کے دلوں میں موجود تھا لہذا موت کی گھاٹی میں اترنا اُن کے لیے انتہائی مشکل تھا اور تیروں اور تلواروں کے سامنے اپنے سینوں اور گردنوں کو پیش کرنا انھیں فی الحال دشوار دکھائی دیتا تھا کیونکہ وہ مکمل آنکھوں سے یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ جب کہ دشمن کی افرادی قوت بھی زیادہ ہے اور وہ ہتھیاروں سے بھی پوری طرح مسلح ہیں۔

مسلمانوں کی کفار سے باقاعدہ پہلی جنگ بدر میں ہوئی تھی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے

درمیان ہے۔ رسول اکرمؐ اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچے۔ ادھر سے مکہ کے مشرکین کی فوج بھی وہاں آگئی۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ جب کہ مشرکین کی تعداد نو سو یا ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اس جنگ میں ابو جہل جیسے سرکردہ افراد بھی شامل تھے اور انھیں اپنی قوت بازو پر یقین تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ انھیں ہی کامیابی حاصل ہوگی، لیکن خدا کا ارادہ کچھ اور تھا۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ کئی بار چھوٹے گردہ اللہ کے حکم سے بڑے گردہوں پر غالب آئے ہیں۔ اسلام کی اس پہلی جنگ میں حضرت علیؑ نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ آپؑ نے کفار کے بہادروں کو بچاڑا اور ان کے دلیروں کو قتل کیا۔

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ حضرت علیؑ خون بہانے کے عادی تھے۔ اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا خدا پر پورا یقین تھا اور انھوں نے تمام غرائز کو بس پشت ڈال کر موت کی وادی میں قدم رکھا تھا۔ اس وقت آپؑ کی عمر قریباً چوبیس برس کی تھی اور اس عمر کا شخص بھرپور جوان ہوتا ہے۔ فطری طور پر جوان کی زندگی سے زیادہ محبت ہوتی ہے، جب کہ پختہ عمر کا شخص زندگی سے کچھ زیادہ پیار نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود دنیا نے دیکھا کہ علیؑ خوف سے بالکل نا آشنا ہیں اور بزدلی کبھی اُن کے قریب سے بھی نہیں گزری اور وہ سینہ تان کر موت کا استقبال کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آپؑ نے جنگ میں دشمن کی طرف یوں پیش قدمی کی جیسا کہ اپنی کسی پسندیدہ چیز کو تلاش کرنے چلے ہوں۔ آپؑ نے شجاعت و حمیت کا وہ مظاہرہ کیا کہ تمام مورخین (بشمول مسلم و غیر مسلم) کو یہ کہنا پڑا کہ عرب و عجم میں علیؑ سے بڑا بہادر کوئی نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں جو غزوات واقع ہوئی تھیں یہ اس کا ایک نمونہ تھا۔ تمام غزوات میں حضرت علیؑ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آپؑ دشمن کے تیر اور نیزوں سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ کا پورا جسم دشمنوں سے پھر پھر ہو جاتا تھا۔ پھر بھی آپؑ جنگ جاری رکھتے تھے۔ اگر خدا کی حفاظت آپؑ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان غزوات میں آپؑ کی شہادت یقینی تھی۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: جہاں تک جہاد فی سبیل اللہ کا تعلق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جہاد کو دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں اور سب یہ مانتے ہیں کہ آپؑ سید الجاہدین تھے۔ کیا عہد پیغمبرؐ میں آپؑ سے بڑھ کر کسی اور نے جہاد کیا تھا؟

آپؑ جانتے ہیں کہ بدر کبرئیل کی جنگ انتہائی فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس جنگ میں مشرک قتل ہوئے۔ مقتولین کی نصف تعداد کو حضرت علیؑ نے حین عہد قتل کیا تھا اور باقی آدمی تعداد کو تمام مجاہدین اور ملائکہ نے مل کر قتل کیا تھا۔

جب آپؑ مغازی واقدی اور یحییٰ بن جابر بلاذری کی تاریخ الاشراف کا مطالعہ کریں گے تو ہمارے بیان کی صحت آپؑ کے سامنے واضح ہو جائے گی۔ بدر کے علاوہ جنگ احد، خندق، خیبر و یتیم میں بھی آپؑ نے جان پر کھیل کر اسلام کی عزت کا تحفظ کیا تھا۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ غزوات نبویؐ میں حضرت علیؑ کے کردار کا جائزہ لیں

گے۔



## حضرت علیؑ اور جنگ بدر

بحار الانوار کی جلد ششم میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے: جب حضرت رسول خدا مقام بدر پر پہنچے تو اس وقت رات ہو چکی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو پانی لانے کا حکم دیا۔ رات بہت سرد تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ تاریک رات تھی۔ حضرت علیؑ مکہ لے کر کنوئیں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کوئی ڈول موجود نہ تھا۔ مجبوراً آپؐ کو کنوئیں میں اترنا پڑا۔ آپؐ نے کنوئیں میں اتر کر مکہ بھری اور لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ اپنے لشکر کی طرف آرہے تھے کہ شدید جھکڑ چلا۔ آپؐ بیٹھ گئے۔ جب وہ گردوباد ختم ہوا تو آپؐ چل پڑے۔ پھر دوسری بار اسی طرح کا گردوباد آیا۔ اس بار بھی آپؐ بیٹھ گئے۔ جب گردوباد ختم ہوا تو آپؐ چل پڑے۔ پھر تیسری بار اسی طرح کا گردوباد آیا۔ آپؐ بیٹھ گئے۔ گردوباد گزرنے کے بعد آپؐ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے آپؐ سے فرمایا: اے علیؑ! آپؐ نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ حضرت علیؑ نے تین بار گردوباد کا ذکر کیا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جانتے ہو وہ کیا چیز تھی؟ حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپؐ کی زبان سے سننے کا خواہش مند ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: پہلے گردوباد میں جبریلؑ تھے جو ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آرہے تھے۔ انھوں نے آپؐ کو سلام کیا تھا۔ پھر دوسرے گردوباد میں میکائیلؑ تھے ان کے ساتھ بھی ایک ہزار فرشتے تھے۔ ان سب نے آپؐ کو سلام کیا۔

تیسرے گردوباد میں اسرائیلؑ تھے ان کے ساتھ ایک ہزار ملائکہ کا لشکر تھا ان سب ملائکہ نے آپؐ کو سلام کیا تھا۔

امیر المومنین علیؑ پر اس رات تین ہزار فرشتوں نے سلام کیا تھا، جن کی قیادت تین عظیم القدر فرشتے کر رہے تھے۔ اسی واقعہ کے متعلق سید حمیری نے یہ نظم لکھی تھی:

اقسم	باللہ	والآلہ	والبرء	عما قال	مستول
ان	علی بن	ابی طالب	علی التقی	والبر	مجبول
کان	اذا الحرب	مرتها	القنا	واحجت	عنها البہالیل
یشی	الی القرن	وفی کئہ	ابیض	ماضی الحد	مصول
مشیة	العفرنا	بین اشبالہ	ابرزہ	للقنص	الفیل
ذاک	الذی سلم	فی لیلة	علیہ	میکائیل	وجبرئیل
میکال	فی الف	وجبرئیل	فی	الف	دئیلوہم سرافیل
لیلة	بدر	مددا	انزلوا	کانہم	طیرا ابابیل

”میں خدا اور اُس کی جملہ نعمات کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور ہر شخص اپنی گفتگو کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔ یقیناً علیؑ ابن ابی طالبؑ کی تخلیق نیکی اور تقویٰ پر ہوئی ہے۔

علیؑ وہ ہے جس پر میکائیل اور جبرئیلؑ نے ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ سلام کیا تھا۔ میکائیلؑ کے ساتھ ایک ہزار فرشتے تھے اور جبرئیلؑ کے ساتھ ایک ہزار فرشتے تھے اور اُن کے پیچھے اسرائیلؑ بدر کی رات اسلام کی مدد کے لیے نازل ہوئے تھے گویا کہ وہ ابابیل پرندے ہوں۔“

الغرض صبح ہوئی تو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آسنے سانسے آئیں۔ سب سے پہلے حقہ اور اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید میدان میں آئے اور انھوں نے کہا: حمرا ہمارے مقابلے پر قریش کے ہم گھو افراد بھیج۔

اُن کے مقابلہ میں تین انصاری جوان گئے، انھوں نے کہا کہ پہلے اپنا حسب نسب بیان کرو۔ انصاری جوانوں نے اپنا نسب بیان کیا تو انھوں نے کہا: ہم تم سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا مقابلہ قریش کے افراد سے ہی ہوگا۔

رسول خدا نے عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی طرف دیکھا۔ اس وقت اُن کی عمر ستر برس کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: عبیدہ اتم اُٹھو۔ حکم نبوی سنا تو عبیدہ تلوار لے کر اُٹھے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے چچا حمزہؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا: چچا! آپؐ بھی اُٹھیں۔ حضرت حمزہؓ کھڑے ہوئے۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا۔ اس وقت آپؐ سب سے کم سن تھے اور فرمایا: علیؓ اتم اُٹھو۔ علیؓ اُٹھے۔

رسول خدا نے فرمایا: تم میدان میں جاؤ اور قریش سے اپنے حق کا مطالبہ کرو جو خدا نے تمہیں عطا کیا ہے۔ آج قریش پورے نکبر اور غرور کے ساتھ خدا کے نور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں، جب کہ اللہ ہر قیمت پر اپنے نور کو کھل کرے گا۔

اسلام کے تینوں سربراہ اُٹھے۔ رسول خدا نے عبیدہ سے فرمایا: تم عتبہ بن ربیعہ کا مقابلہ کرو۔ آپؐ نے حضرت حمزہؓ سے فرمایا: آپؐ شیبہ کا مقابلہ کریں۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: تم ولید کے مقابلے پر جاؤ۔ الغرض یہ تینوں مجاہدین کفار قریش کے سامنے آئے۔

قریش کے پہلوانوں نے کہا: اب ہم خوشی سے جنگ کریں گے، مقابلے کے افراد سامنے آئے ہیں۔ عبیدہ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اُس کے سر پر دار کیا۔ تلوار اُس کی کھوپڑی سے ٹکرائی اور اُس کی کھوپڑی پھٹ گئی۔ عتبہ نے گرتے گرتے عبیدہ کی پٹلی پر تلوار ماری تو ان کا پاؤں کٹ گیا۔ دونوں زمین پر گر گئے۔

اتنے میں شیبہ نے حضرت حمزہؓ پر حملہ کیا اور دونوں کے درمیان خوب تلواریں چلیں، یہاں تک کہ دونوں کی تلواریں کند ہو گئیں۔

امیر المومنینؑ نے ولید پر حملہ کیا۔ آپؐ نے اس کے شانے پر تلوار کا دار کیا اور اُس کی بنفل سے تلوار نکالی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ولید نے بائیں ہاتھ سے مجھ پر حملہ کیا، مجھے یوں لگا جیسا کہ آسمان میرے سر پر آکر ٹوٹا ہو۔ پھر حمزہؓ اور شیبہ کے درمیان دست بہ دست لڑائی ہونے لگی۔

مسلمانوں نے کہا: علیؓ اویسکودہ کتا تیرے چچا پر حملہ آور ہے۔

آپؐ آگے بڑھے اور حضرت حمزہؓ سے کہا: چچا! آپؐ اپنا سر جھکا لیں۔ حمزہؓ کا قد بلند



تھا، اسی لیے ان کا سر شیبہ کے اوپر تھا۔ حمزہؑ نے اپنا سر شیبہ کے سینے کے نیچے کیا اور حضرت علیؑ نے شیبہ پر وار کیا اور اُس کے دو حصے کر دیے۔

پھر آپؐ عقبہ کے پاس آئے ابھی اس میں رَمَقِ جان باقی تھی۔ آپؐ نے اُسے قید حیات سے نجات دلائی۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حمزہؑ عقبہ کے مقابلے میں گئے اور عبیدہ شیبہ کے مقابلے میں اور علیؑ ولید کے مقابلے میں گئے۔ عبیدہ نے شیبہ کو اور علیؑ نے ولید کو قتل کیا۔ شیبہ نے عبیدہ کی ٹانگ پر تلوار ماری جس سے ان کی ٹانگ کٹ گئی۔ حضرت حمزہؑ اور حضرت علیؑ نے انھیں اس سے چمڑایا اور انھیں اٹھا کر رسول اکرم ﷺ کے پاس لائے۔ عبیدہ رو پڑے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: آپؐ میرے اہل بیت کے پہلے شہید ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اگر آج آپؐ کے چچا زندہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ہم نے ان کے کہنے پر پورا عمل کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: آپؐ کا اشارہ میرے کس چچا کی طرف ہے؟

عبیدہ نے کہا کہ میرا اشارہ حضرت ابوطالبؑ کی طرف ہے، جنھوں نے یہ کہا تھا:

كذبتُم وبيت الله يبيزى محمد      ولما نطاعن دونه ونناضل  
ونسلبه حتى نصرم حوله      ونذهل عن ابنائنا والحلائل

”بيت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے کہ محمدؐ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا

جائے گا حالانکہ ہم نے اُن کے سامنے ابھی تک نیزے چلائے اور نہ ہی

ہم نے تلوار اٹھائی ہے۔ جب تک محمدؐ کے گرد ہماری لاشیں نہ گریں اور

ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو فراموش نہ کریں، تب تک ہم اسے دشمنوں

کے حوالے نہیں کریں گے۔“

رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا آپؐ نہیں دیکھتے کہ ان کا ایک فرزند خدا و رسولؐ کے سامنے

ایک شیر کے مانند جنگ کر رہا ہے جب کہ ان کا دوسرا فرزند حبشہ کی سرزمین پر دوا و جہاد میں

جہاد کر رہا ہے۔

عبیدہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اس حالت میں آپ مجھ پر ناراض ہیں؟  
آنحضرتؐ نے فرمایا: میں آپ پر ناراض نہیں ہوں لیکن آج مجھے میرا بچا یاد آیا ہے  
جس کی وجہ سے میں مغموم ہو گیا ہوں۔  
جنگ بدر میں ستر مشرکین قتل ہوئے، اُن میں سے ستائیس کفار کو حضرت علیؑ نے تنہا  
قتل کیا تھا۔ اس جنگ میں ستر کافر قتل ہوئے۔

اس واقعہ کا ایک اور بیان

جب اسلام کے یہ تینوں جابجا مشرکین مکہ کی مبارز طلبی کے جواب میں اُن کے سامنے  
گئے تو عتبہ نے چیخ کر کہا کہ پہلے اپنا تعارف کراؤ۔  
مجاہدین اسلام نے اپنے تعارف کرایا۔ حضرت عبیدہ نے کہا: میں عبیدہ بن حارث بن  
عبد المطلب ہوں۔

عتبہ نے کہا: واقعی ایک عظیم انسان مد مقابل ہوا ہے۔  
پھر حضرت حمزہؓ نے فرمایا: میں اللہ اور اُس کے رسول کا شیر اور صاحبِ حلفاء و حمزہ  
ہوں۔

عتبہ نے کہا: آج ہم اللہ اور اُس کے رسول کے شیر کا حملہ دیکھیں گے کہ وہ ہمارے  
سامنے کیسے لڑتا ہے؟ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ آج تیرا مقابلہ مطمئن کے شیر سے ہے۔  
پھر اس نے حضرت علیؑ سے کہا: آپ اپنا نام و نسب بیان کرو۔  
آپؑ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس کے رسول کا بھائی ہوں۔ میں علیؑ ابن  
ابی طالب ہوں۔

عتبہ نے ولید سے کہا کہ اس جوان پر حملہ کرو۔ ولید حملہ کے لیے آگے بڑھا۔ اس کا سر  
منڈا ہوا تھا اور اس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی اور اُس کے ہاتھوں میں تلوار تھی۔  
حضرت علیؑ یدایم فرماتے ہیں: ولید کا قد مجھ سے ایک ہاتھ بلند تھا۔ میں نے اس کے

اس ہاتھ پر تلوار ماری، جس میں اُس نے تلوار پکڑ رکھی تھی۔ اس کا ہاتھ کٹ کر دُور جاگرا اور اس کے ساتھ اُس کی تلوار بھی گر گئی۔ ولید نے زوردار چخ بلندگی جسے دونوں لشکروں نے سنا اور وہ بھاگ کر اپنے باپ کے پاس آیا۔ اس وقت میں نے اس کی ران پر ضرب ماری وہ زمین پر گرا اور میں نے اس کی زعمگی کا چراغ گل کر دیا۔

پھر حضرتؑ نے یہ رجز پڑھا:

انا بن ذی الحوضین عبد المطلب والہاشم المظعم فی السغب او  
فی ببیشاقی واحی من حسب

”میں عبد المطلب کا فرزند ہوں جو کہ دو حوض رکھتے تھے اور میں ہاشم کا فرزند ہوں۔ میں نے قحط سالی میں لوگوں کو کھانا کھلایا تھا۔ میں اپنے بیٹاق کو پورا کرتا ہوں اور اپنے شرف کا دفاع کرتا ہوں۔“

معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ اپنے باپ بھائی اور چچا کو ہمیشہ یاد کرتی تھی اور یہ اشعار پڑھا کرتی تھی:

ابی دھمی وشقیق بکری اخی الذی کانوا کفؤ البدر  
بہم کسرات یاعلی ظہری

”میرا باپ، چچا اور بھائی چودھویں کے چاند کی روشنی کے مانند تھے۔ علیؑ! تو نے انھیں قتل کر کے میری کمر کو توڑ دیا ہے۔“

جنگ بدر میں علیؑ کے ہاتھوں سے قتل ہونے والوں کے نام

فتح مفیدؒ نے اپنی کتاب ”ارشاد“ میں لکھا ہے کہ علمائے عامہ و خاصہ نے ان مشرکین کے نام لکھے ہیں جنہیں امیر المومنینؑ نے اپنی تلوار سے دوزخ پہنچایا تھا:

آپؑ نے سب سے پہلے ولید کو قتل کیا۔ وہ مکہ کا اجتہائی دلیر شخص تھا۔ بڑے بڑے سورا اُس سے ڈرتے تھے۔

اسی جنگ میں آپؑ نے عاص بن سعید کو قتل کیا۔ یہ اتنا بڑا بہادر تھا کہ نامور دلیر افراد اس کا نام سن کر کانپتے تھے۔

اسی جنگ میں آپؐ نے طحیرہ بن ھدی کو حاصل جہنم کیا۔ وہ گمراہوں کا سربراہ تھا۔  
 اسی جنگ میں آپؐ نے نوفل بن خویلد کو قتل کیا۔ وہ رسول اکرمؐ کا بدترین دشمن  
 تھا اور اہل مکہ اُس کا بڑا احترام کرتے تھے اور اُس کی اطاعت کرتے تھے۔  
 یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت ابوبکر اور طلحہ کو پکڑ کر رشی سے باندھا تھا اور  
 سارا دن باندھے رکھا تھا۔ جب رسولؐ خدا نے سنا کہ نوفل بن خویلد بھی لشکرِ  
 کفار میں موجود ہے تو آپؐ نے خداوندِ عالم سے دُعا کی تھی: ”خدا یا! نوفل  
 بن خویلد سے میری کفایت فرما۔“ آنحضرتؐ کی دُعا قبول ہوئی اور  
 امیرالمومنینؑ نے جنگِ بدر میں اس کا کام تمام کر دیا تھا۔

آپؐ نے زمعہ بن اَسود کو قتل کیا۔ ۵

آپؐ نے عقیل بن اَسود کو قتل کیا۔ ۶

آپؐ نے حارث بن زمعہ کو قتل کیا۔ ۷

آپؐ نے نضر بن حارث بن عبدالدار کو قتل کیا۔ ۸

آپؐ نے عمیر بن عثمان بن کعب بن تیم کو قتل کیا۔ یہ شخص طلحہ بن عبید اللہ کا چچا تھا۔ ۹

آپؐ نے طلحہ بن عبید اللہ کے دو بھائیوں عثمان اور مالک کو قتل کیا۔ ۱۰، ۱۱

آپؐ نے سعود بن ابی امیہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔ ۱۲

آپؐ نے قیس بن فاکہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔ ۱۳

آپؐ نے حذیفہ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔ ۱۴

اس کے علاوہ آپؐ نے ۱۵ ابوقیس بن ولید بن مغیرہ ۱۶ حنظلہ بن ابی سفیان ۱۷ عمرو بن

عزوم ۱۸ ابوالمنذر بن ابی رفاعہ ۱۹ منبہ بن حجاج سبکی ۲۰ حاص بن منبہ ۲۱ علقمہ بن

کلدہ ۲۲ ابوالعاص بن قیس بن عدی ۲۳ معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص ۲۴ لوذان بن

ربیعہ ۲۵ عبداللہ بن منذر بن ابی رفاعہ ۲۶ مسعود بن امیہ بن مغیرہ ۲۷ حاجب بن

سائب بن عویمر ۲۸ اوس بن مغیرہ بن لوذان ۲۹ زید بن ملیس ۳۰ عامر بن ابی عوف

۳۱ سعید بن وہب یہ بنی عامر کا حلیف تھا۔ ۳۲ معاویہ بن عبدالقیس ۳۳ عبداللہ بن جمیل

بن زہیر بن حارث بن اسد ﴿۳۶﴾ سائب بن مالک ﴿۳۷﴾ ابوالحکم بن اُغس ﴿۳۸﴾ ہاشم بن ابی امیہ بن مغیرہ کو بھی قتل کیا۔

جنگ بدر میں شیر خدا نے مذکورہ بالا مشرکین کو قتل کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپؐ نے دوسرے مجاہدین کے ساتھ مل کر جن کفار کو دوزخ روانہ کیا ان کی تعداد پوری طرح سے معلوم نہیں ہے۔ (اضافۃ من المعترجم نکلا عن الارشاد، ص ۶۳-۶۴)

### علیؑ اور جنگ بدر

”أحد“ مدینہ کے قریب پہاڑ کے دامن میں واقع جگہ کا نام ہے اور جنگ أحد اسی جگہ واقع ہوئی تھی۔ ابوسفیان جنگ بدر کا انتقام لینے کے لیے ہماری بھرم لٹکر لے کر آیا اور مدینہ کے قریب ”أحد“ کے مقام پر صف آرائی کی۔ رسول خدا ﷺ اپنا مختصر سا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے تشریف لائے۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مد مقابل آئیں۔ آنحضرتؐ نے مشر افراد کو پہاڑ کے دڑے پر کھڑا کیا اور فرمایا: ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے دزدہ خالی نہیں کرنا۔ پھر باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا۔ قریش کا پرچم طلحہ بن ابی العبدری کے ہاتھ میں تھا۔ اس شخص کا تعلق قریش کے ذیلی قبیلہ بنی عبدالدار سے تھا۔ وہ مقابلہ پر آیا اور اس نے آواز دے کر کہا:

اے اصحاب محمدؐ! تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اگر تم ہمیں قتل کر دو تو ہم دوزخی بننے میں اور تم غازی اور مجاہد کہلاتے ہو اور اگر تم ہمارے ہاتھوں سے مارے جاؤ تو تم شہید کہلاتے ہو۔ اب جسے غازی یا شہید بننے کا شوق ہو تو وہ میرے مقابلہ پر آئے۔

حضرت علیؑ اس کے مقابلہ پر روانہ ہوئے اور آپؐ نے اُس کے سامنے یہ رجز پڑھا:

ياطلح ان كنتم كما تقول لكم خيول ولنا نصول

فاثبت لننظر اينما المقتول واينا اولى بها تقول

فقد اتاك الاسد الصوؤل

بصارم ليس به فلول يئصرة القاھر والرسول

”اے طلحہ! جیسا کہ تم کہتے ہو تمہارے پاس گھوڑے ہیں، جب کہ ہم حملہ کرتے ہیں۔ اب اپنے مقام پر رُکے رہو اور دیکھو کہ ہم میں سے کون قتل ہوتا ہے اور تمہاری گفتگو کا زیادہ حق دار کون ہے؟ یقیناً ایک دلیر شیر تیرے سامنا آچکا ہے۔ اور وہ ایسی تلوار لے کر آیا ہے جو کہ کند نہیں ہے اور خدا و رسول اُس کے مددگار ہیں۔“

طلحہ نے کہا: اے جوان! تو کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔

طلحہ نے کہا: اے قہقم! میں جان گیا تیرے علاوہ میرے خلاف کوئی جسارت نہیں کر سکتا۔

یہ کہہ کر طلحہ نے حضرتؐ پر وار کیا جسے آپؐ نے ڈھال سے ناکام بنایا۔ پھر آپؐ نے اُس کی رانوں پر وار کیا اور اُس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ وہ پشت کے بل زمین پر گرا اور اُس کا پرچم بھی گر گیا۔

پھر آپؐ آگے بڑھے کہ اُس کا کام تمام کریں۔ اُس نے آپؐ کو رشتہ داری کا واسطہ دیا۔ آپؐ نے اُسے چھوڑ دیا۔

مسلمانوں نے کہا: یا علیؑ! آپؐ نے اُس کا قصہ ختم کیوں نہیں کیا؟

آپؐ نے فرمایا: میں نے اُسے ایسی ضرب ماری ہے جس کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اس کے بعد کفار کے پرچم کو سعید بن ابی طلحہ نے اٹھایا۔ حضرت علیؑ نے اُسے قتل کیا۔ پرچم پھر زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہ نے پرچم اٹھایا اُسے بھی آپؐ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد حارث بن ابی طلحہ نے اس پرچم کو اٹھایا۔ اُسے بھی حضرت علیؑ نے واصل جہنم کیا۔ پھر عزیٰ بن عثمان نے وہ پرچم اٹھایا۔ اسد اللہ نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حیلہ زہیر نے اس پرچم کو اٹھایا۔ اُسے بھی شیر خدا نے قتل کر دیا اور پرچم زمین پر گر گیا۔ پھر بنی عبدالدار کے لوہی شخص اراطہ بن شریبل نے پرچم اٹھایا۔ اُسے بھی آپؐ نے قتل کر دیا۔

اس کے بعد ان کے غلام صواب نے پرچم اٹھایا۔ حضرت علیؑ نے اس کے دامیں بازو پر حملہ کیا، اُسے کاٹ دیا۔ پرچم گرنے لگا تو اس نے بائیں ہاتھ سے پرچم کو اٹھایا۔ آپؐ نے اس کے بائیں ہاتھ پر حملہ کیا اور اُسے کاٹ دیا تو پرچم زمین پر گرنے لگا۔ اس نے اپنے زخمی اور کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم کو تھاما اور چیخ کر کہا: بنی عبدالدار اتم نے دیکھا ہے کہ میں نے پرچم کی کس طرح سے حفاظت کی ہے؟

حضرت علیؑ نے اس کے سر پر وار کیا اور اُسے قتل کر دیا۔ پرچم زمین پر پڑا۔ عمرہ بنت ملقہ حارثیہ نے پرچم اٹھایا۔ جب مشرکین کے پرچم بردار یکے بعد دیگرے قتل ہوئے تو اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ دژہ کے نگہبانوں کی اکثریت نے دژہ چھوڑ دیا۔

خالد بن ولیدؓ نے دُور جا کر اپنے لشکر کو از سر نو منظم کیا اور لمبا چکر کاٹ کر دژہ سے داخل ہوا۔ وہاں پر جو چند نگہبان موجود تھے انھیں شہید کر دیا اور مسلمانوں کے لشکر پر پوری قوت سے حملہ آور ہوا۔

مسلمان اس اچانک افتاد کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس جنگ میں ستر مسلمان صحابہ شہید ہوئے اور بقیہ السیف افراد نے بھاگنے ہی میں مافیت جانی۔ کچھ جاٹار میدان میں ڈٹے رہے۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ کو بہت زیادہ زخم آئے۔ ایک روایت کے مطابق آپؑ کو نوے زخم لگے۔ (بخاری، جلد ۶)

بخارا لانوار میں شقیق بن سلمہ سے معقول ہے کہ میں حضرت عمر بن الخطاب کے ہمراہ چل رہا تھا۔ میں نے مہمہ کی آواز سنی۔ میں نے کہا: عمر! کیا بات ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا: تجھ پر افسوس، کیا تو دلیر اور بہادر شیر کو نہیں دیکھتا جو کہ درندوں پر حملہ کر رہا ہے اور وہ دو تلواروں اور پرچم لے کر ہربانی اور طافی کے خلاف مصروف جنگ ہے۔ میں متوجہ ہوا تو وہ علیؑ ابن ابی طالبؓ تھے۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا: میرے قریب آؤ میں تجھے اس جہان کی دلیری اور بہادری کے حلق بتاؤں۔

جنگ اُحد سے قبل ہم نے رسول اکرمؐ کی اس شرط پر بیعت کی تھی کہ ہم میدان چھوڑ کر

نہیں بھاگیں گے اور جس نے ہم سے راہ فرار اختیار کیا وہ گمراہ ہوگا اور جو مارا جائے گا وہ شہید ہوگا اور نئی اس کی نجات کے ضامن ہوں گے۔

پھر جنگ میں ہم پر ایک سو دلیروں نے حملہ کیا اور ہر دلیر کے پرچم کے نیچے ایک سو سپاہی تھے۔ انہوں نے ہمیں جنگ سے عاجز کر دیا۔ اس اثناء میں عیسیٰ نے علیؑ کو دیکھا کہ وہ شیر کے مانند تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جب علیؑ نے ہمیں فرار کرتے ہوئے دیکھا تو مٹی بھر خاک اٹھا کر ہمارے چہروں کی طرف پھینکی اور کہا: تمہارے چہرے بگڑ جائیں تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ دوزخ کی طرف جا رہے ہو؟

ہم نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر علیؑ تلوار لے کر ہماری طرف بڑھے۔ اُن کی تلوار سے موت ٹپک رہی تھی!!

انہوں نے کہا: تم نے بیعت کر کے توڑی ہے؟ تم لوگ اس قابل ہو کہ میں تمہیں قتل کروں۔ اُس وقت میں نے اُن کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو یوں دکھائی دیا جیسا کہ دو چراغ جل رہے ہوں یا خون سے بھرے ہوئے دو پیالے ہوں۔ مجھے یوں لگا جیسا کہ وہ اب ہم پر حملہ کر دیں گے۔ میرے باقی دوست چپ رہے۔

میں آگے بڑھا اور ان سے کہا: اے ابوالحسن! اللہ سے ڈریں۔ عربوں کی عادت ہے کہ کبھی وہ دوڑ جاتے ہیں اور کبھی وہ حملہ آور ہوتے ہیں۔ حملہ آوری کی وجہ سے بھاگنے کا داغ اُتر جاتا ہے۔

میرا جواب سنا تو علیؑ خاموش ہو گئے اور لشکرِ کفار کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت کا رُعب ابھی تک میرے دل پر چھایا ہوا ہے۔ اسی جنگ میں ابودجانہ، ساک بن خرشہ اور حضرت علیؑ کے ملاوہ کوئی ثابت قدم نہ رہا۔ جب کوئی گروہ رسولِ خدا پر حملہ کرتا تو حضرت علیؑ آگے بڑھ کر آنحضرتؐ کا دفاع کرتے تھے اور انہیں قتل کرتے اور مار بھگاتے تھے۔ یہاں تک کہ مسلسل جنگ کی وجہ سے اُن کی تلوار ٹوٹ گئی۔

مکرّمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ سے یہ سنا کہ جب مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگے تو مجھے ایسا دکھ ہوا کہ اس سے پہلے اتنا دکھ کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں رسولِ خدا کے



دفاع میں مصروف ہو گیا۔ پھر اچانک میں نے دیکھا تو رحمۃ اللعالمین مجھے دکھائی نہ دیے۔ میں نے اُن کی تلاش شروع کی۔ مجھے یقین تھا کہ آنحضرتؐ نے فرار نہیں کیا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ شاید خدا نے انہیں آسمان کی جانب نہ اٹھالیا ہو۔ اس وقت میں نے تلوار کی نیام توڑ دی اور دل میں کہا کہ اب جب کہ رسولؐ خدا باقی نہیں رہے تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ اب میں جنگ کروں گا، یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔

میں نے گروہ کفار پر سخت حملہ کیا۔ انہوہ چھٹا تو میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا زمین پر بے ہوش پڑے ہیں۔

میں اُن کے سرہانے کھڑا ہوا۔ آپؐ نے آنکھ کھول کر میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے علیؑ! لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟

میں نے عرض کیا: وہ کافر ہو گئے اور بھاگ گئے ہیں اور آپؐ کو حین تھا چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

سننے میں کفار کا ایک گروہ آگے بڑھا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: اے علیؑ! اس گروہ کو مجھ سے ہٹاؤ۔

میں نے اس گروہ پر حملہ کیا اور اپنی تلوار سے دائیں بائیں حملہ کیا، یہاں تک کہ وہ افراد بھاگ نکلے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! کیا آسمان سے آپؐ کی جو تعریف ہو رہی ہے آپؐ اُسے نہیں سنتے؟ رضوان نامی ایک فرشتہ ہے جو یہ عبادے رہا ہے:

لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ وَلَا قَتْلَى إِلَّا عَلِيٌّ

میں نے یہ سنا تو میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپکنے لگے اور میں نے نعمت پروردگار پر خدا کا شکر ادا کیا۔

ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جب لوگ جنگِ احد میں رسول اکرمؐ کو چھوڑ کر بھاگے تو آپؐ سخت غضب ناک ہوئے۔ جب آپؐ کو خبر آتا تو جنین اور چہرے سے موتیوں کی طرح کے قطرے گرتے تھے۔ آپؐ نے نگاہ کی تو اُس وقت

حضرت علیؑ آپ کے پہلو میں کھڑے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: اے علیؑ! تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ گئے؟  
حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیا میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرتا؟ آپؑ کا کردار میرے لیے نمونہ عمل ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اچھا اب مجھے دشمنوں سے بچاؤ۔ حضرت علیؑ نے آنے والے کفار پر زوردار حملے کیے اور سب کو ہٹا دیا۔ اس وقت جبریلؑ امین نازل ہوئے اور انھوں نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا: ”اے ہمدردی اور تمکساری کہا جاتا ہے جو علیؑ بجالا رہا ہے۔“  
رسولؐ خدا نے فرمایا: ایسا کیوں نہ ہو وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔

جبریلؑ نے کہا: میں تم دونوں میں سے ہوں۔

جنگ ختم ہوئی تو حضرت علیؑ مدینہ آئے۔ آپؑ دشمنوں سے مجھد پُور تھے۔ آپؑ نے زخمی حالت میں رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو آنحضرتؐ آپؑ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔  
رسولؐ خدا کو دیکھ کر حضرت علیؑ رونے لگے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؑ نے دیکھا کہ کس طرح سے مجھ سے شہادت چُوک گئی۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو تمہیں بعد میں شہادت ضرور ملے گی۔ (بخاری جلد ۹)

حضرت علیؑ کا بنی نضیر کے واقعہ میں کردار

جب رسول اکرمؐ بنی نضیر کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو بنی حطمہ سے کچھ دُور سنگریزوں کے مقام پر اپنا خیمہ نصب کرایا۔ بنی نضیر کے ایک شخص نے رات کے وقت آپؑ کی طرف تیر پھینکا جو کہ خیمہ پر لگا۔ آنحضرتؐ نے دوسری جگہ خیمہ لگانے کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار پہرا دینے لگے۔

جب اندھیرا چھا گیا تو لوگوں نے محسوس کیا کہ امیر المومنینؑ وہاں موجود نہیں ہیں تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انجانے علیؑ یہاں کیوں دکھائی نہیں دیتے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: علیؑ تمہاری ہی بھلائی کے کسی نہ کسی کام میں گئے ہوں گے۔

چند لمحات گزرے تھے کہ حضرت علیؑ اس یہودی کا حرقم کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس نے آنحضرتؐ پر تیر چلایا تھا۔ اس یہودی کا نام ”عزورا“ تھا۔ پھر آپؐ نے اُس کا سر آنحضرتؐ کے سامنے پھینک دیا۔ نبی اکرمؐ نے پوچھا: آپؐ نے اُس پر کیسے غلبہ پایا؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یہ شخص یہودیوں میں بڑا جری اور بہادر شمار کیا جاتا تھا۔ میں اُس کے لیے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ غیبت کتنا جسارت کرنے والا ہے کہ اُس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا اور اگر اسے مزید مہلت دی تو رات کی تاریکی میں یہ تیروں کی پوچھاڑ کر دے گا۔

کچھ دیر بعد یہ شخص نمودار ہوا اور اس کے ساتھ نو یہودی اور بھی تھے۔ اُس نے نکلے تلوار اٹھا رکھی تھی۔ میں نے اچانک اُس پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔ اس کے باقی ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے قلعے میں نہیں پہنچے ہوں گے۔ ابھی وہ راستے ہی میں ہوں گے۔ آپؐ میرے ساتھ کچھ افراد کو روانہ کریں امید ہے کہ ہم اُن پر فتح یاب ہوں گے۔

رسول اکرمؐ نے آپؐ کے ساتھ دس افراد کو روانہ کیا۔ انھوں نے ان کو قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے جالیا اور انھیں قتل کر کے اُن کے سر آنحضرتؐ کے پاس لے آئے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ان کے سروں کو بنی حطمہ کے کسی کنوئیں میں پھینک دیا جائے۔ یہی واقعہ بنی نضیر کے قلعوں کی فتح کا سبب بنا تھا۔



## حضرت علیؑ اور جنگ خندق

عرب کے مشرکین نے آنحضرت ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا اور وہ عظیم الشان لشکر بنا کر المصیان کی قیادت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جبریل امینؑ نے آنحضرتؐ کو حالات سے آگاہ کیا کہ اب کی بار صرف مکہ کے لوگوں سے آپؐ کا مقابلہ نہیں ہے۔ تمام مشرکین عرب آپؐ سے جنگ پر آمادہ ہیں اور ان کا بہت بڑا لشکر مکہ سے روانہ ہونے والا ہے۔

رسولؐ خدا نے صحابہ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے آپؐ کو مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ آنحضرتؐ نے ان کے مشورہ کو قبول کیا اور مہاجرین و انصار کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کے گرد نیم دائرے کی شکل میں خندق کھودیں۔

الغرض اُدھر خندق مکمل ہوئی اُدھر دشمن ٹڈی دل کی طرح سے مدینہ پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو بن عہود جس کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا اور وہ عرب کا مشہور زمانہ جنگجو تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ تن تھا ایک ہزار افراد سے جنگ کرتا ہے، وہ بھی اس لشکر میں موجود تھا۔

چنانچہ عمرو بن عہود، عکرمہ بن ابی جہل، خرار بن الخطاب، ہبیرہ بن ابی وہب اور نوفل بن عبد اللہ جنگی لباس پہنے ہوئے بنی کنانہ کے گھروں کے پاس سے گزرے اور آواز دے کر کہا: بنی کنانہ! عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہادر سوار کون ہیں؟ پھر وہ گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آگے بڑھے تو انہیں گہری خندق دکھائی دی۔

جب انہوں نے خندق کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ عربوں میں خندق کا رواج نہیں ہے۔ آج سے قبل عربوں نے خندق کھود کر اپنا بچاؤ کبھی نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ایک

نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قاری کی تدبیر ہے جو کہ محمدؐ کے پاس رہتا ہے اور اس کا نام سلمان قاریؓ ہے۔

خندق کی وجہ سے لشکرِ کفار نے خندق سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ عمرو بن عبدود کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ جنگ بدر میں بھی آیا تھا لیکن زخمی ہو گیا تھا۔ کفار اُسے علاج کے لیے کہلے گئے تھے۔ جنگِ احد کے وقت ابھی یہ پوری طرح سے تندرست نہیں ہوا تھا، اسی لیے وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔

پھر جب لشکرِ کفار جنگِ خندق کے لیے کہلے سے روانہ ہوا تو یہ تندرست ہو چکا تھا، اسی لیے وہ لشکر کا پہلوان بن کر مکہ سے روانہ ہوا تھا۔ عمرو بن عبدود کو ”قارس یلیل“ بھی کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ”لیل“ مقامِ بدر کے قریب ایک وادی ہے۔ ایک مرتبہ یہ قریش کے ایک قافلہ کے ہمراہ وہاں سے گزر رہا تھا کہ بنو بکر کے ایک دستہ نے ان کا راستہ روکا۔

اُس نے قریش سے کہا: تم سب چلے جاؤ، میں اکیلا ہی ان سے منٹ لوں گا۔ چنانچہ اُس نے خوب ڈٹ کر بنو بکر کا مقابلہ کیا اور اُنھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی اس دلیری کی وجہ سے قریش نے اسے ”قارس یلیل“ کا لقب دیا تھا اور جہاں خندق کھودی گئی تھی اس جگہ کو ”مداؤ“ کہا جاتا تھا۔

عمرو بن عبدود گھوڑے پر سوار ہوا اور خندق کا چکر لگایا۔ اسے ایک جگہ سے خندق کا عرض چھوٹا محسوس ہوا تو اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خندق پار کر کے مسلمانوں کے سامنے آگیا۔ اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور اس کے گرد چکر لگا کر رجز پڑھنے لگا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ عمرو بن عبدود نے آواز دے کر کہا:

هَلْ مِنْ مُبَارِدٍ "کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے۔"

اس کے زعب و دبدبہ کی وجہ سے کسی کو جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس وقت

حضرت علیؓ اُٹھے، آپؐ نے خود اور زرہ پہنی ہوئی تھی۔ آپؐ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! میں اس کے مقابلہ پر جاؤں گا۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: اے علیؓ! بیٹھ جاؤ۔ عمرو ہے۔

اتنے میں عمرو نے پھر مبارز طلبی کی اور کہا: کیا تمہارے اعدا کوئی مرد موجود نہیں ہے؟  
تمہاری وہ جنت کہاں ہے جس کے متعلق دعویٰ کرتے ہو کہ جو تم میں سے مارا جائے وہ جنت  
میں جائے گا؟ آؤ! میں تمہیں جنت پہنچانا چاہتا ہوں۔ میرے مقابلے پر آؤ۔

اس بار بھی حضرت علیؑ اُٹھے اور کہا: یا رسول اللہ! میں اس کے مقابلہ پر جاؤں گا۔  
رسول اللہ نے اس بار بھی آپؐ کو بٹھا دیا کیونکہ آپؐ کو حضرت فاطمہؑ کا خیال تھا۔  
حضرت سیدۃ جگہ احد کے زخموں کو دیکھ کر روئی تھیں۔

عمرو بن عبدود نے تیسری بار صدا دی اور یہ اشعار پڑھے:

ولقد بُححت من النداء      بجمعكم هل من مبارنا  
ووقفت اذ جبن المشجع      موقف البطل المناجز  
انى كذلك لم ازل      مستمعا نحو الهزاهز  
ان السداقة والشجاعة      فى الفتى خير الفرائز

”میں ہل من مبارنا کی صدا میں دیتے دیتے تھک گیا ہوں، جہاں  
دلیروں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے میں وہاں بھی ڈٹا رہتا ہوں۔ میں پہلے روز  
سے ہی مشکلات کی طرف تیزی سے جانے والا رہا ہوں۔ سخاوت اور  
شجاعت کسی بھی جوانمرد کے لیے بہترین خصلتیں ہیں۔“

اس کی یہ لاف کزاف سن کر حضرت علیؑ اُٹھے اور بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا: یا رسول  
اللہ! میں اس کے مقابلہ پر جاؤں گا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: یہ عمرو ہے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: عمرو ہے تو کیا ہوائیں بھی علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔

حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے اجازت طلبی کی۔ آپؐ نے اجازت دی اور انہیں اپنی  
”ذات المغصول“ نامی زہ پہنائی اور ان کے ہاتھ میں ذوالفقار تھمائی اور اپنا عمامہ سحاب  
حضرت علیؑ کے سر پر باندھا۔ عمامہ کے نو بیج آئے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! آگے  
بڑھو۔ علیؑ آگے بڑھے تو رسول اللہؐ خدا نے دعا مانگی:

”خدا یا! اس کے سامنے سے، پیچھے سے، دائیں، بائیں، بالائے سر اور  
قدموں کے نیچے سے حفاظت فرما۔“

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

بَرَزَ الْإِنْسَانُ كُلَّهُ إِلَى الشَّيْءِ كُلِّهِ  
”آج مکمل ایمان مکمل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔“  
آپ عمرو بن عبدود کے سامنے گئے اور یہ اشعار پڑھے:

لا تعجلن فقد اتاك      مجيب صوتك غيد عاجز  
ذونية      و      بصيرة      والصدق متبى كل فائز  
انى لارجو ان اقيم      عليك نائحة الجنائز  
من ضابط نجلاء يبقی      ذكرها عندا الهزاهز

”جلد بازی نہ کر، حیرتی آواز کا جواب دینے والا آگیا ہے، جو کہ عاجز  
نہیں ہے۔ جو نیت و بصیرت رکھتا ہو ہر کامیاب شخص کی کامیابی کا راز  
سچائی میں مضمر ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ نوہ گرجوڑوں کو حیرتی لاش پر  
کھڑا کروں گا۔ میں ایسی صاف ستھری ضرب چلاؤں گا کہ تمام حوادث  
میں اُس کا ذکر باقی رہے گا۔“

رسول اکرم ﷺ مسلسل دعا میں مصروف رہے اور آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:  
”خدا یا! جنگِ بدر میں تُو نے مجھ سے عیدہ لیا اور جنگِ احد میں تُو نے  
مجھ سے حِزہ لیا، آج کے دن علیؑ کی حفاظت فرما۔ پروردگار! مجھے تنہا نہ  
چھوڑنا، تو ہی بہترین وارث ہے۔“

الغرض اسد اللہ عمرو کے مقابلے پر گئے تو اس ۸۰ سالہ بوڑھے نے کہا: تم کون ہو؟  
حضرت علیؑ نے اپنا تعارف کرایا تو اُس نے کہا: آپؑ واپس لوٹ جائیں۔ آپؑ کا  
والد میرا دوست تھا، اس لیے میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔  
حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔

عمرو بن عہود نے کہا: پیچھا میں حیرے جیسے کریم النسب کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ آپؐ میدان سے واپس چلے جائیں۔ اس میں ہی آپؐ کی سلامتی ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے نیزے میں تجھے پھونک کر اٹھاؤں کہ نہ تو تو آسمان پر دکھائی دے اور نہ ہی زمین پر اور نہ تیرا زعدوں میں شمار ہو اور نہ فردوں میں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے میرے ابنِ عم رسولؐ خدا نے بتایا ہے کہ اگر ٹوٹنے مجھے قتل کر دیا تو میں جنت میں جاؤں گا اور تو ابدی دوزخی بن جائے گا اور اگر میں نے تجھے قتل کر دیا تو پھر تو دوزخ میں جائے گا اور میں جنت میں جاؤں گا۔

عمرو نے کہا: دونوں العام تجھے مبارک ہوں۔ یہ تو بڑی بڑی تقسیم ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: قریش بیان کرتے ہیں کہ تو نے اپنا یہ معمول بنایا ہے کہ جب بھی تجھ سے تین سوال کیے جائیں تو ایک سوال کو ضرور قبول کرتا ہے۔ کیا یہ بات سچ ہے؟ عمرو نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔

مولا علیؑ نے فرمایا: میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور تجھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں۔

عمرو نے کہا: یہ بات مت کہو، اس کے علاوہ کوئی اور بات کہو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ اور اپنی زندگی بچاؤ۔ اگر محمدؐ کو کامیابی ملی تو تم اہل مکہ کی قسمت کھل جائے گی اور تم ان کے وجود پر ناز کرو گے اور اگر وہ (خدا خواستہ) جھوٹے ہوئے تو عرب کے بھیڑیا نما انسان ان سے نمٹ لیں گے۔

عمرو بن عہود نے کہا: یہ ناممکن ہے۔ اگر میں میدان سے چلا گیا تو عرب کی عورتیں مجھے طعنے دیں گی اور شعرائے عرب میری بزدلی پر اشعار کہیں گے اور میری بزدلی کے قصے زبانِ زوہام کریں گے کہ میں میدانِ جنگ سے واپس آ گیا تھا۔ میں ان لوگوں کو کبھی مایوس نہیں کروں گا، جنہوں نے مجھے سالار مقرر کیا ہے۔

مولا علیؑ نے فرمایا: اگر میری مذکورہ شرائط قبول نہیں ہیں تو پھر میری تیسری بات مان لو۔ آؤ مقابلہ کرو لیکن گھوڑے سے اتر کر پیدل ہو کر مقابلہ کرو۔



عمر و نے کہا: یہ آپ نے قابل قبول شرط پیش کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے نیچے اتر اور اس نے اپنے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس نے گھوڑے کے منہ پر تازیانہ مارا وہ بھاگ گیا۔ پھر وہ حضرت علیؑ کی جانب چل پڑا۔ اس نے اپنی تلوار سے حضرتؑ کے سر پر حملہ کیا۔ اس کے وار سے آپؑ کی خود کٹ گئی اور تلوار کا معمولی سا حصہ آپؑ کے سر کو بھی لگا۔

حضرت علیؑ نے اس کے کندھے پر حملہ کیا تو کندھا کٹ کر زمین پر گر گیا۔

دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرتؑ نے اس کی ٹانگوں پر حملہ کیا جس سے وہ زمین پر گرا اور میدان میں غبار چھا گیا۔ علیؑ مولا آگے بڑھے کہ اس دشمن رسولؐ کا سر کاٹ دیں جیسے ہی آپؑ اس کے سینہ پر بیٹھے تو اس نے آپؑ کے چہرہ کی بے ادبی کی اور تھوک دیا۔ اس کی اس گھٹیا حرکت پر آپؑ کو غصہ آیا لیکن آپؑ نے اسے چھوڑ دیا اور میدان میں ٹھٹھنے لگے۔ جب آپؑ کا ذاتی حصہ قلم کیا تو آپؑ آگے بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔

ربیعہ بن مالک اسعدی کا بیان ہے کہ میں حذیفہ بن الیمان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا: اے ابو عبد اللہ! لوگ علیؑ کے فضائل بیان کرتے ہیں اور اس میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ اہل بصیرت ان سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اس شخص (حضرت علیؑ) کے حقائق مبالغہ آرائی کرتے ہو؟ آپؑ مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کریں جسے میں لوگوں کے سامنے بیان کر سکوں۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا: ربیعہ! تو مجھ سے علیؑ کے حقائق کیا پوچھنا چاہتا ہے اور میں علیؑ کے حقائق تجھے کیا بتاؤں؟ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں حذیفہ کی جان ہے، اگر امت محمدؐ کے تمام نیک اعمال بشتہ عمر کے روز سے آج تک کے جملہ اعمال کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور علیؑ کا یوم خندق کا صرف ایک عمل دوسرے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں تو علیؑ کے عمل کا پلہ سب پر بھاری ثابت ہوگا۔

ربیعہ نے کہا: یہ تو ایسی تعریف ہے جو کہ ناقابل بیان ہے، یہ سراسر اسراف پر مبنی ہے۔ حذیفہ نے کہا: اے غبیث انسان! یہ حدیث آخر کیوں ناقابل بیان ہے؟ خندق کے

دن جب عمرو اور اس کے ساتھی خندق عبور کر کے اُعدائے تھے تو اس وقت مسلمان کہاں چلے گئے تھے؟ عمرو کو دیکھ کر سب گھبرا کر کانپنے لگے تھے۔ اس نے مبارز طلبی کی تو سب خاموش رہے، یہاں تک کہ علیؑ اس کے مقابلے پر گئے اور اُسے قتل کیا۔

اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں حذیفہ کی جان ہے، علیؑ کا اس دن کامل اُمت مصطفیٰ کے آج تک، بلکہ قیامت تک کے تمام اعمال سے افضل ہے۔

الغرض حضرت علیؑ عمرو کا سر لے کر رسول خدا کے سامنے آئے۔ نبی اکرمؐ کا چہرہ کھل اُٹھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ نے اُٹھ کر حضرتؑ کے سر کے پوسے لیے۔ حضرت علیؑ کا یہ شعر ہے:

انا علی و ابن عبدالمطلب

الموت خیر للفتی من الہرب

”میں علیؑ فرزند عبدالمطلب ہوں۔ جوان کے لیے میدان میں بھاگنے سے مر جانا بہتر ہے۔“

حضرت عمرؓ نے کہا: آپؑ نے اس کی زہ کیوں نہ اُتاری جب کہ پورے عرب میں اس کی زہ سب سے قیمتی تھی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے اپنے ابن عم کو نکالنے سے شرم محسوس ہوئی تھی۔

ایک اور روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ عمرو کو ذبح کرنے کے لیے اس کے سینہ پر بیٹھے تو اس نے کہا: اے علیؑ! تم عظیم مقام پر بیٹھے ہو۔ جب تم مجھے قتل کر لو تو میرا لباس نہ اُتارنا کیونکہ لباس کا اُتارنا جانا میرے لیے قتل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ جب حضرت علیؑ نے عمرو کو قتل کیا تو مشرکین کو شکست ہوئی اور اُن کی قوت ٹوٹ گئی اور اللہ تعالیٰ نے قتال میں حضرت علیؑ کے ذریعے سے مومنین کی کفایت فرمائی۔

عمرو بن عبدود کے قتل کے بعد حسان بن ثابت نے یہ اشعار کہے تھے۔

امسى الفتی عمرو بن ود یبتغی

بجنوب یثرب غارة لم تنظر

فلقد وجدت سیوفنا مشهورة

ولقد وجدت جیادنا لم تقصر

ولقد رأيت خداة بدر حصبة      ضريوك ضريبا غير ضرب المحضر  
 اصبحت لا تدلني ليوم كراهية      يا عمرو او لجسيم امر منك  
 ”عمرو بن عہدود یثرب کے جنوب میں غیر متوقع غارت کا متلاشی بن کر  
 آیا۔ ٹوٹنے ہماری تلواروں کو مشہور پایا اور ٹوٹنے ہمارے گھوڑوں کو بھی  
 تقصیر سے مبرا پایا۔ ٹوٹنے بدر کی صبح اس گروہ کو بھی دیکھا تھا جنہوں نے  
 تجھے ابھی طرح سے ضرب ماری تھی۔ اے عمرو! اب ہمارے ساتھ  
 لکرانے کے بعد تو مر چکا ہے، اب تجھے کسی جنگ کے لیے اور کسی مشکل  
 کے دور کرنے کے لیے نہیں بلایا جاتا۔“

عمرو کے خاندان بنی عامر کے ایک شاعر نے حسان کے اشعار کا یوں جواب دیا تھا:

كذبتم دبيت الله لم تقتلوننا      ولكن بسيف الهاشميين فافضوا  
 بسيف ابن عبد الله احمد في الوغا      بكف على فلتتم ذاك فاقصروا  
 ولم تقتلوا عمرو بن ود ولا ابنه      ولكنه الكفو الهزبر الغضنفر  
 على الذي في الفخر طال ثناؤنا      فلا تكثروا الا حوى عليه فتفجزوا  
 ببدر خرجتم للبراز فردكم      شيوخ قريش جهرة وتأخروا  
 فلما اتاهم حمزة وعبيدة      وجاء على بالسهند يخطر  
 فقالوا نعم اكفاء صدق فاقبلوا      اليهم سراها اذ بغوا وتجبروا  
 فجال على جولة هاشمية      فدمرهم لها عتوا وتكبروا  
 فليس عليكم فخر علينا بغيرنا      وليس لكم فخر يعد ويذكر

”بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے، تم نے ہمیں قتل نہیں کیا، تم انصار  
 اپنے اوپر فخر نہ کرو، بلکہ ہاشمیوں کی تلوار پر فخر کرو۔ جنگ میں علیؑ کے  
 ہاتھ میں محمد بن عبد اللہ کی تلوار تھی۔ اس سے تم نے مقصد حاصل کیا ہے،  
 لہذا تم فخر مت کرو۔“

عمرو بن عہدود اور اس کے بیٹے کو تم نے تھوڑا ہی قتل کیا ہے، یہ کام تو دلیر

شیر بہادر علیؒ کا ہے۔ علیؒ غزوئہ میں لائٹانی ہے۔ تم زیادہ دعوے نہ کرو  
 جموں نے کہلاؤ گے۔ بدر میں تم مقابلہ پر آئے تھے، لیکن قریش کے شیوخ  
 نے تم سے لڑنا ہی پسند نہیں کیا تھا اور وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

پھر جب حمزہؓ، عیدہؓ آئے اور علیؒ ہندی تلوار کو حرکت دیتے ہوئے آگے  
 بڑھے تو پھر شیوخ قریش نے کہا تھا کہ اب اچھے مد مقابل آئے ہیں، پھر  
 وہ ان پر تیزی سے حملہ آور ہوئے تھے۔

علیؒ نے بنی ہاشم کا سا چکر لگایا تھا اور سرکشی اور تکبر کرنے والوں کو اُس  
 نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ تم دوسروں کی وجہ سے ہم پر فخر نہ کرو۔  
 تمہیں قابلِ شہر اور قابلِ ذکر فخر حاصل ہی نہیں ہے۔“

امیر المومنین حضرت علیؓ نے بھی اپنی اس فضیلت کو اشعار میں بیان کیا ہے اور  
 آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا:

أهل تفتخ الفوارس هكذا؟	عن وعنهم فبردا اصحابي
اليوم يستعنى الفرار حفيظتي	ومصم في الرأس ليس بنابي
ارديت عبدا اذ طغى ببهند	صاني الحديد مجرب قضاب
نصر الحجاره عن سفاة رأيه	ونصرت رب محمد بصواب
فصدرت حين تركته منجدلا	كالجذم بين دكادك ودوابي
وعفت عن اثوابه ولو انني	كنت المقطر بزني اثوابي
لا تحسبن الله خاذل دينه	ونبيه يامعشر الاحزاب

”یا شاہ سوار مجھ پر فخر کر سکتے ہیں۔ میرے اور اُن کے متعلق میرے  
 دوستوں سے پوچھ لو۔ میری غیرت اور کاسہ سر میں موجود عزت مجھے فرار  
 سے روکتی ہے۔ جب عمرو نے سرکشی دکھائی تو میں نے صاف لوہے والی  
 تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ وہ اپنی مائے کی حماقت کی وجہ سے  
 پتھروں (جٹوں) کی مدد کرنے آیا تھا اور میں نے گج حمیدہ کے مطابق

رب محمدؐ کی مدد کی تھی۔

میں نے اُسے قتل کیا تو اس کی لاش یوں لگتی تھی جیسا کہ کسی سمجھور کا تپا چٹیل میدان اور ٹیلوں کے درمیان پڑا ہوتا ہے۔ میں نے قتل کے بعد اُس کے کپڑے نہیں اتارے اور اگر بالفرض میں قتل ہو جاتا تو میرا لباس ضرور اتارتا۔ اے کروہ احزاب! یہ کبھی تصور نہ کرنا کہ خدا اپنے دین اور اپنے نبیؐ کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔“

اُس وقت نبی اکرم ﷺ نے غوثی سے اپنے بھائی کی شان میں ارشاد فرمایا:

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ

”روزِ خندق علیؑ کی ایک ضرب جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔“

حاکم عیساہ پوری نے مستدرک میں اس حدیث کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

لَتَبَارَكَ نَهْأَعْلَى بْنِ أَبِي طَالِبٍ لَعَمْرُؤُا بِنُ عَبْدِوَدِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ

مِنْ أَعْمَالِ أُمَّتِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

”خندق کے دن علیؑ کا عمرو بن عبدود سے مبارزہ روزِ قیامت تک میری

اُمت کے اعمال سے افضل و برتر ہے۔“

آنحضرتؐ کے اس اعلان کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے قتل ہونے سے مشرکین کے ہر گھر

میں اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوا، اور مسلمانوں کے ہر گھر میں عزت اور غلبہ کی لہر دوڑ گئی۔

جب یہ خبر عمرو بن عبدود کی بہن تک پہنچی تو اُس نے کہا: میرے بھائی کو کس نے قتل کیا؟

اُسے بتایا گیا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ نے تیرے بھائی کو قتل کیا ہے۔

عمرو کی بہن نے کہا: اگر علیؑ نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے تو اُس سے میرا غم ہلکا ہو گیا

ہے۔ کیونکہ میرا بھائی نامور پہلوان تھا اور اُسے عرب کے دوسرے نامور پہلوان نے قتل کیا

ہے۔ وہ کسی بزدل کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا اور میرے بھائی کا علیؑ کے ہاتھوں سے قتل ہونا

ہمارے قبیلہ بنی حامر کے لیے باعثِ افتخار ہے۔

پھر اس نے یہ اشعار کہے تھے:

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ      لکن قاتلہ من لا یعاب بہ  
 وکان یدغی قدیبا بیضة البلد      لکن قاتلہ من لا یعاب بہ  
 ”اگر علیؑ کے علاوہ عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا تو میں پوری زندگی اُس پر  
 گریہ کرتی لیکن اس کا قاتل وہ ہے جس پر کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا اور  
 اُس کا والد بیضة البلد (سر دارِ شہر) کہلاتا تھا۔“  
 شیخ کاظم آزدی علیہ الرحمۃ نے قصیدہ الفیہ میں لکھا ہے:

ظہرت منه فی الوغی سطوات	ما اثنی القوم کلہم ما اتاہا
یوم غصت بجیش عمرو بن ود	لہوات الفلا وضاق فضاها
وتخطی الی المدینۃ فردا	بسرایا عزائم سارہا
فدعاهم وہم الوف ولکن	ینظرون الذی یشب لظاہا
این انتم عن مستور عامری	تتنقی الاسد بأساء فی شراہا
فابتدی المصطفیٰ یحدث عما	یوجر الصابرون فی اخرہا
قاتلا ان للجلیل جنانا	لیس غیر المجاہدین یراہا
من لعمرو؟ وقد ضمنت علی	اللہ لہ من جنانہ اعلاہا
فالتوا عن جوابہ کسوام	لا تراہا مجیبۃ من دعاہا
واذا ہم بنارس قرشی	ترجف الارض خیفۃ اذیطاہا
قائلا: ما لہا سوای کفیل	ہذا ذمۃ علی وفاہا
ومشی یطلب الصفوف کما	تمشی خصاص الحشا الی مرعاہا
فانتطی مشر فیہ فتلقی	ساق عمرو بضربہ منبراہا
والی الحشاوتہ السیف منہ	یبلأ الخاققین رجع صداہا
یالہا خربۃ حوت مکرمات	لم یزن ثقل اجرہا ثقلہا
ہذا من علاہ احدی المعال	وعلی ہذا فقسی ما سواہا

”شیر خدا علیؑ مرتضیٰ نے جنگوں میں وہ جو ہر دکھائے جو آج تک کوئی نہیں

دکھا سکا، جس دن عمرو بن عہود لشکر لے کر آیا، جس سے مدینہ کی فضا تنگ آگئی تھی وہ مدینہ کی سمت لے کر چلا اور اس نے ہزاروں کے سامنے مہارز طلبی کی لیکن ہر شخص یہ دیکھنے لگا کہ جنگ کے شعلے کون بھڑکائے گا؟ اُس نے آواز دی کہ تم لوگ عامری شیر کے مقابلہ میں کہاں ہو؟ شیر اپنی کچھار میں بیٹھ کر میرے حملوں سے ڈرتے ہیں۔ اس وقت مصطلق نے صابریں کے انغروی اجر کو بیان کیا۔

اُس نے فرمایا: خدا نے ایک جنت خلق کی ہے جسے مجاہدین کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ کون ہے جو عمرو کے مقابلہ پر جائے؟ اس کی جنت اہل کاغیض خاصہ ہوں۔

نہی کی بات سن کر لوگوں نے یوں چپ سادہ لی تھی جیسا کہ بلائے جانے پر چھپائے خاموش رہتے ہیں۔ پھر قرشی بہادر اٹھا۔ وہ اتنا بڑا دلیر تھا کہ اُس کے چلنے سے زمین کانپ اٹھتی تھی۔

اس دلیر نے کہا: میں ہی اسے سنبھالوں گا، یہ میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کروں گا۔ وہ صفوں میں سے یوں نکلا جیسا کہ بھوکے جاندار چھاگاہ کی طرف جاتے ہیں۔ اُس نے چمکدار تلوار اٹھائی اور عمرو کی پنڈلی پر ماری اور اُسے زخمی کر دیا۔ اُس کی تلوار کی گرج کی صدائے بازگشت سے آج تک انحراف بھرے ہوئے ہیں۔ اُس ضربت کا کیا کہنا جو قلعین کی عبادت سے زیادہ وزنی تھی۔ یہ تو علی کی صرف ایک فضیلت ہے۔ اس کے باقی فضائل کا اس پر قیاس کرو۔



## علی علیہ السلام اور جنگ خیر

مرحوم طبری لکھتے ہیں کہ جب رسول خدا ﷺ مدینہ سے مدینہ واپس آئے تو آپ نے بیس دن مدینہ میں قیام کیا، پھر آپ لنگر لے کر خیر کی طرف روانہ ہوئے۔ خیر مدینہ سے چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے اور مدینہ سے قریباً ۸۰ میل دور ہے۔ وہاں یہود کے مضبوط قلعے تھے اور اُس وقت یہ علاقہ یہودیوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ لنگر لے کر وہاں پہنچے تو اہل خیر قلعہ فشین ہو گئے۔ نبی اکرم نے ان قلعوں کا پچیس دن تک محاصرہ کیا۔ پھر آپ نے اپنا پرچم حضرت ابوبکرؓ کو دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ پہلے دن آپ نے حضرت عمرؓ کو پرچم دیا۔ وہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے مقابلہ پر گئے لیکن ناکام واپس لوٹے۔

پھر دوسرے دن آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو پرچم دیا۔ وہ مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر میدان میں گئے لیکن ناکام ہو کر واپس آئے اور حالت یہ تھی کہ وہ لنگر کو بزدل کہتے تھے اور لنگر والے انھیں بزدل کہتے تھے۔ جب نبی اکرم نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا تو آپ نے یہ اعلان فرمایا:

لَا حَظَّ لِلرَّأْيَةِ خَدَا رُجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

كَمَّ أَرَاخِيذَ فَرَّادٍ لَا يَرْجِعُ حَتَّى يَفْتَحَ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ

”میں کل ضرور اس کو طم دوں گا جو مرد ہوگا اور وہ اللہ اور اس کے رسول

سے محبت کرنے والا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے

ہوں گے۔ وہ کزار غیر فرار ہوگا۔ وہ اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب



تک خدا اُس کے ہاتھوں پر خیر کو فتح نہ کر دے۔“

صحیح بخاری کے مطابق تمام صحابہ ساری رات سوچتے رہے کہ کل علم اسلام کسے دیا جائے گا؟ اور نبی اکرم ﷺ نے جو صفات بیان کی ہیں اُن کا مصداق کون بنے گا؟ کچھ لوگوں نے کہا: یہ اعزاز حضرت علیؓ کو نہیں مل سکے گا کیونکہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ انھیں اس وقت اپنے قدموں کے نیچے کی چیز تک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ لہذا ہر شخص کی خواہش تھی کہ علم اسلام اُس کے مقدر میں آئے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے امارت کی کبھی اتنی تمنا نہیں تھی جتنی کہ اُس رات ہوئی تھی۔

الغرض صبح ہوئی، پورا لشکر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا، اور آپؐ پر چم لے کر خیمہ سے باہر آئے۔ نبی اکرمؐ نے لشکر سے فرمایا کہ علیؓ ابن ابی طالب کہاں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: انھیں آشوب چشم ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اُسے میرے پاس لاؤ۔ حضرت علیؓ کو ایک نجر پر سوار کر کے لایا گیا۔ اس وقت آپؐ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سلمہ بن انوع نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں لے آئے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؓ! آپؐ کو کیا تکلیف ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آشوب چشم میں مبتلا ہوں، جس کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں سکتا اور اس کے ساتھ سر میں بھی شدید درد ہے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؓ! بیٹھ جاؤ اور اپنا سر میری آغوش میں رکھو۔ حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھوں پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور علیؓ کی آنکھوں اور سر پر لگایا۔ جیسے ہی لعاب دہن لگا تو آپؐ نے آنکھیں کھول دیں اور آپؐ کی تکلیف دُور ہو گئی۔

نبی اکرمؐ نے دعا مانگی: خدایا! علیؓ کو گرمی سردی سے بچا۔ پھر آپؐ نے انھیں علم اسلام عطا کیا۔ وہ سفید رنگ کا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: یا علیؓ! علم لو اور چلے جاؤ۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ اے خداوندی

آپؑ کے آگے ہے اور مخالفین کے سینوں میں خدا نے زہب ڈال دیا ہے۔

یا علیؑ! ان لوگوں کی کتاب (تورات) میں لکھا ہے کہ جو ان کی آبادی کو تباہ کرے گا اس کا نام ”ایلیا“ ہوگا لہذا جب تم اُن کے سامنے جاؤ تو یہ کہنا کہ میں علیؑ ہوں۔ خدا نے چاہا تو وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔

حضرت علیؑ علم لے کر چلے۔ لنگر آپؑ کے پیچھے چلا۔ آپؑ نے قلعہ کے قریب پہنچ کر اپنا نیزہ گاڑ دیا۔ ایک یہودی عالم نے قلعہ سے صدا دی: اے جوان! تو کون ہے؟  
آپؑ نے فرمایا: میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔

یہودی عالم نے مڑ کر اپنی قوم سے کہا: تورات کی قسم! تم مغلوب ہو چکے ہو۔  
اتنے میں مرحب یہودیوں کا لشکر لے کر آگے بڑھا۔ اس کے سر پر خود تھی اور اس کے سر پر پتھر کی ایک ٹوپی تھی جس میں انڈے کے برابر سوراخ تھا۔ اس نے رجز پڑھا اور کہا:

قد علمت خیبر انی مرحب شاکي السلام بطل مجرب

اطعن احيانا وحيننا اضرب

”خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے لیس، تجربہ کار  
بہادر ہوں۔ کبھی نیزہ سے حملہ کرتا ہوں اور کبھی تلوار سے۔“

اس کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ رجز پڑھا:

انا الذی سستنی اُمّی حیدرة خروام آجام ولیث قسورة

على الاعادی مثل ریح مرصرة اکیلکم بالسيف کیل السندرة

اضرب بالسيف رقاب الکفرة

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگوں کا شیر  
ہوں اور پھاڑنے والا شیر ہوں۔ دشمنوں کے لیے سخت آندھی ہوں۔ میں  
تم میں وسیع پیمانے پر قتل اور خون ریزی پھیلاؤں گا۔ میں اپنی تلوار سے  
کافروں کی گردنیں اڑاؤں گا۔“

جب اس نے حضرت علیؑ کا یہ تعارف سنا تو وہ واپس چلا گیا اور اُس نے میدان چھوڑ

دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بچپن میں اُس کی دایا نے اُسے کہا تھا کہ جہان ہو کر ہر ایک سے لڑنا لیکن جس کا نام حیدر ہو اُس سے کبھی جنگ نہ کرنا۔ تمہاری موت حیدر کے ہاتھوں میں ہوگی۔ جب وہ واپس جانے لگا تو ابلیس لعین ایک یہودی عالم کا رُوپ دھار کر اُس کے سامنے آیا اور کہا: مرحب! کہاں جا رہے ہو؟

مرحب نے کہا: آنے والے نے اپنا نام حیدر بتایا ہے، اس لیے میں واپس جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا: اگر یہ حیدر ہے تو پھر کیا ہوا؟

مرحب نے کہا: میری دایا نے مجھ سے کہا تھا کہ حیدر سے جنگ نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔ ابلیس نے کہا: یہ تیری قلعہ فنی ہے۔ اس وسیع دنیا میں کوئی اور بھی حیدر ہوگا، ضروری تو نہیں ہے کہ یہ وہی حیدر ہو جس سے تیری دایا نے تجھے ڈرایا تھا۔ ویسے بھی اگر مان لیا جائے کہ یہ وہی حیدر ہے تو پھر بھی تجھ کو ذیبت نہیں دیتا کہ تو پشت کر کے یہاں سے چلا جائے۔ تو اتنا بڑا دلیر ہو کر ناقص العقل عورتوں کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے۔ تم اس کے مقابلے پر جاؤ، صین ممکن ہے کہ تم اس کو مغلوب کر دو۔ اور اگر ٹوٹے اسے قتل کر دیا تو تو اپنی قوم کا سردار کہلائے گا۔ میں تمام یہودیوں سے تیری سرداری کی سفارش کروں گا۔

ابلیس کی باتیں سن کر مرحب واپس پلٹ آیا۔ حضرت علیؑ نے اُس سے فرمایا: تم اسلام قبول کرلو۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ دے اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو جنگ کے لیے تیار ہو جا۔ مرحب نے کہا: ہم جنگ کریں گے۔

امیر المومنین علیؑ نے اُس کے سر پر وار کیا اور اُس کے سر پر جو پتھر تھا وہ ٹوٹا اور اس کی لوہے کی خود ٹوٹی۔ آپؐ کی تلوار اُس کے سر کو چیرتی ہوئی اُس کی داڑھ تک پہنچی اور وہ زمین پر جا گرا۔ پھر آپؐ نے یہودیوں کے لشکر پر حملہ کیا۔ لشکر بھاگ گیا اور قلعہ نشین ہو گیا اور قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ دروازہ پتھر کا تھا اور ایک چٹان پر لگا ہوا تھا۔ وہ بجلی کا پتھر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک معمولی سا سوراخ تھا جس کا ذکر ہم نے شرح منہج البلاغہ میں کیا ہے۔

حضرت علیؑ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپؐ نے وہ کمان پھینک دی اور بایاں

ہاتھ اُس پتھر میں ڈالا اور اُسے زور سے کھینچا جس کی وجہ سے وہ چٹان کری اور آپؐ نے اس دروازہ کو بائیں ہاتھ میں اٹھایا۔ یہودی لشکر آپؐ کے سامنے تیز تر ہو گیا۔ پھر آپؐ نے پتھر سے بنے ہوئے دروازے کو بائیں ہاتھ سے پیچھے کی طرف پھینکا اور وہ دروازہ مسلمانوں کے سروں سے پرواز کرتا ہوا لشکر کے آخر میں جا گرا۔

ابن ابی الحدید نے اپنے قصیدہ میں حضرت کو مخاطب کر کے یہ کہا ہے:

يا قالم الباب الذي عن هزة عجزت اكف اربعون واربع  
 ”اے وہ عظیم قلعہ جس نے اس دروازے کو اکھاڑا تھا جسے چالیس  
 آدمی ہلانے سے قاصر تھے۔ مسلمان اس پتھر کے دروازے کو اٹھانے  
 کے لیے جمع ہوئے اور چالیس آدمیوں نے مل کر زور لگایا مگر اُسے ہلا  
 نہ سکے۔“

حسان بن ثابتؓ نے رسولؐ خدا سے اس موقع کی مناسبت سے اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آنحضرتؐ نے اجازت دی تو حسان نے یہ اشعار پڑھے:

وكان على ارمم العين يبتغى دواء فلما لم يحس مداويا  
 شفاه رسول الله بتغلة فبورك مرقيا وبورك راقيا  
 وقال: ساحطى الرؤية اليوم صارما كيبا محبا للرسول مواليا  
 يحب الهى والاله يحبه به يفتح الله الهون الاوابيا  
 فاصفى بها دون البرية كلها عليا دسما الوزير البواخيا

”معلیٰ کو آشوبِ چشم لاحق تھا اور وہ دوا کا متلاشی تھا، لیکن اُسے معالج نہ ملا۔ رسولؐ خدا نے اپنے لحافِ وہن سے اُسے تندرست کر دیا۔ دم کرنے والا بھی مبارک تھا اور جس پر دم کیا گیا وہ بھی مبارک تھا۔

اس موقع پر نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: میں آج اُسے علم (پرچم اسلام) دوں گا جو بہادر اور دلیر ہوگا اور وہ رسولؐ کا سچا محب ہوگا۔ وہ میرے خدا کا محب ہوگا اور وہ خدا کا محبوب ہوگا اور اللہ اُس کے ذریعے سے مغبوط

قلعوں کو فتح کر دے گا۔ رسولِ خدا نے لوگوں میں سے علیؑ کا انتخاب کیا اور اُسے اپنے بھائی اور وزیر کا نام دیا تھا۔

دامن گیر اس وقت رسولِ خدا ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

”یا علیؑ! اگر مجھے یہ خوف دامن گیر نہ ہوتا کہ لوگ تیرے متعلق وہی سمجھ نہ کہنے لگیں، جو کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہہ رہے ہیں، تو پھر تیرے ایسے فضائل بیان کرتا کہ تُو جہاں سے بھی گزرتا تو لوگ تیرے قدموں کی خاک اور تیرے وضو کا پانی لے لے کر شفا تلاش کرنے لگ جاتے، لیکن تیرے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ ”تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔“ تُو میرا وارث ہے اور میں تیرا وارث ہوں“ اور تجھے مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو ہی میری ذمہ داریوں کو پورا کرے گا اور میری سنت کے مطابق جنگ کرے گا اور آخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت تو مجھ سے زیادہ قریب ہوگا اور کل حوض پر میرا خلیفہ ہوگا اور کل حوض پر تُو ہی سب سے پہلے میرے حوض پر وارد ہوگا۔ اور میرے ساتھ تجھے سب سے پہلے لباس پہنا یا جائے گا اور میری اُمت میں سے تو ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ تیرے شیعہ نور کے سفید منابر پر بیٹھے ہوں گے اور ان کے چہرے میری طرف ہوں گے، میں اُن کی شفاعت کروں گا اور وہ جنت میں میرے مسائے ہوں گے۔ تیری جنگ میری جنگ ہے اور تیری صلح میری صلح ہے۔ حیرا باطن میرا باطن ہے اور تیرا ظاہر میرا ظاہر ہے۔ تیرے سینے کے اسرار میرے سینے کے اسرار کے مانند ہیں۔ آپؑ کی اولاد میری اولاد ہے اور آپؑ میرے دھدے پورے کریں گے اور آپؑ کی زبان اور آپؑ کے دل میں ہمیشہ حق رہے گا اور آپؑ کی زبان پر حق رہے گا اور آپؑ کی آنکھوں کے سامنے حق ہوگا اور ایمان آپؑ کے

گوشت اور خون میں ایمان مخلوط رہے گا۔ آپؐ سے بغض رکھنے والا  
 میرے حوض پر وارد نہیں ہوگا اور آپؐ کا کوئی بھی محب حوض سے محروم نہیں  
 رہے گا۔ وہ سب کے سب تیرے ساتھ حوض پر وارد ہوں گے۔  
 رسول اکرم ﷺ کی یہ باتیں سن کر حضرت علیؓ نے خدا کا سجدہ شکر ادا کیا۔



## علیؑ اور جنگِ محنین

جنگِ محنین میں ابو جہول آگے بڑھا، اس کے پیچھے مشرکین کا لشکر تھا۔ ابو جہول کے ہاتھ میں پرچم تھا اور وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا:

انا ابو جہول لا براہ  
حاشی بنیہ القوم او نبیہ  
”میں نہ ہٹے والا ابو جہول ہوں، ہم دشمنوں کو قتل کر پیں گے یا ہم قتل ہو جائیں گے۔“

امیر المومنینؑ اس کے مد مقابل گئے اور آپؑ نے اُس کے اونٹ کے پچھلے حصہ پر وار کیا اور ابو جہول کو قتل کیا۔ پھر آپؑ نے یہ شعر پڑھا:

قد علم القوم لدی الصباہ  
ان لدی الہیجاء ذونصاہ  
”لوگ جانتے ہیں کہ میں جنگِ مجوہوں اور دلیر انسان ہوں۔“

ابو جہول کی موت مشرکین کی شکست کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ پھر شیر خداؑ کی زیر قیادت اسلامی لشکر نے اُن پر حملہ کیا۔ اس حملے کے نتیجے میں چالیس کافر قتل ہوئے اور اُن کی باقی ماندہ فوج بھاگ گئی اور بہت سے افراد قیدی بنائے گئے۔

حضرت علیؑ نے ہی شکست کو فتح سے تبدیل کیا تھا، ورنہ اس سے پہلے مسلمان بنی ہوازن کے حیراعداؤں کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ  
عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ

سَيَكُونُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ (سورہ توبہ: آیت ۲۵-۲۶)  
 ”مُحْسِن کے دن کو یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر اتر رہے تھے، تمہاری  
 کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم  
 پر تنگ ہو گئی تھی اور تم پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر اللہ  
 نے اپنے رسول اور اہل ایمان پر تسکین نازل فرمائی۔“

حضرت علیؓ کی شجاعت کے متعلق ہم ابن ابی الحدید کے اُن کلمات کو دہراتے ہیں  
 جو انھوں نے شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔

جہاں تک شجاعت کا تعلق ہے تو حضرت علیؓ وہ انسان ہیں، جنہوں نے اپنے سے  
 پہلے بہادر دنیا کو فراموش کرائے اور بعد میں آنے والوں کے نام مٹائے۔ آپؓ کے جنگی  
 واقعات بہت زیادہ ہیں، جو کہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؓ وہ بیکر شجاعت ہیں کہ  
 آپؓ نے میدان سے کبھی فرار نہیں کیا تھا اور کسی لشکر کو دیکھ کر آپؓ کبھی خوف زدہ نہیں ہوئے  
 تھے۔ آپؓ کے مقابلے میں جو بھی آیا، آپؓ نے اُسے قتل کیا اور آپؓ نے دشمن پر ایسی ضرب  
 کبھی نہیں ماری کہ اُس کے بعد دوسری ضرب کی ضرورت پڑے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؓ کی ضربات ہمیشہ طاق ہوتی تھیں۔ آپؓ نے  
 معاویہ کو دعوت دی کہ تم براہ راست مجھ سے جنگ کرو، تاکہ ہم میں سے ایک کا خاتمہ ہو جائے۔  
 عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا: علیؓ نے بالکل انصاف کی بات کی ہے۔

معاویہ نے کہا: جب سے تو میرا خیر خواہ بنا ہے تو نے مجھ سے کبھی دھوکا نہیں کیا، مگر آج  
 تو دھوکا دینی سے کام لے رہا ہے۔ کیا تو مجھے ابوالحسنؓ کے مقابلے میں جانے کا مشورہ دیتا ہے  
 حالانکہ تو بخوبی جانتا ہے کہ آج تک جو بھی اُس کے مقابلے پر گیا وہ ذمہ لوٹ کر نہیں آیا۔ میرا  
 خیال ہے کہ تو چاہتا ہے کہ میں علیؓ کے ہاتھوں سے مارا جاؤں اور شام پر تم حکومت کر سکو۔





## علی علیہ السلام اور قرآن

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور یہ وہ عظیم کتاب ہے کہ باطل آگے سے اُس پر حملہ آور ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اس پر حملہ کر سکتا ہے۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔ قرآن انسانی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کے جذبات کی اتباع کرتا ہے۔

رسول خدا ﷺ کی ایک حقیق حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَحِجَّتِي أَهْلَ بَيْتِي وَإِنَّمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا حِلَّ الْحَوْضِ

”میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: اللہ کی

کتاب اور اپنی عزت اہل بیتؑ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک کہ میرے پاس حوض پر نہ پہنچ جائیں۔“

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے عزت کو قرآن کے ساتھ ملایا اور قرآن کو عزت کے ساتھ شامل کیا اور پھر ان دونوں کے متعلق پوری تاکید کر کے فرمایا: ”یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی بھی جدا نہ ہوں گے۔“ قرآن عزت کے موافق ہے اور عزت قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کرتی ہے، اسی لیے قرآن اور عزت میں کوئی اختلاف اور تضاد موجود نہیں ہے۔ قرآن و عزت کا آپس میں چلی دامن کا ساتھ ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن اپنے ساتھی اور مددگار کے متعلق خاموش رہے اور اس میں عزت کی طرف اشارہ تک بھی موجود نہ ہو؟؟

ایسا تصور کرنا ناممکن ہے، کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے اور یہ چیز

خلافِ محل ہے کہ اس میں باقی تو سب کچھ ہو لیکن اُس میں رسول اللہ کے عظیم خاندان اور آپ کی عزت کا ذکر تک نہ ہو اور قرآنِ معزت کے سردار امیر المومنینؑ کے ذکر سے خالی ہو؟ یہ بات ناممکن ہے کہ قرآن میں علیؑ کا ذکر نہ ہو جس نے تمام اسلامی فروع و مسائل میں قائمانہ کردار ادا کیا ہو اور جس نے ہر میدان میں اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے ہوں!!

حضرت علیؑ نے قرآن کے علوم و فنون، احکام اور خصائص کا تعارف کرایا ہے جب کہ قرآن نے حضرت علیؑ کی شخصیت اور اُن کے مکارم و محاسن اور خصائص کو بیان کیا ہے۔ قرآن نے دل کھول کر حضرت علیؑ کی جاویداری اور اثبات کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا چراغ ہے اور حق و باطل کو جدا کرتا ہے۔ قرآن صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن میں موعظہ اور شفا ہے اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن مجسم حق ہے اور حق کا داعی ہے۔

حضرت علیؑ مدظلہ قرآن ہیں اور آپؑ پہلو بہ پہلو قرآن کے ساتھ چلنے والے ہیں۔ آپؑ بھی راوی حق کے داعی ہیں اور صراطِ مستقیم کے ہادی ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں۔ اسی لیے کلام اللہ میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ البتہ یہ طبعہ بات ہے کہ آپؑ کے نام کی صراحت نہیں کی گئی، کیونکہ:

اَلْكِتَابُ مِنْ اَبْلَدًا وَّ اَحْسَنُ مِنَ التَّضَارِيحِ

”کتاب یہ تصریح سے زیادہ تبلیغ ہوتا ہے۔“

قرآن کریم میں نہ صرف فضائل علیؑ کے اشارات موجود ہیں، بلکہ اس میں بہت سی آیات چھت پائی جاتی ہیں، جن میں پہلے اہل بیتؑ کی ثنا کی گئی ہے پھر دوسرے مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے کیا ہی خوب کہا تھا: قرآن میں جہاں بھی یا ایہا الذین آمنوا کی آیت آئی ہے ان میں علیؑ کو ہی مومنین کا سالار قرار دیا گیا ہے۔

ابنِ جبر ”صواعقِ عرقة“ میں لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَحَمِلُوْا الثَّغْلَ اُولٰٓئِكَ هُمُ خِیْرُ النَّبَرِیَّةِ

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ مخلوقات سے بھر ہیں۔“

اس وقت رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:  
 ”اے علیؑ! وہ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ ہیں۔ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ قیامت کے دن اس حالت میں آئیں گے کہ وہ خدا سے راضی ہوں گے اور خدا ان سے راضی ہوگا اور تیرے دشمن مغضوب بن کر اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے آئیں گے۔“

اس کے علاوہ قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں، جن کی تاویل میں بیان کیا گیا کہ ان سے علیؑ لیکن اہل طالبؑ مراد ہیں۔ اس طرح کی روایات کتب صحاح میں بکثرت موجود ہیں۔  
 علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسی واضح ترین آیات موجود ہیں جو کہ شان اہل بیتؑ پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت علیؑ اہل بیتؑ کے بزرگ اور سردار ہیں اور آیت مہلبہ، سورہ ہل آئی اور آیت تفسیر اس کی واضح خلائیں ہیں۔

اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں دسیوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی تعریف کی ہے۔ ہم اس وقت آیت تفسیر، آیت مہلبہ اور سورہ ہل آئی کے عنوان پر مختصر بحث کریں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ ہماری یہ گفتگو ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔

### آیت تفسیر

چند مفسرین کے علاوہ باقی تمام مفسرین اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیت تفسیر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ الفاظ حدیث میں اگرچہ تموزا بہت اختلاف پایا جاتا ہے لیکن تمام روایات کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسینؑ کریمینؑ پر اپنی چادر ڈالی اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا لِاَهْلِ بَيْتِيْ فَادْخِبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيراً  
 ”پور دیکھا یہ میرے اہل بیتؑ ہیں، ان سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور

رکھ اور انہیں ایسی طہارت عطا فرما جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔

حضرت ام سلمہؓ وہاں موجود تھیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی داخل ہو سکتی ہوں؟ ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل میں سے ہوں؟ ایک اور محدث نے لکھا کہ بی بی نے عرض کیا: وَ اَنَا مَعَكُمْ (میں بھی تمہارے ساتھ ہوں)۔

ایک اور محدث نے بی بی کی طرف سے یہ الفاظ نقل کیے کہ بی بی نے کہا:

أَلَا أَدْخُلُ مَعَكُمْ ”کیا میں آپ کے ساتھ اس چادر میں داخل ہو جاؤں؟“  
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ”تو بھلائی پر ہے۔“

ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: مَكَانُكَ ”تو اپنی جگہ پر بیٹھی رہ۔“ ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: تَنْتَبِیْ ”میرے اہل بیت سے دور ہو کر بیٹھ۔“

ایک اور محدث نے لکھا کہ بی بی نے کہا: میں نے چادر کا پلو اٹھایا، تاکہ میں بھی داخل ہو جاؤں لیکن رسول اکرمؐ نے چادر کا پلو میرے ہاتھ سے چھین کر فرمایا:

إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ وَإِنَّكَ مِنَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ

”اے سلمہ! تم بھلائی پر ہو، تم ازواج میں سے ہو۔“

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اِنشَاءً یُرِیدُ اللہُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کی آیت نازل فرمائی۔

الاسعد خدری بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پورے چالیس دن نماز کے اوقات میں حضرت علیؓ کے دروازے پر آتے تھے اور بلند صدا دے کر کہتے تھے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اَهْلُ الْبَيْتِ، اِنشَاءً یُرِیدُ اللہُ

لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا اَنَا حَرَابُ

لِمَنْ حَارَبْتُمْ وَسَلِّمَ لِمَنْ سَالَمْتُمْ

”اے اہل بیت! تم پر سلامتی اور خدا کی طرف سے رحمت اور برکات

ہوں۔ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ بس یہی ارادہ رکھتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسی طہارت دے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔ جس سے تم جنگ کرتے ہو میری بھی اس سے جنگ ہے اور جس سے تم صلح کرو میری بھی اس سے صلح ہے۔“

ابوالمہرادی راوی ہیں کہ میں نو یا دس مہینے رسول اکرم کا خادم رہا۔ تو مجھوں کا تو مجھے یقین ہے رسول خدا کا معمول تھا آپ طلوع فجر کے وقت بیدار ہو کر گھر سے نکلتے تھے اور آپ صلی و جوں کے گھر کی دلیز پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، الصَّلَاةُ يَرْحَمُكُمْ اللَّهُ  
 ”تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ نماز کا وقت ہے۔ خدا تم پر رحم فرمائے۔“

صلی و جوں جواب میں فرماتے تھے:

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ  
 اس وقت رسول اکرم یہ آیت تلاوت کرتے تھے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا  
 تمام شیعہ مفسرین و محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ آیت تفسیر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسینؑ کریمینؑ کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں ازواج رسول شامل نہیں ہیں۔

علمائے اہل سنت میں سے قطبی نے اپنی تفسیر میں اور احمد نے اپنی مسند میں اور واحدی نے اپنی تفسیر ”المہبط“ میں اور ابن بطریق نے مستدرک میں اور رازی نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے: ”آیت تفسیر میں غمہ، نبیاء اور ازواج بغیر شامل ہیں۔“

جب کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علمائے اہل سنت نے ازواج کو شامل کر کے ”کلف“ کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر ازواج اس آیت میں شامل ہوتیں تو رسول خدا حضرت ام سلمہؓ کو چادر میں داخل ہونے سے کیوں روکتے؟

کچھ دیر کے لیے سوچئے کہ اگر یہ آیت ازواج کے لیے ہے تو کیا اس میں مرحب کی

بہن صفیہ بھی شامل ہے؟ جو کہ خیر کی یہودیہ تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کی بہت سی ازدواج ایسی ہیں جن کی زندگی کا کچھ حصہ کفر و شرک میں گزرا تھا۔ کیا کفر و شرک میں کچھ عرصہ بسر کرنے والی خواتین بھی آیتِ تطہیر کا مصداق ہو سکتی ہیں؟

علمائے اہل سنت آیتِ تطہیر میں ازدواج کو شامل کرنے کے لیے اس آیت کے سیاق و سباق کو بعنوان دلیل پیش کرتے ہیں جب کہ سیاق و سباق دلیل نہیں ہوتا۔

کیا علمائے اہل سنت نے یہ نہیں لکھا کہ رسول اکرمؐ چالیس دن یا چھ مہینے یا نو مہینوں تک طی و جنوں کے دروازے پر کھڑے ہو کر آیتِ تطہیر کی تلاوت نہیں کی تھی؟

آنحضرتؐ نے اپنے عمل مسلسل سے اپنی امت کو یہ درس دیا تھا کہ خبردار آیتِ تطہیر کا مصداق صرف اور صرف یہی گمراہ ہے اور اگر ازدواجِ رسولؐ آیتِ تطہیر کی مصداق ہوتیں تو کبھی تو رسولؐ خدا اُن کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس آیت کی تلاوت کرتے اور دنیا کے کسی محدث اور مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ آنحضرتؐ نے کسی بھی بیوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھی تھی۔ علاوہ ازیں رسولؐ خدا کی ازدواج میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ آیتِ تطہیر میں شامل ہے۔

ہم علمائے تسنن سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ازدواجِ رسولؐ آیتِ تطہیر کی مصداق تھیں تو پھر سورہ تحریم میں انھیں طلاق کی دھمکی کیوں دی گئی اور ان میں سے دو بیویوں کے متعلق خدا نے یہ کیوں فرمایا: ”تم دونوں کے دل حق سے منحرف ہو چکے ہیں؟“

علاوہ ازیں قرآن کریم کے اندازِ مخاطب کو مد نظر رکھیں۔ اللہ نے جہاں ازدواج سے گفتگو کی تو تمام صفیہ جمعہ مؤنث حاضر کے استعمال کیے، لیکن جب آیتِ تطہیر نازل فرمائی تو خدا نے مؤنث کے صفیہ چھوڑ کر دو مرتبہ ”م“ اسم ضمیر برائے جمع ذکر حاضر کو استعمال کیا۔ جب تک ازدواج سے گفتگو رہی تو اللہ نے لَسْتُنَّ، اَتَقِیْتُنَّ، لَا تَخْفَعْنَ، قُلُوبُنَّ، قَرَنَ، یَبُوءُ تَكُنَّ، لَا تَبْرَجْنَ اَقْمِنَ، اَتَیْنِ، اَطَعْنَ جیسے دس مؤنث کے صفیہ استعمال کیے۔

پھر آیتِ تطہیر میں صفیہ بدل دیے گئے اور مؤنث کے بجائے عَنْکُمْ اور یَطْهَرُکُمْ کے ذکر صفیہ استعمال کیے۔ پھر آیت کے بعد ازدواج سے گفتگو ہوئی تو وہاں وَ اِذَا کَرِهَ اور

بُیُوتُکُنَّ کے الفاظ میں مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے۔ کیا مسلمانوں کو یہ دکھائی نہیں دیا کہ ازواج کے لیے ہمارے مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اہل بیتؑ کے لیے مذکر صیغے استعمال ہوئے ہیں؟

آیتِ تطہیر کے عنوان پر علامہ سید عبدالحسین شرف الدین نے اپنی کتاب الکلمۃ الفراء فی تفصیل الزہر آء میں مفصل بحث کی ہے۔ ان سے قبل علامہ مجلسیؒ نے بھی اس عنوان پر مدلل گفتگو کی تھی۔

اہل سنت کی دسیوں کتابوں میں مذکور ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسنین کریمینؑ کو چادر میں شامل کیا تھا۔ اس پر آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ یہ آیت مجیدہ، اصحابِ کساء کی عصمت کی دلیل ہے اور یہ آیت واضح کرتی ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ ہر گناہ اور ہر خطا سے معصوم ہیں اور عصمتِ خدا کی نظر میں بلند ترین مقام ہے۔



## علیؑ اور میابلہ

بھٹی نے ”دلائل“ میں سلمہ بن عبد شمس سے اور اُس نے اپنے باپ دادا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اہل نجران کے پاس ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

بسم الله ابراهيم واسحاق ويعقوب من محمد رسول الله ال  
اسقف نجران واهل نجران!

ان اسلمتم فاني احمد الله ابراهيم واسحاق ويعقوب، اما بعد!  
فاني ادعوكم الى ولاية الله من ولاية العباد فان ايديتم فالجزية  
وان ايديتم فقد اودنتم بالحرب - والسلام

”ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے معبود کے نام سے، محمد رسول اللہ کی  
طرف سے نجران کے اسقف اور اہل نجران کے نام!

اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں ابراہیم، اسحاق، یعقوب کے معبود کی حمد بجا  
لاؤں گا۔ اما بعد! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم بتوں کی سرپرستی سے  
کل کر اللہ کی سرپرستی کو اختیار کرو اور اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو پھر جزیہ ادا  
کرو اور اگر جزیہ بھی منظور نہ ہو تو تم سے اعلان جنگ کیا جاتا ہے۔“

جب یہ خط اسقف کو ملا تو وہ گھبرا گیا۔ اُس نے نجران کے ایک شخص شرییل بن وادعہ  
کو بلایا اور رسول خدا کا مکتوب اُس کے سامنے رکھا۔ اُس نے آنحضرت کا خط پڑھا۔  
اسقف نے اس سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟



شرعیل نے جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے ذریرہ اسماعیلؑ میں نبی بھیجے کا وعدہ کیا تھا۔ مین ممکن ہے کہ یہ شخص وہی نبی موعود ہو۔ میں نبوت کے متعلق کوئی رائے دینے سے قاصر ہوں، البتہ اگر کوئی دنیاوی معاملہ ہوتا تو میں اس کے لیے آپ کو مشورہ بھی دیتا اور جدوجہد بھی کرتا۔

بعد ازاں اسقف نے ایک ایک کر کے اہل نجران کو بلایا۔ سب نے وہی جواب دیا جو کہ شرعیل نے دیا تھا۔ آخر کار بڑی سوچ بچار کے بعد انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں سے ایک وفد مدینہ بھیجا جائے، جو آنحضرتؐ کے حالات دیکھ کر آئے اور اہل نجران کو اس کی اطلاع دے، پھر اس کے بعد کوئی لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

چنانچہ کچھ دانشوروں کا وفد تیار ہوا، جس میں شرعیل بن وادعہ، عبداللہ بن شرعیل اور جبار بن فیض سرفہرست تھے۔ الغرض عیسائیوں کا وفد مدینہ پہنچا اور انھوں نے آنحضرتؐ سے سوال جواب کیے۔

ان لوگوں نے کہا: آپ عیسیٰؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟  
آپؐ نے فرمایا: اس وقت میں کچھ نہیں کہتا تم یہاں ٹھہر جاؤ، مجھ پر جو وحی آئے گی اس کے مطابق میں جواب دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر یہ آیت نازل فرمائی:  
إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ (سورہ آل عمران: آیت ۵۹)  
”خدا کے ہاں، عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے جسے خدا نے مٹی سے بنایا اور فرمایا کہ ہو جائیس وہ ہو گیا۔“

اس پر وہ لوگ نہ مانے انھوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَذْهَبْ  
أَتَنْتَابُوا وَابْتِنَاءُكُمْ وَنِسَاءُ نَا وَنِسَاءُكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسُكُمْ ثُمَّ

نَبْتَهُمْ فَتَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ ○ (سورۃ آل عمران: آیت ۶۱)

”علم آجانے کے بعد بھی جو آپؐ سے جھگڑا کرے تو آپؐ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلااتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی بیٹیوں کو بلااتے ہیں تم اپنی بیٹیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفوس کو بلااتے ہیں اور تم اپنے نفوس کو بلاؤ پھر ہم مہبلہ کریں گے اور جموں پر اللہ کی لعنت کریں گے۔“

صبح ہوئی تو رسولؐ خدا حسینؑ کریمینؑ، حضرت فاطمہؑ زہراؑ اور حضرت علیؑ کو ساتھ لے کر مہبلہ کے لیے چلے۔

شرعیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: وہ شخص آ رہا ہے اگر یہ واقعی نبی مرسل ہے اور ہم نے اس سے مہبلہ کیا تو روئے زمین کے تمام عیسائی ہلاک ہو جائیں گے۔

اُس کے ساتھیوں نے کہا: تو پھر تمہاری رائے کیا ہے؟

اُس نے کہا: میں ان سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں بددعا نہ دیں۔ اس کے عوض وہ جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔

چنانچہ شرعیل رسولؐ خدا کی خدمت میں آیا اور کہا: میں آپؐ کو ایک تجویز دیتا ہوں جو کہ آپؐ کی بددعا کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ آپؐ کو آج دن اور آج رات کا وقت دیتا ہوں، پھر آپؐ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں گے ہم اُسے قبول کریں گے۔

رسولؐ خدا مہبلہ کیے بغیر واپس چلے گئے اور جزیہ پر اُن سے مصالحت کر لی۔

واقعہ مہبلہ بطریق دیگر

حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ جب نجران کا وفد رسولؐ اکرم ﷺ کے پاس آیا، تو ان میں سے ان کے تین موثر افراد عاقب، محسن اور اسقف یہود مدینہ کے پاس گئے اور انہیں آواز دے کر کہا: اے بندروں اور خزیروں کی شکل میں مسخ ہونے والو! یہ شخص تمہارے درمیان موجود ہے اور تم پر غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ تم گھر سے نکل کر ہمارے پاس آؤ۔

چنانچہ منصور یہودی اور کعب بن اشرف یہودی اُن کے پاس گئے اور کہا کہ کل تم صبح کے وقت ہمارے ساتھ مسجد نبویؐ میں چلو اور ہم ان سے کچھ سوال جواب کریں گے۔

اور نبی اکرمؐ کا دستور تھا کہ نماز فجر پڑھنے کے بعد آپؐ فرماتے تھے: کیا کسی نے کوئی سوال پوچھنا ہے؟ اگر کسی نے سوال پوچھنا ہوتا تو آپؐ جواب دیتے تھے اور اگر کوئی سوال کے لیے کھڑا نہ ہوتا تو آپؐ اپنے اصحاب کو رات کی وحی سے باخبر کرتے تھے۔

چنانچہ جب رسول خدا صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو منصوبہ کے مطابق اہل غیران آپؐ کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ اسقف نے کلام کی ابتدا کرتے ہوئے کہا:

الوالہا سم! یہ بتائیں کہ حضرت موسیٰؑ کے والد کون تھے؟

آپؐ نے فرمایا: اُن کے والد کا نام عمران تھا۔

اسقف: حضرت یوسفؑ کے والد کون تھے؟

نبی اکرمؐ: اُن کے والد حضرت یعقوبؑ تھے۔

اسقف: یہ فرمائیں کہ آپؐ کے والد کون ہیں؟

نبی اکرمؐ: میرے والد عبداللہ بن عبدالمطلبؑ ہیں۔

اسقف: یہ بیان فرمائیں حضرت عیسیٰؑ کے والد کون ہیں؟

نبی اکرمؐ خاموش ہو گئے۔ جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا: وہ اللہ کی روح اور خدا کا کلمہ

تھے۔

اسقف: بہت خوب، کیا روح بغیر جسم کے بھی ہوتی ہے؟

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ

ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ ”خدا کے ہاں عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ جیسی ہے، خدا نے اُسے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جاوہ ہو گیا۔“

اسقف نے لفظ تراب (مٹی) سنا تو اٹھ کھڑا ہوا، اسے مٹی کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کی شان

میں متانی دکھائی دیا۔

پھر اس نے کہا: محمدؐ اُتورات، زبور اور انجیل میں ہمیں یہ چیز کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

یہ چیز صرف آپ کے پاس ہی پائی جاتی ہے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدُفِّقُوا بَنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ○ (سورہ آل عمران: آیت ۶۱)

”علم آجانے کے بعد بھی جو آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلااتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی بیٹیوں کو بلااتے ہیں تم اپنی بیٹیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفوس کو بلااتے ہیں اور تم اپنے نفوس کو بلاؤ پھر ہم مہبلہ کریں گے اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں گے۔“

اہلِ خمران کو بھی اپنی صداقت پر بڑا ناز تھا۔ انھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ نے انصاف کیا ہے۔ یہ مہبلہ کب ہوگا؟

آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ کل مہبلہ ہوگا۔

رات گزری تو نبی اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمیں اپنے ساتھ لیا۔ مجھ سے فرمایا: تم میرے آگے چلو، خود میرے پیچھے چلے اور قاطعہ کو اپنی پشت کے پیچھے رکھا اور حسن و حسین کو دائیں بائیں لے کر چلے۔

جب اہلِ خمران نے رسولِ خدا کو اس شان سے آتے ہوئے دیکھا تو انھیں عداوت ہوئی اور انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ سچا نبی ہے، اگر آج ہم نے اس سے مہبلہ کیا اور اس نے ہمیں بددعا دی تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ اب ہلاکت اور بددعا سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سے معافی مانگی جائے۔

یہ سوچ کر وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا: اے ابوالقاسم! آپ ہمیں معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے معاف کیا۔ خدا کی قسم! اگر آج میں تم سے مہبلہ کرتا تو روئے زمین پر خدا کسی بھی عیسائی کو زندہ نہ چھوڑتا وہ سب کو ہلاک کر دیتا۔

## علیؑ کی افضلیت کا استدلال

شیخ مفیدؒ نے کتاب الفصول میں لکھا ہے کہ ایک دن مامون نے حضرت امام علیؑ رضاعیہ سے کہا کہ قرآن کریم کے مطابق آپ مجھے امیر المومنینؑ کی سب سے بڑی فضیلت سے آگاہ کریں۔

حضرت امام علیؑ رضاعیہ نے فرمایا: آیت مہملہ آپؑ کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس آیت کے مطابق رسولؐ خدا حسینؑ کریمینؑ کو اپنے ابناء یعنی بنا کر لے گئے تھے اور حضرت فاطمہؑ زہراؑ کو نساء کے عنوان سے اپنے ساتھ لے کر میدان میں گئے تھے اور حضرت علیؑ کو انفسنا کے عنوان کے تحت اپنا نفس بنا کر میدان میں لے گئے تھے۔

اس آیت میں حضرت علیؑ کو نفس رسولؐ قرار دیا گیا ہے اور یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ رسولؐ اللہ کائنات میں سب سے افضل شخص تھے اور اب جو اس افضل ترین شخصیت کا نفس ہوگا وہ بھی تمام لوگوں سے افضل ہوگا۔

مامون نے کہا: اس آیت میں تینوں الفاظ جمع ہیں۔ ابناء نا جمع ہے، اس کے تحت رسولؐ خدا حسینؑ کریمینؑ کو ساتھ لے گئے اور نساء نا جمع ہے، اس کے تحت آنحضرتؐ حضرت فاطمہؑ کو ساتھ لے گئے تھے۔ لہذا میں ممکن ہے کہ انفسنا سے مراد رسولؐ خدا کی ہی ذات مراد ہو۔

حضرت امام علیؑ رضاعیہ نے جواب دیا کہ ایسا ناممکن ہے، کیونکہ آیت کی ابتدا میں لفظ نذم موجود ہے، یعنی ہم دعوت دیں، ہم بلائیں۔ اور نیدھی سی بات ہے کہ انسان اپنے آپ کو دعوت نہیں دیتا، ہمیشہ دوسرے کو دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح سے کوئی بھی حاکم اپنے آپ کو حکم نہیں دیتا۔ وہ دوسروں کو حکم دیتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اکرمؐ نے امیر المومنینؑ کے علاوہ کسی اور مرد کو مہملہ میں نہیں بلایا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ ہی آیت قرآنی کے تحت نفس رسولؐ تھے۔

مامون نے کہا: خدا آپؑ کو جزائے خیر دے آپؑ نے میری مشکل آسان کر دی ہے۔ طبری لکھتے ہیں کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ ابناء نا سے حضرت امام حسنؑ اور حضرت

امام حسین علیہ السلام مراد ہیں۔

ابوبکر رازی کہتے ہیں: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حسن و حسین رسول خدا کے فرزند ہیں اور بیٹی کی اولاد انسان کی اپنی ہی اولاد ہوتی ہے۔

فرقہ مغزلہ کے مشہور امام ابن ابی علان لکھتے ہیں کہ آیت مہملہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مہملہ کے وقت حسنین کریمین اگرچہ چھوٹے تھے، لیکن وہ شریعت کے مکلف تھے کیونکہ مہملہ کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ کم سنی اور حد بلوغت سے کی کمال عقل کے منافی نہیں ہے۔ حد بلوغت احکام شرعی کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ جب کہ حسنین کریمین مہملہ کے وقت حد بلوغت پر نہیں پہنچے تھے، مگر وہ اس عمر میں بھی کامل العقل تھے۔ علاوہ ازیں ہمارے عقیدہ کے مطابق خداوند عالم اپنے مقرر کردہ ہادیوں کو بچپن میں وہ علم و حکمت عطا کرتا ہے، جو کہ اس دور کے بزرگوں کے پاس بھی نہیں ہوتی۔ اس ذریعے سے خدا اُن کی عظمت و کرامت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ان دو شہزادوں کے لیے فرمایا تھا۔

أَبْنَيْ هَذَانِ أَسْمَاءٍ قَامَا أَوْ قَعَدَا

”میرے دو فرزند امام ہیں خواہ وہ قیام کریں یا قعود کریں۔“

مقصد یہ ہے کہ خواہ وہ دشمن کے مقابلے میں جنگ کریں یا مصالحت کر کے خانہ نشین ہو جائیں۔

آیت میں موجود لفظ نِسَاءً نا سے مراد بالاقاق خاتونِ جنت حضرت فاطمہ علیہا السلام ہیں، کیونکہ سیدہ کے علاوہ رسول خدا نے کسی دوسری عورت کو مہملہ میں شریک نہیں کہا تھا اور حضرت علی علیہ السلام اَنْفُسَنَا کے مصداق ہیں۔ اس لفظ سے رسول اکرم کو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ آنحضرتؐ تو دعوت دینے والے تھے اور دعوت دینے والا کبھی اپنے آپ کو دعوت نہیں دیتا، وہ ہمیشہ دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اَنْفُسَنَا سے رسول خدا کی ذات مراد نہیں ہے تو یہ بات متعین ہو جائے گی کہ اس لفظ کے مصداق امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں اور آج تک کسی نے بھی یہ

دعویٰ نہیں کیا کہ رسولؐ خدا کسی اور کو میدانِ مہلبہ میں لے گئے ہیں۔

اس سے حضرت علیؑ کی افضلیت کا اثبات ہوتا ہے اور اس میں کوئی بھی آپؐ کا شریک اور سہم نہیں ہے کیونکہ اللہ نے آپؐ کو نفسِ رسولؐ قرار دیا ہے اور یہ وہ فضیلت ہے جس کا کائنات میں کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ لَفْظُ اَنْفُسَنَا سے امیر المومنینؑ مراد ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابنِ حجر نے صواعق میں دارِ قطنی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے شورٹی کے دن اپنے حق کے اثبات کے لیے جو دلائل دیے تھے ان میں سے آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا:

”میں تمہیں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ رسولؐ خدا کا کوئی اور قریبی رشتہ دار بھی ہے؟ کیا میرے علاوہ رسولؐ خدا نے کسی کو اپنا ”نفس“ قرار دیا تھا؟ اور کیا میرے بیٹوں کے علاوہ رسولؐ خدا نے کسی کے بیٹوں کو اپنا بیٹا قرار دیا تھا؟ اور کیا میری زوجہ فاطمہؑ کے علاوہ رسولؐ خدا نے کسی اور عورت کو وَنِسَاءَنَا کا مصداق بتایا تھا؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

واضح رہے کہ اس وقت رسولؐ خدا کے رشتہ داروں میں آپؐ کے چچا عباس بھی موجود تھے اور حضرت علیؑ کے دو بڑے بھائی عقیلؑ اور جعفرؑ بھی موجود تھے، مگر آنحضرتؐ نے مہلبہ میں ان چار ہستیوں کے علاوہ اور کسی کو شریک نہیں کیا تھا۔ ممکنہ طور پر اس کی دو وجوہات میں سے ایک وجہ ہو سکتی ہے:

① رسولؐ خدا نے ان ہستیوں کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ یہ ہستیاں رسولؐ خدا کے بعد پوری کائنات میں سے خدا کی مقرب ترین تھیں۔ اس لیے آنحضرتؐ نے دشمن پر بددعا کے لیے انہی کا ہی انتخاب کیا تھا۔

② یا پھر رسولؐ خدا نے ان ہستیوں کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ آپؐ کو یہ کائنات سے زیادہ عزیز تھیں اور آپؐ اپنی عزیز ترین شخصیات کو لے کر اس لیے آئے کہ کائنات دیکھ لے کہ اگر میں سچائی نہ ہوتا تو بددعا کے لیے اپنی عزیز ترین شخصیات کو ساتھ لے کر نہ جاتا۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ آنحضرتؐ ان ہستیوں سے بشری اور دُنیاوی اُمور کے

لے محبت نہیں کرتے تھے۔ آپؐ صرف اُن سے محبت کرتے تھے جن سے خدا محبت کرتا تھا۔ بعض اہل علم کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولؐ خدا کسی سے دنیاوی امور کی وجہ سے محبت نہیں کرتے تھے، آپؐ اُس سے محبت کرتے تھے جو کہ متقی ہوتا اور افعال واجبہ کا تارک نہ ہوتا اور افعال عمرہ کا عامل نہ ہوتا۔ آپؐ اُس سے محبت کرتے تھے جو ہر لحاظ سے اعلیٰ اور بہترین صفات کا حامل ہوتا تھا۔

رسولؐ خدا کو حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ سے بے حد محبت تھی اور آنحضرتؐ کی اُن سے محبت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ہستیاں سب سے زیادہ پرہیزگار اور متقی تھیں اور باقی لوگوں سے تمام صفات میں افضل تھیں۔

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ یہ ہستیاں تمام مخلوق میں سے خدا کی زیادہ مقرب اور محبوب تھیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ ذوات طاہرہ باقی تمام انسانوں سے افضل تھیں۔ اور اس کے ساتھ عقل کا یہ فیصلہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفصول کو ترجیح دینا خلاف عقل ہے اور قبیح فعل ہے۔

آیت مجیدہ میں حضرت علیؑ کو نفس رسولؐ کہا گیا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپؐ فی الحقیقت نفس رسولؐ تھے، کیونکہ دو چیزوں کو ایک چیز نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس سے مراد ان ہستیوں کا صفات و کمالات میں مشترک ہونا ہے اور آیت خاتم النبیین اور لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے ذریعے سے نبوت کا منصب خارج ہو جائے گا۔ نبوت کے علاوہ باقی تمام صفات باقی رہیں گی اور ان میں وجوب اطاعت، ریاست عامہ اور دوسروں سے افضل ہونا سرفہرست ہے۔ امام رازی اپنی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں:

شیعہ اس آیت سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل تھے اور وہ اس کے لیے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ آیت مہملہ میں موجود لفظ اَنْفُسَنَا سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ اَنْفُسَنَا کے مصداق حضرت علیؑ ہیں۔ جیسا کہ اخبار صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔



اور یہ بات بالکل واضح ہے: نَفْسٌ عَلَىٰ بَعِيْنِهِ نَفْسٌ مُّحْتَدٌ نہیں تھے۔ لہذا اس سے دو نفوس کے درمیان مساوات مراد ہوگی۔ اور یہ مساوات اس امر کی متقاضی ہے کہ محمد مصطفیٰ کو جو فضائل و مناقب حاصل ہیں اتنے ہی فضائل حضرت علیؑ کو حاصل ہوں گے۔ البتہ فضیلتِ نبوت اس سے مستثنیٰ ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ محمد مصطفیٰ تمام مخلوق سے افضل ہیں لہذا حضرت علیؑ منسبِ رسولؐ کی حیثیت سے تمام لوگوں سے افضل ہوں گے کیونکہ افضل کا مساوی افضل ہی ہوتا ہے۔

شیخ کاظم ازدی نے اس مفہوم کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے:

یابن عم النبی انت ید	اللہ التی عم کل شیء نداھا
خصک اللہ فی مآثرشتی	ہی مثل الاحداد لا تتناہی
لیت عینا بغیر روضک ترغی	قذیت واستمر فیہا قذاھا
لک ذات کذاۃ حیث لولا	انھا مثلھا لسا آھاھا

”اے نبی اکرمؐ کے ابنِ عم! آپؐ خدا کے وہ ہاتھ ہیں جس کی سخاوت ہر چیز پر دکھائی دیتی ہے۔ اللہ نے آپؐ کو بہت سے خصائص کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ آپؐ کے خصائص کا اعداد کی طرح سے کوئی شمار نہیں ہے۔ جو آنکھ آپؐ کے گلشن کے علاوہ اور طرف دیکھنے کی عادی ہے کاش اس میں ہمیشہ کے لیے تنکا پڑ جائے۔ آپؐ کی ذات رسولِ مقبولؐ کی ذات کے مانند ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ آپؐ کو اپنا بھائی ہی نہ بناتے۔“



## علی علیہ السلام حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنشَأْ وَلِيَّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ  
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَاكِرُونَ ۝ (سورۃ مائدہ: آیت ۵۵)

”تمہارا ولی بس اللہ ہے اور اُس کا رسول ہے اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔“

اسی آیت مجیدہ کے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے اسلام قبول کیا۔ ان میں عبداللہ بن سلام، اسد، ثعلبہ اور ابن مسعود جیسے افراد سرفہرست تھے۔ یہ لوگ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور آپ کے بعد ہمارا سرپرست کون ہے؟

اس وقت یہ آیت اِنشَأْ وَلِيَّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ..... نازل ہوئی۔

پھر رسول خدا نے فرمایا: اُٹھو اور مسجد کی طرف چلیں۔ جب مسجد کے قریب گئے تو وہاں سے ایک سائل نکل رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اُس سے فرمایا: کیا تجھے کسی نے کچھ عطا کیا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں، مجھے یہ انگوٹھی ملی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ انگوٹھی کس نے عطا کی ہے؟

سائل نے کہا: مجھے یہ انگوٹھی اس نے دی ہے، جو نماز پڑھ رہا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: جب اس نے تجھے انگوٹھی دی تھی تو وہ کس حالت میں تھا؟

سائل نے کہا: اس نے حالت رکوع میں مجھے یہ انگوٹھی دی تھی۔

رسول اکرمؐ نے تکبیر کہی اور آپؐ کے ساتھ اہل مسجد نے بھی تکبیر کہی۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: علیؑ بن ابی طالبؑ میرے بعد تمہارا ولی اور سرپرست ہے۔

حاضرین نے کہا کہ ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمدؐ کے نبی ہونے اور علیؑ کے ولی ہونے پر راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ○ (سورۃ مائدہ: آیت ۵۶)

”جو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اہل ایمان کی ولایت کو قبول کرے گا بے شک اللہ کا کروہی غالب ہے۔“

اس وقت حسان بن ثابت کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ اشعار کہے:

اباحسن فدتك نفسى ومهجتي      وكل بطنى فى الورى ومسامر  
فانت الذى اعطيت اذ كنت راكعا      فدتك نفوس القوم ياخير راكع  
فانزل فيك الله خير ولاية      وبينها فى محكمات الشرائع  
”اے اباحسن! تجھ پر میری جان اور روح قربان ہو اور زمانے میں چلنے والا ہرست رو اور تیز رو تجھ پر قربان۔ تو نے حالت رکوع میں خیرات عطا کی۔ اے بہترین رکوع کرنے والے! لوگوں کی جانیں آپؐ پر فدا ہوں۔ خدا نے تمہارے حق میں آیت ولایت نازل فرمائی اور اسے حکمت شرائع میں بیان کیا۔“

حسان بن ثابت نے اس موضوع پر یہ اشعار بھی کہے تھے:

على امير المؤمنين اخو الهدى      وافضل ذى نعل ومن كان حافيا  
واول من ادى الزكوة بكفه      واول من صلى ومن صام طاويا  
فلما اتاه سائل مدكفه      اليه ولم يبخل ولم يك جافيا  
فدس اليه خاتبا وهو راكع      وما زال اداه الى الخير داعيا  
فبشر جبريل النبى محمدا      بذاك وجاء الوسى فى ذاك ضاحيا

”امیر المومنین علیؑ ازل سے صاحب ہدایت ہیں اور ہر جوتا پہننے والے اور ننگے پاؤں چلنے والوں سے افضل ہیں۔ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ سے زکوٰۃ دی اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز پڑھی اور بھوکا رہ کر روزہ رکھا۔ جب سائل ان کے پاس گیا تو انہوں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف دراز کیا اور انہوں نے کسی طرح کے نکل کا مظاہرہ نہ کیا اور وہ سنگ دل نہیں ہیں۔

حالت رکوع میں اُسے انگوشی دی، وہ ہمیشہ سے ہی نیکی کے کاموں میں سبقت حاصل کرنے والے رہے ہیں۔ اس کے متعلق جبریلؑ امین خدا کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰؐ پر وحی لے کر آئے۔“

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ و اشہادین نے آپؐ کو ان الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا:

فدیت علیا امام الوری	سراج البریۃ مأوی التقی
وصی الرسول و زوج البتول	امام البریۃ شمس الضحیٰ
تصدق خاتہ راکعا	فاحسن بفعل امام الوری
ففضله الله رب العباد	وانزل فی شانہ هل آئی

”کائنات کے امام علیؑ پر میری جان قربان ہو کہ وہ مخلوق میں چراغ ہیں اور پرہیزگاری کے لیے لہجہ و ماویٰ ہیں۔ وہ وصی رسولؐ اور شوہر بتول ہیں۔ وہ کائنات کے امام اور روشن سورج ہیں۔ انہوں نے حالت رکوع میں اپنی انگوشی راہِ خدا میں صدقہ کی ہے۔ امام کائنات کا یہ فعل کتنا ہی بہتر اور خوبصورت ہے۔ بندوں کے پروردگار نے اُسے فضیلت بخشی اور اس کی شان میں سورہ ہل آئی نازل فرمائی۔“

نزولِ آیت کے متعلق دوسری روایت

جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد نبویؐ میں رسولؐ خدا کی خدمت میں

بیٹھے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں ایک اعرابی آیا، جس کے سر کے بالوں میں خاک تھی اور اس نے پٹے پٹے پھانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کی شکل و صورت سے غربت و مفلسی لگ رہی تھی۔ اس کے ہمراہ اس کے کفن بچے تھے۔ وہ نبی اکرمؐ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے اپنی غربت کا اظہار ان اشعار سے کیا:

اتيتك والعدر وتبكي برنة      وقد ذهلت امر الصبي من الطفل  
وافت وبتان وام كبيدة      وقد كدت من فقرى اخالط في عقل  
وقد مسنى فقر وذل وفاقة      وليس لنا شئ يبر ولا يحلى  
ولسنا نرى الا اليك فرارنا      فاين مقر الخلق الا الى الرسل

”میں آپؐ کے پاس اس حالت میں آیا ہوں کہ میری کنواری بیٹی زور زور سے رو رہی ہے اور بچے کی ماں کو بچہ بھول چکا ہے۔ میری ایک بہن دو بیٹیاں اور ایک بوڑھی ماں ہے۔ افلاس کی وجہ سے میری عقل ختم ہونے کو ہے۔ فقر، ذلت اور فاقہ نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے۔ ہمارے پاس کھانے کے لیے میٹھی اور کڑوی چیز نہیں ہے۔ ہم فرار کر کے آپؐ کے پاس آئے ہیں، کیونکہ مخلوق رسولوں کی طرف نہیں جائے گی تو پھر کہاں جائے گی؟“

رسول اکرمؐ نے اس کی داستان فقر سنی تو آپؐ نے بہت زیادہ مریہ کیا اور اپنے صحابہ سے فرمایا: اے کروہ مسلمین! اللہ نے تمہیں ثواب کمانے اور اجر عظیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ جو اس کی حاجت روائی کرے گا تو خدا اُسے جنت میں ابراہیم علیہ السلام کے محل کے سامنے جگہ عطا کرے گا۔ تم میں سے کون ہے جو اس غریب کی کمکاری کرے؟

بزم صحابہ میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت حضرت علیؓ مسجد کے ایک کونے میں نماز نوافل ادا کر رہے تھے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اعرابی کو اشارہ کیا۔ وہ آپؐ کے قریب آیا۔ آپؐ نے حالت رکوع میں اپنی انگلی اُتار کر اس کے سپرد کی۔

اعرابی نے انگلی لی اور واپس چلا گیا۔ اس وقت جبریل امینؑ آنحضرتؐ پر نازل ہوئے

اور کہا کہ آپؐ کا پروردگار آپؐ کو سلام کہتا ہے اور اس نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے:

إِنَّا وَلِيُّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ  
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَاكِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ  
الَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (سورہ مائدہ: آیت

(۵۶-۵۵)

اس وقت آنحضرتؐ اٹھے اور فرمایا: اے گروہِ مسلمین! آج کے دن تم میں کس نے ایسا نیک کام کیا ہے کہ خدا نے اُسے اپنا ولی مقرر کیا ہے؟

صحابہؓ نے عرض کیا: ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا البتہ آپؐ کے ابنِ عم نے حالتِ رکوع میں سائل کو انگلی دی ہے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: جنت کے وہ بالا خانے علیؑ کے لیے واجب ہو گئے ہیں۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ کے سامنے إِنَّا وَلِيُّكُمْ اللَّهُ..... کی آیت تلاوت فرمائی۔

### نزولِ آیت کے متعلق تیسری روایت

مناقب اور کشف الغمہ میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ چاؤ و زہم کے منڈیر پر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ احادیثِ نبویؐ بیان کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس نے عمامہ کے ساتھ منہ ڈھانپا ہوا تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: تو وہ شخص بھی کہتا کہ واقعی رسولؐ خدا نے یہ بات کہی تھی۔

ابن عباسؓ کھڑے ہوئے اور آنے والے سے کہا کہ میں آپؐ کو خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آپؐ کون ہیں؟

نوادار نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کہا: لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں رسولؐ خدا کا بدری صحابی جناب بن جنادہ ابوذرؓ خضاری ہوں۔ میں نے رسولؐ خدا سے اپنے ان کانوں سے سنا ہے اور اگر نہ سنا ہو تو خدا کرے میرے کان بہرے ہو جائیں اور وہ منہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگر نہ

دیکھا ہو تو خدا کرے کہ میری آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ میں نے رسول خدا سے سنا:  
 علی قائد البدرۃ وقاتل الکفرۃ منصور من نصرہ فخذول من خذله  
 ”علیؑ پر میزگاروں کا رہبر ہے، کافروں کا قاتل ہے جو اس کی مدد کرے  
 تو خدا اُس کی مدد کرتا ہے اور جو اُسے بے یار و مددگار چھوڑے تو خدا  
 اُسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔“

لوگو! میں (ابوذرؓ) نے ایک دن رسول خدا کی اقتدا میں ٹھہری نماز پڑھی۔ ایک سائل  
 نے مسجد میں آکر سوال کیا لیکن کسی نے اُسے کچھ نہ دیا۔ سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف  
 اٹھائے اور کہا: خدایا! گواہ رہنا کہ میں نے مسہر رسولؐ میں سوال کیا، لیکن مجھے کسی نے کچھ  
 نہیں دیا۔

اس وقت حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ آپؐ نے اُسے چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا۔ آپؐ  
 اُس میں انگلی پھنسا کر رہے تھے۔ سائل آیا اور انگشتی اُتار کر چلا گیا۔ یہ سب کچھ رسول خدا  
 کے سامنے ہوا۔ پھر جب نبی اکرمؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف  
 بلند کیے اور کہا:

”پروردگارا! میرے بھائی موسیٰؑ نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ میرے سینہ کو  
 کشادہ کر اور میرے معاملات میرے لیے آسان فرما اور میری زبان کی  
 گریں کھول دے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ میرے خاندان میں  
 سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر  
 مضبوط فرما اور اُسے میرے معاملات میں شریک فرما۔“

خدایا! تو نے حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول فرمائی تھی اور اُس سے قرآنی  
 الفاظ میں یہ کہا تھا: ”ہم حیرے بھائی سے حیرے بازو کو مضبوط کریں گے  
 اور تم دونوں کے لیے حکومت قرار دیں گے۔ تمہارے دشمن تمہارے  
 قریب نہ آسکیں گے۔“

خدایا! میں محمدؐ حیرا نبی اور علیؑ ہوں۔ پروردگارا! میرے لیے میرا سینہ کشادہ

کردے، میرے معاملات میرے لیے آسان کر دے اور میرے خاندان میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا، اس کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط فرما۔“

جیسے ہی رسولؐ خدا کی یہ دعا مکمل ہوئی تو آپؐ پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا: محمدؐ! آپؐ یہ پڑھیں:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَاكِرُونَ ○ (سورہ مائدہ: آیت ۵۵)

مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امیر المؤمنین علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ نے سائل کو انگشتی عطا کی تھی۔ شان نزول میں اگرچہ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن مضمون ایک ہے۔

### سورہ ہل آئی کا نزول

شیخ صدوقؒ نے امالی میں اپنی استاد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقرؑ سے سورہ ہل آئی کی آیت دُیُوفُونَ بِالنَّذْرِ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ایک دفعہ حضرت حسن اور حضرت حسینؑ بیمار ہوئے۔ اس وقت وہ دونوں مصوم تھے۔ رسولؐ خدا اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ کے ساتھ دو اور افراد بھی تھے۔ ان دو میں سے ایک نے حضرت علیؑ سے کہا: اے ابوالحسنؑ! اگر آپؐ اپنے شہزادوں کی خاطر خدا کے حضور منت مان لیں تو اللہ تعالیٰ انھیں شفا یاب کر دے گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں خدا کے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر میرے دونوں بچے شفا یاب ہو گئے تو میں روزے رکھوں گا۔

حضرت فاطمہؑ زہراؑ نے بھی اپنے شوہر کی طرح تین روزوں کی منت مانی۔ والدین کو دیکھ کر دونوں بچوں نے بھی اپنی شفا یابی کے لیے تین روزوں کی نیت کر لی۔ جب گھر کے



افراد نے روزہ کی نیت کی تو اُس گھر کی خادمہ بی بی فضلہؓ نے بھی تین روزوں کی منت مان لی۔ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو صحت عطا کی۔ آل محمدؐ نے منت کو پورا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔ اُن کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ حضرت علیؓ ایک یہودی ہمسائے کے پاس گئے جس کا نام ”شمعون“ تھا اور وہ اُون کا کاروبار کرتا تھا۔

آپؐ نے یہودی سے فرمایا: تم مجھے کچھ اُون دے دو۔ رسولؐ خدا کی صاحبزادی عین صاریجؓ کے عوض اُسے کاٹے گی۔

اس نے کچھ اُون اور جو آپؐ کے سپرد کیے۔ حضرت علیؓ وہ جو اور اُون لے کر اپنی زوجہ کے پاس آئے۔ بی بیؓ نے پہلے دن ایک تھائی اُون کاٹا اور اس کے عوض ایک صاریج جو لیے، ان کو بیس کر آٹا بنایا اور اُس سے پانچ روٹیاں تیار کیں۔

گھر کے ہر فرد کے لیے ایک روٹی تیار کی گئی۔ شام ہوئی حضرت علیؓ نماز مغرب کے لیے مسجد نبویؐ گئے اور نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔

تمام افراد خانہ دسترخوان پر بیٹھے۔ ابھی آپؐ نے پہلا لقمہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر ایک شخص نے آکر صدا دی: اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ يَا اَهْلَ بَيْتِ مُحَمَّد۔

میں ایک مسلمان مسکین ہوں، مجھے طعام کلاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان کا کھانا نصیب کرے گا۔

حضرت علیؓ نے وہ لقمہ کھائے بغیر رکھ دیا اور آپؐ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا:

يا فاطمہ ذات البجد والیقین      یا بنت خیر الناس اجمعین

ان اشعار میں آپؐ نے حضرت سیدہ کو مساکین نوازی کی ترغیب دی تھی۔

حضرت سیدہؓ نے جواب میں کہا:

امرک سمع یا بن عم وطاعة      ما بی من لوم ولا وضاعة

ان اشعار میں حضرت سیدہؓ نے اپنی مساکین نوازی کا تذکرہ کیا۔

الغرض حضرت علیؓ نے اپنی روٹی اٹھائی۔ حضرت سیدہؓ نے اپنے حقہ کی روٹی اس میں

شامل کی اور حسنینؓ کریمینؓ نے اپنے اپنے حقہ کی روٹیاں اس میں شامل کیں اور حضرت فضلہؓ

نے بھی اپنی روٹی ان میں شامل کی۔

حضرت علیؑ نے وہ پانچ روٹیاں مسکین کے سپرد کیں اور کچھ کھائے بغیر سو گئے۔ صبح ہوئی تو خالی پیٹ سب نے روزہ رکھا۔ حضرت سیدہؓ نے اُون کی ایک اور تہائی کو کاٹا اور ایک صاع جو لیے، انھیں پیش کر آنا بتایا اور پانچ روٹیاں تیار کیں۔

حضرت علیؑ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آئے اور دسترخوان بچھایا گیا۔ افرادِ خانہ دسترخوان کے گرد بیٹھے۔ ابھی حضرت علیؑ نے پہلا لقمہ ہی توڑا تھا کہ دروازے پر کسی نے آواز دی: اے اہل بیت! تم پر سلام ہو۔ میں ایک مسلمان یتیم ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ۔ اس کے عوض خدا تمہیں جنت کے دسترخوان پر کھانا کھلائے گا۔

حضرت علیؑ نے وہ لقمہ رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فاطم بنت السید الکَرِیم      قد جاءنا بذا الیتیم

سیدہ زہراؑ نے شوہر کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے جواب دیا:

فسوف اعطيه ولا ابال      واوثر الله على جبال

امسوا جیاعا و هم اشبال

اس دن بھی حضرت علیؑ نے پانچ روٹیاں اٹھا کر یتیم کے پلو میں ڈال دیں اور افرادِ خانہ کچھ کھائے بغیر رہ گئے۔

الغرض تیسرا دن ہوا۔ سب نے کچھ کھائے بغیر روزہ رکھا۔ حضرت زہراؑ نے اُون کاٹا، اس کے عوض ایک صاع جو لیے۔ آٹا بنایا پھر روٹیاں بنا کر دسترخوان پر رکھ دیں۔

حضرت علیؑ نمازِ مغرب پڑھ کر گھر آئے اور آپؐ نے لقمہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے آواز دی: اے اہل بیت! تم پر سلام ہو۔ آپ لوگ ہمیں قیدی بناتے ہیں اور ہمیں کھانا نہیں کھلاتے!!

حضرت علیؑ نے لقمہ واپس رکھا اور حضرت سیدہؓ سے خطاب کیا:

فاطم یا بنت النبی احمد      بنت نبی سید مسود

حضرت زہراؑ نے جواب میں کہا:

لم يبق مما كان غير صام قد دبرت كفى مع الذراع  
 ”پھر سیدہ نے اپنی عداوت کا تذکرہ کیا۔ اب کی بار بھی حضرت علیؑ نے  
 دسترخوان پر موجود پانچوں روٹیاں اٹھا کر سائل کے حوالے کیں اور آل محمدؑ  
 نے وہ شب بھی بھوک کی حالت میں بسر کی۔“

پھر حضرت علیؑ و حسینؑ کا ہاتھ تھامے رسول خدا کے پاس گئے۔ بھوک کی وجہ سے  
 اُن کی حالت کافی خیر ہو چکی تھی اور دونوں معصوم بچے چڑوں کی طرح سے کانپ رہے تھے۔  
 جب رسول خدا نے یہ حالت دیکھی تو آپؐ نے فرمایا: اے ابوالحسن! بچوں کی یہ حالت  
 کیوں بنی ہوئی ہے؟

حضرت علیؑ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ رسول خدا تیزی سے اپنی صاحبزادی کے پاس  
 تشریف لائے۔

اُس وقت حضرت سیدہ محراب عبادت میں مصروف عبادت تھیں اور مسلسل بھوک کی  
 وجہ سے آپ کا حکم پشت سے لگا ہوا تھا اور بی بی کی آنکھیں اندر کودھنس چکی تھیں۔  
 رسول خدا نے بیٹی کو سینے سے لگایا اور کہا: ہائے خدا کی پناہ تم لوگ تین دن سے  
 بھوکے ہو۔

اس وقت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ نے جو کچھ آپؐ کی  
 اہل بیتؑ کی شان بیان کی ہے آپؐ اُسے وصول کریں۔

اس وقت جبرئیل امینؑ نے هَلْ اَتَى عَلَى الْاِنْسَانِ ..... سے لے کر ان هذا كان  
 لكم جزاء وكان سعيكم مشكورا تک کی آیات آنحضرتؐ کو پڑھ کر سنائیں۔

حسن بن مہران کی روایت میں بیان ہوا ہے کہ نبی اکرمؐ بڑی تیزی سے اپنی  
 صاحبزادی کے گھر تشریف لائے، انھیں جمع کیا اور اُن کی حالت دیکھ کر رونے لگے اور فرمانے  
 لگے: تم کتنے دنوں سے بھوکے ہو؟ اس وقت جبرئیل امینؑ یہ آیات لے کر نازل ہوئے:

اِنَّ الْاَبْرَادَ يَشْعَبُونَ مِنْ كَاسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنَا يَشْرَبُ  
 بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يَفْجَرُوْنَهَا تَفْجِيرًا ۝ (سورہ دھر: آیت ۵-۶)

یہ چشمہ نبی اکرم ﷺ کے گھر میں ہوگا، یہیں سے اُس کی شاخیں انبیاءِ مومنین کے گھروں کو جائیں گی۔ یُوْقُوْنَ بِالنَّذْرِ وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں یعنی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور اُن کی کنیز حضرت فضہؑ۔

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ○ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ

حَبِّهِ (سورہ دھر: آیت ۷-۸)

یعنی اگرچہ انھیں خود بھی طعام کی ضرورت ہوتی ہے، پھر بھی ایثار سے کام لے کر مسلمان مسکین و یتیم اور مشرکین کے مشرک قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کھانا کھلاتے وقت اُن کی نیت یہ ہوتی ہے:

إِنَّمَا نَقْضُكُم لِرُوحِهِ اللَّهُ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ○ (سورہ

دھر: آیت ۹)

”ہم تمہیں اللہ کی رضا کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ اور کسی طرح کے شکر یہ کے خواہش مند نہیں ہیں۔“

یہ الفاظ خاندانِ مصطفیٰ نے اپنی زبان سے نہیں کہے تھے، اللہ نے اُن کے ضمائر پر نظر کی اور اُس کی ترجمانی فرمائی۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّعَهُمْ نَضْرَةً وَسَمُودًا ○ (سورہ دھر:

آیت ۱۱)

”اللہ نے انھیں اس دن کے شر سے محفوظ رکھا اور اُن کے چہروں پر شادابی اور دلوں میں شرور عطا کرے گا۔“

وَجَزَّاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً (سورہ دھر: آیت ۱۲)

”اُس صبر کے عوض میں انھیں جنت عطا کی، جہاں وہ رہیں گے۔“

وَحَرَّيْرًا — اور جنت کا ریشم عطا کیا جس سے اُن کے قالین تیار ہوں گے اور وہ ریشم کے لباس پہنیں گے۔

مُتَكَبِّرِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ وہ ”ارائک“ پر تکیہ نشین ہوں گے۔ لفظ ”ارائک“ اریکۃ کی جمع ہے اور اریکۃ اس چارپائی کو کہا جاتا ہے جس پر ”مُجَلَّہ“ بنا ہوا ہو۔  
لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ”وہ وہاں سورج (دھوپ) اور ٹھنڈک کو نہیں دیکھیں گے۔“

علامہ مجلسی تحریر کرتے ہیں کہ سورہ ہل آئی کے شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس پر تمام محدثین و مفسرین کا اتفاق ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس جیسے ایثار کی توقع خاندانِ مصطفیٰ کے علاوہ اور کسی گھرانے سے نہیں کی جاسکتی۔  
یہ سورہ مبارکہ آلِ محمدؐ کی عظمت و جلالت کا منہ بولا ثبوت ہے۔

### اعتراضات کے جوابات

کچھ لوگ اس واقعہ پر اذرا و تعجب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کوئی انسان تین دن تک بھوک کیسے برداشت کر سکتا ہے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی خلافِ عقل بات نہیں ہے۔ کچھ رسائل میں تو ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ کچھ افراد نے نو دن کا مسلسل روزہ رکھا اور اس دوران اُن کے حکم میں نہ تو کھانا گیا اور نہ ہی انھوں نے پانی پیا مگر اس کے باوجود وہ زندہ رہے۔

اہلِ ریاضت تو حیران کن طریقہ سے بھوک پیاس کا سامنا کرتے ہیں۔ کچھ اہلِ ریاضت ایسے بھی ہیں جنہوں نے پورے دن میں صرف ایک بادام پر گزارا کیا اور کئی برس تک اُن کی یہی کیفیت رہی۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں جو شخص زیادہ کھانے کا عادی ہو تو اُس کے لیے تین دن بھوکے رہنا مشکل ہوتا ہے اور جو شخص بھوک کا عادی ہو تو اُس کے لیے بھوک کا برداشت کرنا ممکن ہوتا ہے۔

کچھ افراد جنہیں آلِ محمدؐ کی فضیلت راس نہیں آتی وہ اس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بھلا یہ کیسی سفاوت ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو بھوکا رکھ کر دوسروں کو کھانا کھلاتا رہے؟

ان لوگوں سے التماس ہے کہ اسی چیز کو ایثار کہا جاتا ہے۔ انسان اپنی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اہل ایثار کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے:

وَيُثْرُوْنَ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورہ حشر: آیت ۹)

”وہ ایثار سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود بھی حاجت مند ہوتے ہیں۔“

اگر ایثار تسبیح ہوتا تو اللہ اہل ایثار کی تعریف ہی کیوں کرتا؟

اگر اس طرح کا ایثار مذموم ہوتا تو اللہ تعالیٰ آل محمدؐ کی شان میں سورہ حلّ آئی کو کیوں نازل فرماتا۔

جہلاء کچھ کہتے ہیں کہ آل محمدؐ کا یہ ایثار روز قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور جب بھی کوئی مسلمان سورہ حلّ آئی کی تلاوت کرے گا تو اس کے سامنے آل محمدؐ کی وقائے نذر اور ایثار کی بے نظیر مثالیں سامنے آئیں گی۔



## علیؑ مولا کا حضرت عباسؑ پر فخر کرنا

حاکم ابوالقاسم حسکانی نے ابن بریدہ سے روایت کی ہے اور اُس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ شیبہ بن ابی طلحہ اور عباس بن عبدالمطلب نے ایک دوسرے پر فخر کیا۔ حضرت علیؑ وہاں سے گزرے تو انھوں نے اُن سے کہا: تم کس بات پر فخر کر رہے ہو؟ عباس نے کہا: مجھے وہ فضیلت ملی ہے جو کسی کو نہیں ملی، حجاج کو پانی پلانا میری ذمہ داری ہے۔

شیبہ نے کہا: میں مسجد الحرام کا متولی ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم دونوں بزرگ ہو اور میں تم دونوں سے کم سن ہوں لیکن مجھے جو فضیلت ملی ہے وہ تم دونوں کو نہیں ملی۔

دونوں نے کہا: آپ کو کون سی فضیلت ملی ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے تم دونوں کے ناکوں پر تلوار کے وار کیے، یہاں تک کہ تم دونوں خدا اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔

عباس کو یہ سن کر غصہ آیا اور وہ غصہ کی حالت میں اٹھ کر رسولؐ خدا کی طرف روانہ ہوا،

اور اُس نے رسولؐ اکرم سے کہا: آپ نے نہیں دیکھا کہ علیؑ نے ہماری کیسی بے ادبی کی ہے؟

رسولؐ اکرم نے فرمایا: علیؑ کو بلاؤ۔ جب حضرت علیؑ آئے تو رسولؐ خدا نے آپؑ

سے فرمایا: تم نے اپنے چچا کی بے ادبی کیوں کی؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ان سے سچی بات کہی ہے۔ اب ان پر

مختصر ہے کہ وہ اس پر ناراض ہوں یا راضی ہوں۔

اس وقت جبریل امین نازل ہوئے اور کہا: آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ آیت نازل کی ہے:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآئِ بِ وَ حِمَارَةَ النَّسْجِدِ الْحَرَامِ كَسَنَ أَمَنَ بِ اللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ جَهَدَنِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ (سورۃ توبہ: آیت ۱۹)  
”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آباد کاری کو اس کے  
مانند بنایا جو کہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا  
وہ آپس میں برابر نہیں ہیں۔“

جب جناب عباس نے یہ آیت سنی تو تین بار کہا: ہم راضی ہیں۔

### آیتِ نمحوی

ہم نے پہلے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسی خصوصیات سے  
نوازا ہے کہ جن میں آپ مفرد ہیں اور آپ کا کوئی بھی ان صفات میں شریک نہیں ہے۔  
امیر کائنات اپنی خصوصیات پر فخر کیا کرتے تھے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیتِ نمحوی  
نازل کی اور اس پر حضرت علیؑ کے علاوہ کسی بھی مسلمان نے عمل نہیں کیا۔ وہ آیت مجیدہ یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ  
نَجْوَاكُمْ صَدَقَ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَظْهَرُ (سورۃ مجادلہ: آیت ۱۲)

”اے اہل ایمان! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی سے پہلے  
صدقہ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔“

فطیمی اور واحدی کے علاوہ دیگر مفسرین نے لکھا کہ دولت مند افراد نے رسولؐ خدا سے  
زیادہ سرگوشیاں شروع کر دی تھیں اور حضورؐ کے پاس مجالس میں غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

رسول اکرمؐ کو یہ طرزِ عمل ناگوار گزرا اور ان کی زیادہ سرگوشیوں سے آپؐ تنگ آ گئے۔  
اس پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ نمحوی نازل کی اور حکم دیا کہ جس نے رسولؐ خدا سے سرگوشی کرنی ہو تو



پہلے صدقہ دے، پھر آپؐ سے سرگوشی کرے۔

غریبوں کے پاس دولت نہ تھی، اسی لیے وہ صدقہ دینے سے قاصر تھے اور دولت مندوں نے تجوی سے کام لیا۔ لہذا رسولؐ خدا کو سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس پر عمل نہ کرنے کا طعنہ دیا اور اپنے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: اللہ کی کتاب میں ایک آیت ایسی بھی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا تھا اور میرے بعد کوئی بھی اس پر عمل نہیں کر سکے گا اور وہ آیت نوحی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اس کو change کروایا اور دس درہم حاصل کیے اور میں جب بھی آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو ایک درہم صدقہ میں دے دیتا اور یوں میں نے دس مرتبہ آنحضرتؐ سے سرگوشی کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو منسوخ کر دیا اور فرمایا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تَقْدِمُوْا بَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ (سورۃ مجادلہ: آیت ۱۳)

”کیا تم سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے سے گھبرائے ہو؟“

اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو سرے سے ہی منسوخ کر دیا۔

ابن عمر کا قول ہے کہ خدا کی طرف سے علیؓ کو ایسی تین فضیلتیں دی گئی ہیں، اگر مجھے اُن میں سے ایک بھی حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ رنگ کے اُذنوں سے زیادہ محبوب ہوتی:

① علیؓ کی شادی حضرت فاطمہؓ زہراؓ سے ہوئی۔

② جنگ خیبر میں رسولؐ اکرمؐ نے علیؓ کو پرچم اسلام (علم) عطا کیا تھا۔

③ علیؓ نے ہی آیت نوحی پر عمل کیا تھا۔

شیخ طوسیؒ لکھتے ہیں کہ ترمذی اور فطہی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”میری وجہ سے خدا نے اس اُمت کو تخفیف دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے صحابہؓ کو آزمایا تھا اور انھیں صدقہ دے کر مناجات کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی وجہ سے صحابہؓ نے آنحضرتؐ سے سرگوشی ترک کر دی تھی۔“

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ میرے پاس ایک

دینا رہتا۔ میں نے وہ دینا راہِ خدا میں صدقہ دے دیا تھا۔ اس آیت پر صرف میں نے عمل کیا تھا۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی توبہ قبول کی اور اگر اس آیت پر کوئی شخص عمل نہ کرتا تو اُمت پر عذاب نازل ہو جاتا۔

### دس اہم باتیں

کتاب فرامد المصطفیٰ میں مرقوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دس درہموں کے عوض آنحضرتؐ سے دس بار سرگوشی کی اور ہر بار رسول خدا سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے آنحضرتؐ سے دس بار سرگوشی کی اور آپؐ نے مجھے دس اہم باتوں کی تعلیم دی۔

ہم ذیل میں ان سوالات اور ان کے جوابات کو مکالمہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

علی رضی اللہ عنہ: یا رسول اللہ! وفا کیا ہے؟

رسول خدا: توحید، یعنی لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا۔

علی رضی اللہ عنہ: فساد یعنی بگاڑ کیا ہے؟

رسول خدا: کفر اور خدا کے ساتھ شرک کرنا۔

علی رضی اللہ عنہ: حق کیا ہے؟

رسول خدا: اسلام، قرآن اور ولایت جب تم تک پہنچے۔

علی رضی اللہ عنہ: حیلہ کیا ہے؟

رسول خدا: ترک حیلہ ہی حیلہ ہے۔

علی رضی اللہ عنہ: میرا فریضہ کیا ہے؟

رسول خدا: اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرنا۔

علی رضی اللہ عنہ: خدا سے دعا مانگنے کا سلیقہ کیا ہے؟

رسول خدا: صدق و یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے۔

علی رضی اللہ عنہ: میں اللہ سے کیا مانگوں؟

رسول خدا: خدا سے عافیت طلب کرو۔

علیؑ: مجھے اپنی نجات کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

رسول خدا: حلال کھاؤ اور بچ کھو۔

علیؑ: ضرور کہاں ہے؟

رسول خدا: ضرور جنت میں ہے۔

علیؑ: مومن کو راحت کب ملتی ہے؟

رسول خدا: اللہ کی ملاقات سے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرتؐ سے جب یہ سوالات کر لیے تو اُس کے بعد سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہی منسوخ ہو گیا۔

بعض اُلام نے کہا ہے کہ جب کوئی ان دس کلمات کی گہرائی پر نظر کرے گا تو اُسے محسوس ہوگا کہ یہ حکمت آمیز تعلیمات خاصانِ خدا کا خاصہ ہیں اور یہ تعلیمات اتنی قیمتی ہیں کہ انسان اگر ساری دولت بھی ان پر قربان کر دے تو بھی گھانٹے کا سودا نہیں ہے۔ امیر المومنینؑ کے پاس کُل دولت ایک دینار تھی۔ آپؑ نے وہ دولت خرچ کی اور یہ تعلیمات حاصل کی تھیں۔ ہم نے اپنی سابقہ گفتگو میں یہ عرض کیا تھا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت علیؑ اپنی جان بچ کر آنحضرتؐ کے بستر پر سوئے تھے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں بیسیوں آیات ایسی ہیں جن میں حضرت علیؑ کی تعریف کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں حضرت علیؑ کو شہید، شاہد، مشہود، ذکر، ثور، بھٹی، صادق، مُصدق، صدیق، فضل، رحمت، نعمت اور صاحبِ علم الکتاب کے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور حدیث سے ان اسماء کی تصدیق ہوتی ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف اشارے پر اکتفا کیا ہے۔ ہم عنقریب ایسی آیات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جن کا امامؑ سے ارتباط ہے۔



## علی علیہ السلام اور علم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ زمر: آیت ۹)

”آپؐ کہہ دیں کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟“

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم ہی فضیلت و کمال کا ذریعہ ہے اور دنیا کا ہر انسان علم کی عظمت کا معترف ہے اور ہر شخص اپنی فطرت کی روشنی میں عالم کو جاہل پر فضیلت دیتا ہے۔ اسلام نے بھی علم اور عالم کی فضیلت بیان کی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

”علم کی تلاش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں علم کی عظمت اور اُس کی قدر و قیمت پر گفتگو کی گئی ہے اور اہل علم کی تعریف کی گئی ہے۔

عدالت اور فیصلہ کے شعبہ کا علم سے گہرا رابطہ ہے، کیونکہ اس شعبہ کے لیے احکام شریعہ اور آداب قضا و فتویٰ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور معرفت خداوندی کے درجات بھی علم پر منحصر ہیں۔ حضرت علیؑ کے علم اور آپؐ کے ایمان کی گہرائی کو بیان کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ نبی اکرمؐ کی ایک حدیث صحیح میں یہ بیان کیا گیا ہے:

يَا عَلِيُّ لَا يَعْرِفُ اللَّهُ إِلَّا أَنَا وَأَنْتَ وَلَا يَعْرِفُنِي إِلَّا اللَّهُ وَأَنْتَ وَلَا يَعْرِفُكَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَا

”اے علیؑ! اللہ کی (کما حقہ) معرفت فقط مجھے اور تجھے حاصل ہے۔ مجھے اللہ اور آپؐ ہی (کما حقہ) پہچانتے ہیں اور تجھے اللہ اور میں ہی (کما حقہ) پہچانتے ہیں۔“

کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ علم امامؑ کے حدود و قیود کو بیان کرے، کیونکہ آپؐ کا علم رسولؐ خدا کے علم سے ماخوذ ہے اور رسولؐ خدا کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے ماخوذ ہے۔ آپؐ کا علم کسی نہیں تھا۔ آپؐ کا علم خدا کے فیضان کا نتیجہ تھا۔

قرآن کریم میں ہمیں بہت سی ایسی آیات دکھائی دیتی ہیں جن میں انبیاءؑ کے علم پر بحث کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ یہ واضح کیا ہے کہ انبیاءؑ کے علم کا منبع ذاتِ خداوندی ہے اور انبیاءؑ براہِ راست خدا کے شاگرد ہوتے ہیں۔

اسی لیے انبیاءؑ کا علم حقیقی ہے اور اس میں باطل کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ انبیاءؑ کا علم حق ہے، جو کہ مطابق واقعہ ہے۔ اسی سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ (سورۃ طہ: آیت ۱۱۳)

”آپؐ کہیں کہ میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔“

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَّبِعُهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

”ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پالیا، جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور اپنی طرف سے اُسے تعلیم دی تھی۔“

وَرَادَاكَ بِنُسْكَةٍ فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

”خدا نے طاہوت کے علم اور جسمانی قوت میں اضافہ کیا تھا۔“

وَكَلَّا اتَّبِعُهُ حُكْمًا وَعِلْمًا

”ان سب انبیاءؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا تھا۔“

وَلَوْطًا اتَّبِعْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا

”ہم نے لوطؑ کو حکم دیا اور علم عطا کیا۔“

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عَلِمًا

”ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا۔“

وَلَنَّا بَدَلًا أَشَدَّاءُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا

”جب موسیٰ سن رشد پر پہنچ کر خرمند ہو گیا تو ہم نے انھیں حکمت اور علم عطا کیا۔“

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي

”اے موسیٰ! میں نے آپ کو لوگوں میں سے اپنے پیغامات اور ہم کلامی کے لیے منتخب کیا ہے۔“

اِذْ قَالَ اللهُ يَا عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ اِذْ كَرَّ نَعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ اَبَدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

”جب خدا نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم! میری اس نعمت کو یاد کر، جو آپ پر اور آپ کی والدہ پر ہوئی۔ جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی جو گہوارے اور پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔“

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

”اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔“

يَا بَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ

”بابا جان! (اے چچا) میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو کہ تیرے پاس نہیں آیا ہے۔“

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ

”ہم نے وہ مسئلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔“

ذَٰلِكُمْ مِمَّا عَلَّمْنِي رَبِّي

”تعبیر خواب یہ اس علم کا نتیجہ ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم دیا ہے۔“

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ  
 ”خدا نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور آپ کو اس چیز کی تعلیم  
 دی جسے آپ نہ جانتے تھے۔“

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَابْنُ اللَّهِ الْهُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ  
 ”داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا، اللہ نے اُسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی  
 اور جو کچھ چاہا اُسے سکھا دیا۔“

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا آدَبَ اللَّهُ  
 ”بے شک ہم نے آپ کے پاس حق کے ساتھ کتاب نازل کی، تاکہ آپ  
 لوگوں میں اس طرح کے فیصلے کریں جیسا کہ اس نے آپ کو سکھایا ہے۔“

یہ حقائق جاننے کے بعد ہم امام علیؑ کے علوم و معارف اور اُن کی ثقافتِ الہیہ کا کیسے  
 اندازہ کر سکتے ہیں؟

رسولؐ خدا کے شہرِ علم کے دروازے کا احاطہ کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ آپؐ  
 رسولِ اکرمؐ کے پہلے شاگرد ہیں اور آنحضرتؐ نے اپنے تمام علوم آپؐ کے سینے میں اُنٹے لیے  
 تھے، اور ایک ہی لمحے میں آپؐ نے اپنے شاگرد کے لیے علم کے ہزار دروازے کھولے تھے،  
 پھر لائق و فائق شاگرد نے ہر دروازے سے ہزار علم کے دروازے کھولے تھے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہرِ علم کے دروازہ (علیؑ مولا) جاہلی معاشرے میں علوم  
 ربانیہ اور معارفِ الہیہ کو بیان نہیں کر سکے تھے۔ مجھے اس دور کے لوگوں پر افسوس ہوتا ہے کہ  
 جنہوں نے اتنے بڑے عالم سے علم حاصل نہیں کیا تھا جب کہ انہیں علم کی شدید ضرورت تھی۔  
 اس سے بڑھ کر مقامِ افسوس کیا ہو سکتا ہے کہ کائنات کا سب سے بڑا عالم پورے  
 پچیس برس اپنے گھر میں عزت اور خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتا رہا اور وہ اپنے علوم سے لوگوں  
 کے حقوق کو غور نہ کر سکا اور علم کے قیمتی موتی معاشرے کے سپرد نہیں کر سکا۔

آج اہل مغرب اسکندریہ کی لائبریری کے جلائے جانے پر نوحہ کتنا نظر آتے ہیں  
 اور وہ یہ کہتے ہیں کہ کاش حکام نے اسکندریہ کا کتب خانہ نہ جلایا ہوتا تو آج انسانیت بہت

ترقی کر چکی ہوئی، لیکن وہ علوم کے موتی نذر آتش کیے گئے اور ایسا کر کے حکام نے تمام انسانیت کو ناقابلِ صفائی نقصان پہنچایا۔

کتب خانے کے جلائے جانے کی ہم بھی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کا جلایا جانا کسی اکیہ سے کم نہیں ہے، لیکن اس سے بڑا اکیہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ جیسا کائنات کا عالم ترین فرد پورے پچیس برس کی خاموشی اختیار کرے، اور خانہ نشین ہونے پر مجبور ہو جائے۔

اسکندریہ میں تو صرف کتابیں ضائع ہوئی تھیں اور وہ خاموش تھیں۔ اُن کے منہ میں زبان نہ تھی جب کہ آپؐ مجسم علم تھے اور منہ میں زبان بھی رکھتے تھے۔ اس امر پر شدید افسوس ہے کہ اُمت اسلامیہ جہالت کی تاریکیوں میں ٹانک ٹوٹیاں مار رہی ہے جب کہ خدا نے انھیں ایسا ہادی بھی دیا تھا جس کے چراغِ علم سے جہالت کی تیرگی روشنی میں بدل سکتی تھی۔ افسوس ہے ان اہل اقتدار پر، جنہوں نے چند روزہ حکومت و اقتدار کے لیے اُمت سے معارف کے خزانے چھین لیے اور اُمت کو الہی علوم سے محروم کر دیا اور زبان بندی کا یہ عرصہ پچیس سال پر محیط ہے۔

پھر جیسے ہی حالات سازگار ہوئے اور آپؐ کو حکومت ملی تو آپؐ نے پوری کوشش کی کہ اُمت اسلامیہ کے دامن کو علم و حکمت کے موتیوں سے بھر دیں، لیکن مخالفین نے آپؐ کو اس کا موقع بھی نہ دیا اور اندرونی جنگیں شروع کر دی گئیں اور آپؐ کو اطمینان سے محروم کر دیا گیا اور یوں نشاطِ علمی جنگِ طاقت میں بدل دی گئی اور ثقافتی ادارے خونریز معرکہ گاہوں میں بدل گئے، جس کے بُرے نتائج سے آج تک اُمت اسلامیہ باہر نہیں نکل سکی۔

ان تمام تر سختیوں کے باوجود امیر المومنینؑ نے ثقافت و معرفت کے آسمان پر علم کی شمع کو روشن کیا۔ اس کے لیے فوجِ البلاغہ پر نظر ڈالیں۔ اس کتاب میں آپؐ کے خطبات، مکتوبات اور کلماتِ حکمت کا چوبیسواں حصہ ہے۔ یہ حصہ اس کتاب کی شکل میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے خطباتِ ضائع ہوئے ہیں، ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے نمازِ فجر کے بعد خطبہ شروع کیا اور نمازِ ظہر



تک خطبہ میں معروف رہے، یعنی آپؐ نے مجھے کھٹے کا خطبہ دیا، لیکن آج وہ علم کے موتی ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

علوم امامؑ کی وسعت کے لیے حسب ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں۔  
امیر المومنین علیؑ نے ارشاد فرمایا:

لو ثنيت لى الوسادة وجلست عليها لحكمت بين اهل القرآن  
بالقرآن حتى يزهر الى الله ولحكمت بين اهل التورات  
بالتورات حتى يزهر الى الله ولحكمت بين اهل الانجيل  
بالانجيل حتى يزهر الى الله ولحكمت بين اهل الزبور بالزبور  
حتى يزهر الى الله ولولا آية فى كتاب الله لانبأ تكم بما يكون  
حتى تقوم الساعة ، لانا اعلم بالتوراة من اهل التوراة واعلم  
بالانجيل من اهل الانجيل

”اگر میرے لیے مسند بچھا دی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل قرآن  
کے درمیان قرآن سے فیصلہ کروں گا اور اہل تورات کے درمیان تورات  
سے فیصلہ کروں گا اور اہل انجیل کے درمیان انجیل سے فیصلہ کروں گا اور  
اہل زبور کے درمیان زبور سے فیصلہ کروں گا۔ اگر کتاب الہی میں ایک  
آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے واقعات سے تمہیں باخبر کرتا۔ میں  
اہل تورات سے تورات کو بہتر جانتا ہوں اور اہل انجیل سے انجیل کو بہتر  
جانتا ہوں۔“

اصغ بن ہبات کا بیان ہے کہ جب امیر المومنین علیؑ کو فہ تشریف لائے تو آپؑ نے  
پورے چالیس دن تک سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ سبح اسم ربك الاعلیٰ کی تلاوت کی۔  
لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علیؑ کو قرآن پر عبور حاصل نہیں ہے ورنہ وہ اور سورتیں  
بھی پڑھتے۔

جب علیؑ نے یہ سنا تو آپؑ نے فرمایا:

ویلہم ! انی لا عرف ناسخه ومنسوفه ومحکبه ومتشابهه  
وفصالة من وصاله وحروفه من هانیہ والله ما نزل حرف علی  
محمد ﷺ الا وانا اعرف فیمن انزل وفی ای یوم نزل  
وفی ای موضع نزل۔ ویلہم اما یقرؤن ﴿ان هذا لقی الصحف  
الاولیٰ صحف ابراهیم وموسى﴾ والله عندی ، ورثتها من  
رسول الله ﷺ ورثتها رسول الله ﷺ من  
ابراہیم وموسى ۔ ویلہم والله انی انا الذی انزل الله فی  
﴿وتعیها اذن واعیة﴾ فکنا عند رسول الله ﷺ فیخبرنا  
بالوصی فاعیہ ویفوتہم فان اخرجننا قالوا: مَاذَا قَالَ اِنْفَا۔

”ان پر افسوس! میں تو وہ ہوں جس کے متعلق خود قرآن نے کہا ہے: ”اے  
اور قرآن کے ”فصل“ اور ”وصل“ سے واقف ہوں اور تمام حروف کے  
معانی جانتا ہوں۔ خدا نے اپنے نبی پر جو بھی قرآن اتارا ہے میں ہر  
آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی اور کس دن  
نازل ہوئی اور کس سرزمین پر نازل ہوئی۔

ان پر افسوس! میں تو وہ ہوں جس کے متعلق خود قرآن نے کہا ہے: ”اے  
یاد رکھنے والا کان یاد رکھے گا“۔ چنانچہ وہ یاد رکھنے والا کان میں ہی  
ہوں۔ ہم رسول خدا کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ آنحضرتؐ ہمیں وحی سے  
مطلع کرتے تھے میں یاد کر لیتا تھا اور باقی لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ  
جب وہ باہر آتے تو کہتے تھے: مَاذَا قَالَ اِنْفَا (آپؐ نے ابھی ابھی کیا  
کہا ہے؟)“

مہدیہ بن ربیع کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا، آپؐ فرما

رہے تھے:

سلونی قبل ان تغدونی ، الا تستلون من عندہ علم البنا یا

والبلايا والانساب؟

”مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ کیا تم اس سے نہیں پوچھو

گے جس کے پاس اُسموات، آزمائشات اور انساب کا علم ہے؟“

اصحٰ بن ثابت راوی ہیں کہ جب امیر المؤمنین علیؑ کی بیعت خلافت ہوئی تو آپؐ نے سر پر رسولؐ خدا کا عمامہ سجایا اور رسولؐ خدا کی چادر لپیٹی اور منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور لوگوں کو نصیحتیں کیں۔ پھر آپؐ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور اپنے ہاتھ ناف کے نیچے رکھ کر فرمایا:

اے کروہ مردم! مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ میرے پاس اولین و آخرین کا علم ہے۔ خدا کی قسم! اگر میرے لیے مسند بچھا دی جائے تو میں اہل توریت کے لیے توریت کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اہل انجیل کے لیے انجیل کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اہل زبور کے لیے زبور کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اہل قرآن کے لیے قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اور صرف فیصلہ ہی نہیں کروں گا ان میں سے ہر کتاب یہ اعلان کرے گی کہ خدایا! علیؑ نے میرے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

خدا کی قسم! میں تو قرآن کا دعویٰ کرنے والے ہر دعویدار سے قرآن کو زیادہ جانتا ہوں اور اس کی تاویل کو سب سے بہتر جانتا ہوں۔ اور اگر قرآن میں ایک آیت (يَنْحُوا لِلّٰهِ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتْ وَعِنْدَآ اُتْرُ الْكِتٰبِ) نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے حالات کی تمہیں خبر دے دیتا۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اس ذات کی قسم، جس نے دانے کو شکافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا تم مجھ سے جس بھی آیت کے متعلق سوال کرو گے تو میں تمہیں اس کے وقت نزول کی خبر دوں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ وہ کس مسئلہ کے متعلق نازل ہوئی اور میں تمہیں ناخ و منسوخ، خاص و عام، محکم و متکاہ اور مکی و مدنی ہر آیت کے متعلق بتاؤں گا۔ خدا کی قسم! جتنے بھی قیامت تک گروہ آنے ہیں، جنہوں نے گمراہی یا ہدایت کو پھیلایا ہے میں ان گروہوں کے رہبروں اور اُن کے عمرکین اور اُن کے

بہرہ و کاروں کے متعلق جانتا ہوں۔“

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو رسولؐ خدا نے علم دیا تھا اور رسولؐ خدا کو خدا نے علم دیا تھا، لہذا نبیؐ کے علم کا سرچشمہ خدا کا علم ہے اور علیؓ کے علم کا سرچشمہ رسولؐ خدا کا علم ہے اور میرے علم کا سرچشمہ علیؓ کا علم ہے۔ میرے اور جملہ اصحابِ محمدؐ کے علم کی علیؓ کے علم سے وہی نسبت ہے جو ایک قطرے کی سات سمندروں کے سامنے ہے۔

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا: اے ابوالحسن! جب بھی آپؐ سے سوال کیا جاتا ہے تو آپؐ کسی غور و فکر کے بغیر فوراً جواب دے دیتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا: اچھا یہ بتاؤ تمہارے ہاتھ کی کتنی انگلیاں ہیں؟  
حضرت عمرؓ نے فوراً کہا: پانچ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: تم نے غور و فکر کیوں نہ کیا فوراً جواب کیوں دے دیا؟  
حضرت عمرؓ نے کہا: بھلا اس میں سوچنے کی کیا بات ہے، یہ انگلیاں ہر وقت میرے سامنے موجود ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: جس طرح سے انگلیاں تمہارے سامنے ہیں اور تمہیں ان کے متعلق سوچنا نہیں پڑتا اسی طرح سے کائنات میرے سامنے ہے لہذا مجھے بھی غور و فکر کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے قاضی ابن ابی لیلیٰ سے فرمایا: عبد الرحمن! تم فیصلہ کس بنیاد پر کرتے ہو؟

اُس نے کہا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: اگر مسئلہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو پھر؟

اس نے کہا: میں سنہ رسولؐ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور اگر مسئلے کا حل سنت میں موجود نہ ہو تو صحابہ کے اجماع کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اگر صحابہ کا آپس میں اختلاف ہو تو پھر کس

صحابی کے قول پر عمل کرو گے؟

اس نے کہا: میں ایک صحابی کے قول کو چُن لوں گا، باقی اقوال کو چھوڑ دوں گا۔

امام علیؑ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر رسولؐ خدا نے قیامت کے دن یہ کہہ دیا کہ پروردگار! اس تک میرا فرمان پہنچا تھا لیکن اُس نے میرے فرمان کی مخالفت کی تھی تو پھر کیا جواب دو گے؟

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے کہا: میں نے فرمان پیغمبرؐ کی کیسے مخالفت کی ہے؟  
امام علیؑ نے فرمایا: تمہے تک رسولؐ خدا کا یہ فرمان پہنچا تھا: "أَفْضَاكُمْ عَلَيَّ" تم میں بڑا قاضی علیؑ ہے۔

ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا: جی ہاں، مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے۔  
امام علیؑ نے فرمایا: جب تم قول علیؑ کے خلاف فیصلہ کرو گے تو کیا اُس سے قول رسولؐ کی مخالفت لازم نہ آئے گی؟

قاضی ابن ابی لیلیٰ کا چہرہ زرد ہو گیا اور وہ خاموش ہو گیا۔  
اصحٰ بن نباتہ اور ایک پوری جماعت کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے مہاجرین و انصار کے سامنے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:  
یہ سینہ علم سے بھرا ہوا ہے، کاش کوئی اس کا طالب ہوتا۔ مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے تم مجھے نہ پاؤ۔ اس سینہ میں شفاف علم ہے۔ یہ رسولؐ خدا کے لعاب کا اثر ہے۔ یہ وہ علم ہے جو رسولؐ خدا نے مجھے اس طرح سے دیا تھا جیسے پرندہ اپنے بچے کو دانانہ میں بھراتا ہے۔  
مجھ سے پوچھ لو میرے پاس اولین و آخرین کا علم ہے۔ خدا کی قسم! اگر میرے لیے مسد بچھا دی جائے۔

عج البلاغہ کے ایک خطبے میں آپؐ نے فرمایا:

فَاسْأَلُونِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ فَيَأْتِيَنَّكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ وَلَا عَنْ فِتْنَةٍ تَهْدِي مَائَةً وَتَقْتُلُ مَائَةً إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِنَاقِهَا وَقَائِدِهَا وَسَأَلْتُهَا وَمَنَّا رُكَابُهَا وَمَحْطُ

رحالہا ومن یقتل من اہلہا قتلا ویبوت منهم موتا  
 ”تم جو چاہو مجھ سے پوچھ لو، اس سے قبل کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اس ذات کی  
 قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت سے لے کر  
 قیامت تک کے درمیانی عرصہ کی جو بھی بات مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں  
 بتاؤں گا اور کسی ایسے کردہ کے متعلق دریافت کرو گے جس نے سو کو  
 ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو، تو میں اس کے لکارنے والے، اُسے  
 آگے سے کھینچنے والے، پیچھے سے دھکیلنے والے اور اُن کی سوار یوں کی  
 منزل اور اس کے ساز و سامان سے لدے ہوئے پالانوں کے اُترنے کی  
 جگہ تک بتا دوں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ اُن میں کون قتل کیا جائے گا اور  
 کون اپنی موت مرے گا۔“

سلمان بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

”میرے پاس علم اُمنایا، علم البلایا، علم الوصایا اور علم انساب اور فیصلہ  
 کرنے کا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اسلام پر پیدا ہونے والے کون ہیں  
 اور کفر پر پیدا ہونے والے کون ہیں؟ میں ہی مہر کی انگلی والا ہوں۔  
 میں فاروقی اعظم ہوں اور تمام سلطنتوں کی سلطنت ہوں، قیامت تک کے  
 حالات کے متعلق مجھ سے پوچھ لو اور مجھ سے پہلے لوگوں کے بارے  
 میں پوچھو اور مجھ سے بعد میں آنے والے کے حالات پوچھ لو جب تک خدا کی  
 عبادت رہے گی تب تک کے حالات پوچھ لو۔“



## علی علیہ السلام اور خطابت

حضرت علی علیہ السلام خطابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اگر کسی نے آپ کی خطابت کے جوہر دیکھنے ہوں تو اُسے چاہیے کہ وہ توحید الہی پر آپ کے خطبات پڑھے۔ خطبہ فتنہ کا مطالعہ کرے اور خطبہ ہدایت، ملاحم، لؤلؤہ، عزاء، قاصدہ، افتار، اشباح، الدرۃ الجیمۃ، اقلیم، وسیلہ، طالوتیہ، قصیدہ، سلمانیہ، ناطقہ، دامنہ اور قاصدہ کا مطالعہ کرے، بلکہ پوری فتح البلاء کا مطالعہ کرے۔ اس کے علاوہ اسماعیل بن مہران کی جمع کردہ کتاب خطب امیر المومنین کا مطالعہ کرے۔

سید رضی رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

”امیر المومنین علی علیہ السلام فصاحت کا گھاٹ اور بلاغت کا منبع تھے اور آپ نے ہی فصاحت و بلاغت کو عروج بخشا تھا۔ آپ نے ہی فصاحت و بلاغت کے قوانین مقرر کیے تھے۔“

جاہل کتاب الغرہ میں لکھتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کے لیے اُن کے اس مکتوب کا مطالعہ کریں جو انھوں نے معاویہ کے نام لکھا تھا۔ مکتوب کے الفاظ یہ ہیں:

غراك عرك فصار قسا و ذلك ذلك فاحش فاحش فعلك فعلك

تهدا بهذا

آپ کے کلمات قصار میں ان مختصر سے جملوں کو دیکھیں:

”جو ایمان لایا اُسے امن ملا۔“

الدنيا تغر، تغر، تغر ”دنیا دھوکا دیتی ہے، نقصان پہنچاتی ہے، چلی جاتی ہے۔“

اپنے سیاسی رقیبوں کے متعلق جامع تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

زما عوا الفجور وسقوة الغرور وحصدوا الشبور

”انھوں نے فحور کاشت کیا، دھوکے کے پانی سے اس کی آبیاری کی اور ہلاکت کی فصل کاٹی۔“

ابن ابی الحدید شرح منہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

جہاں تک فصاحت کا تعلق ہے تو آپؐ امام الفصحاء اور سید الملغناء تھے اور آپؐ کے کلام کے متعلق دنیا کے ادیبوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔

هُوَ دُونَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَفَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوقِ

”وہ کلام خالق سے نیچے اور کلام مخلوق سے بلند و بالا ہے۔“

لوگوں نے خطابت اور کتابت کا اعزاز آپؐ سے ہی سیکھا ہے۔

عبدالحمید بن یحییٰ کا قول ہے کہ میں نے امیر المومنینؑ کے ستر خطبات یاد کیے اور اُن کی برکت سے میں سب سے بڑا ادیب بن گیا۔

نباہ کا قول ہے کہ میں نے خطابتِ علیؑ کے کچھ خطبات یاد کیے، جتنا انھیں خرچ کیا

ان میں وسعت اور کثرت پیدا ہوئی۔ میں نے مواظرتِ علیؑ کی ایک سو فصول یاد کی ہیں۔

محقن بن ابی محسن معاویہ کے پاس گیا تو اُس نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟

اُس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا: میں عاجز ترین شخص کے ہاں سے تیرے پاس آیا

ہوں۔

معاویہ نے کہا: تم پر افسوس، خدا کی قسم! قریش کے لیے فصاحت کی بنیاد ہی علیؑ نے

رکھی ہے۔

حضرتؑ کا فصاحت میں کوئی ثانی نہیں اور بلاغت میں کوئی آپؐ کا مثل نہیں ہے۔

آپؐ کے خطبات کا دواں حصہ بھی صحابہ کے لیے مدون نہیں کیا گیا۔

ابو عثمان جاحظ نامور ادیب اور نقاد تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ”البیان والخصمین“

میں آپؐ کی فصاحت و بلاغت پر جامع بحث کی ہے۔



اس خطبہ میں چمگاڈ کی عجیب و غریب خلقت کا ذکر فرمایا ہے:

”تمام حمد اُس اللہ کے لیے ہے جس کی معرفت کی حقیقت ظاہر کرنے سے اوصاف عاجز ہیں اور اُس کی عظمت و بلندی نے عقول کو روک دیا ہے جس سے وہ اُس کی سرحد فرمانروائی تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پاتیں۔ وہ اللہ اقتدار کا مالک ہے اور (سزا پا) حق اور (حق) کا ظاہر کرنے والا ہے۔ وہ ان چیزوں سے بھی زیادہ (اپنے مقام پر) ثابت و آشکارا ہے کہ جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں، عقلیں اُس کی حد بندی کر کے اس تک نہیں پہنچ سکتیں کہ وہ دوسروں سے مشابہ ہو جائے اور نہ ہم اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کسی چیز کے مانند ہو جائے۔ اُس نے بغیر نمونہ و مثال کے اور بغیر کسی مشیر کار کے مشورہ کے اور بغیر کسی معاون کی امداد کے مخلوقات کو پیدا کیا۔ اُس کے حکم سے مخلوق اپنے کمال کو پہنچ گئی اور اُس کی اطاعت کے لیے جھک گئی اور بلا توقف لبیک کہی اور بغیر کسی نزاع و مزاحمت کے اُس کی مطیع ہو گئی۔ اس کی صنعت کی لطافتوں اور خلقت کی عجیب و غریب کار فرمائیوں میں کیا کیا گہری حکمتیں ہیں کہ جو اُس نے ہمیں چمگاڈوں کے اندر دکھائی دی ہیں کہ جن کی آنکھوں کو (دن کا) اُجالا سیکڑ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ تمام آنکھوں میں روشنی پھیلانے والا ہے اور اندھیرا اُن کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر زندہ شے کی آنکھوں پر انقلاب ڈالنے والا ہے اور کیونکہ چمکتے ہوئے سورج میں ان کی آنکھیں چند میا جاتی ہیں کہ وہ اُس کی نور پاش شعاعوں سے مدد لے کر اپنے راستوں پر آجاسکیں اور نور آفتاب کے پھیلاؤ میں اپنی جانی پہچانی ہوئی چیزوں تک پہنچ سکیں۔ اُس نے تو اپنی ضو پاشیوں کی تابش سے انھیں نور کی محملیوں میں بڑھنے سے روک دیا ہے اور اُن کے پوشیدہ ٹھکانوں میں انھیں چھپا دیا ہے کہ وہ اُس کی روشنی کے اُجالوں میں آسکیں۔ دن کے وقت تو

وہ اس طرح ہوتی ہیں کہ اُن کی ہلکیں جھلک کر آنکھوں پر ٹپک آتی ہیں اور تاریکی شب کو اپنا چراغ بنا کر رزق کے ڈھونڈنے میں اس سے مدد لیتی ہیں۔ رات کی تاریکیاں اُن کی آنکھوں کو دیکھنے سے نہیں روکتیں اور نہ اُس کی گھٹا ٹوپ اندھیاریاں راہ چٹائیوں سے باز رکھتی ہیں۔ مگر جب آفتاب اپنے چہرے سے نقاب ہٹاتا ہے اور دن کے اُجالے ابھر آتے ہیں اور سورج کی کرتیں سوسار کے سوراخ کے اندر تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ اپنی پلکوں کو آنکھوں پر جھکا لیتی ہیں اور رات کی تاریکیوں میں جو معاش حاصل کی ہے اسی پر اپنا وقت پورا کر لیتی ہے۔ سبحان اللہ کہ جس نے رات ان کے کسب معاش کے لیے اور دن آرام و سکون کے لیے بنایا ہے اور ان کے گوشت ہی سے ان کے پَر بنائے ہیں اور جب اُڑنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہی پَروں سے اُوپچی ہوتی ہیں گویا کہ وہ کانوں کی لوہیں ہیں کہ نہ ان میں پَر و بال ہیں اور نہ کِریاں، مگر تم اُن کی رگوں کی جگہ کو دیکھو گے کہ اس کے نشان ظاہر ہیں اور اس میں دو پَر سے لگے ہوئے ہیں کہ جو نہ اتنے باریک ہیں کہ پھٹ جائیں اور نہ اتنے موٹے ہیں کہ پوچھل ہو جائیں (کہ اُڑانہ جاسکے)۔ وہ اڑتی ہیں تو بچے اُن سے چھٹے پڑتے ہیں اور جب وہ نیچے کی طرف جھکتی ہیں تو بچے بھی جھک پڑتے ہیں اور جب وہ اُوپچی ہوتی ہیں تو بچے بھی اُوپچی ہو جاتے ہیں اور اُس وقت تک الگ نہیں ہوتے جب تک اُن کے اعضاء میں مضبوطی نہ آجائے اور بلند ہونے کے لیے اُن کے پَر (ان کا بوجھ) اٹھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔ وہ اپنی زندگیوں کی راہوں پر اپنی مصیحتوں کو پہچانتے ہیں۔ پاک ہے وہ خدا کہ جس نے بغیر کسی نمونہ کے جو اس سے پہلے کسی نے بنایا ہو ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔“

امیر المؤمنین علیؑ کی خطابت کے جوہر کا مشاہدہ کرنے کے لیے حضرتؑ کے اس خطبہ کا بھی ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اس خطبہ میں نمود کی عجیب و غریب خلقت اور جنت کے دلفریب مناظر پر بحث کی گئی ہے۔

”قدرت نے ہر قسم کی مخلوق کو، وہ جان دار ہو یا بے جان، ساکن ہو یا متحرک، عجیب و غریب آفرینش کا جامہ پہنا کر ایجاد کیا ہے اور اپنی لطیف صنعت اور عظیم قدرت پر ایسی واضح نشانیاں شاہد بنا کر قائم کی ہیں کہ جن کے سامنے عقلیں اس کی ہستی کا اعتراف اور اُس کی (فرمانبرداری) کا اقرار کرتے ہوئے سرِ اطاعت خم کر چکی ہیں اور اُس کی یکتائی پر یہی عقل کی تسلیم کی ہوئی اور (اُس کی خالق بے مثال ہونے پر) مختلف شکل و صورت کے پرندوں کی آفرینش سے ابھری ہوئی دلیلیں ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ وہ پرندے جن کو اُس نے زمین کے گڑھوں، اور دروں کے شکافوں اور مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسایا ہے۔ جو مختلف طرح کے پَر و بال اور جداگانہ شکل و صورت والے ہیں۔ جنہیں تسلط (الہی) کی باگ ڈور میں گھمایا پھرایا جاتا ہے اور جو کشادہ ہوا کی وسعتوں اور کھلی فضاؤں میں پروں کو پھڑپھڑاتے ہیں۔ انہیں جبکہ یہ موجود نہ تھے عجیب و غریب ظاہری صورتوں سے (آرامتہ کر کے) پیدا کیا اور (گوشت و پوست میں) ڈھکے ہوئے جوڑوں کے سروں سے ان کے (جسموں کی) ساخت قائم کی۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں ان کے جسموں کے پوچھل ہونے کی وجہ سے فضا میں بلند ہو کر چیز پر دازی سے روک دیا ہے اور انہیں ایسا بنایا ہے کہ وہ زمین سے کچھ تھوڑے ہی اونچے ہو کر پرواز کر سکیں۔ اُس نے اپنی لطیف قدرت اور باریک صنعت سے ان قسم قسم کے پرندوں کو (مختلف) رنگوں سے ترتیب دیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک ہی رنگ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے

ہیں۔ یوں کہ جس رنگ کی ان میں آمیزش نہیں کی گئی اور بعض اس طرح رنگ میں ڈبوئے گئے ہیں کہ جس رنگ کا طوق انہیں پہنا دیا گیا ہے وہ اس رنگ سے نہیں ملتا جس سے خود گلین ہیں۔ ان سب پرندوں سے زائد عجیب اقلقت مہر ہے کہ (اللہ نے) جس کے (اعضاء کو) موزونیت کے محکم ترین سانچے میں ڈھالا ہے اور اس کے رنگوں کو ایک حسین ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ یہ (حسن و توازن) ایسے پندوں سے ہے کہ جن کی جڑوں کو (ایک دوسرے سے) جوڑ دیا ہے۔ جب وہ اپنی مادہ کی طرف بڑھتا ہے تو اپنی لپٹی ہوئی دم کو پھیلا دیتا ہے اور اُسے اس طرح اُدھچالے جاتا ہے کہ وہ اس کے سر پر سایہ فگن ہو کر پھیل جاتی ہے۔ گویا وہ (مقام) دارین کی اس کشتی کا بادبان ہے جسے اس کا ملاح ادھر ادھر موڑ رہا ہے۔ وہ اُس کے رنگوں پر اترتا ہے اور اس کی جنبشوں کے ساتھ جھومنے لگتا ہے اور مرغوں کی طرح جھتی کھاتا ہے اور (اپنی مادہ کو) حاملہ کرنے کے لیے جوش و بھجان میں بھرے ہوئے نروں کی طرح جوڑ کھاتا ہے۔ میں اس (بیان) کے لیے مشاہدہ کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اُس شخص کی طرح نہیں کہتا جو کسی کمزور سکا حوالہ دے رہا ہو۔ گمان کرنے والوں کا یہ صرف وہم و گمان ہے کہ وہ اپنے گوشہ ہائے چشم کے بہائے ہوئے اس آنسو سے اپنی مادہ کو انڈوں پر لاتا ہے کہ جو اُس کی پلکوں کے دونوں کناروں میں آکر ٹھہر جاتا ہے اور مورنی اُسے پی بیتی ہے اور پھر وہ انڈے دیئے لگتی ہے اور اس پھوٹ کر نکلنے والے آنسو کے علاوہ یوں نہ اُس سے جھتی نہیں کھاتا۔ اگر ایسا ہو تو بھی (ان کے خیال کے مطابق) کوئے کی اپنی مادہ کو (پونے سے دانا پانی) بھر کر انڈوں پر لانے سے زیادہ تعجب چیز نہیں ہے (تم اگر بخور دیکھو گے) تو اس کے پندوں کی درمیانی تیلیوں کو چاندی کی سلائیاں تصور کرو گے اور ان پر جو

عجیب و غریب ہالے بنے ہوئے ہیں اور سورج (کی شعاعوں) کے مانند (جو پتے و بال) اُگے ہوئے ہیں انھیں زردی میں خالص سونا اور (سبزی میں) زرد کے کھلے خیال کرو گے۔ اگر تم اسے زمین کی اُگائی ہوئی چیزوں سے تشبیہ دو گے تو یہ کہو گے کہ وہ ہر موسم بہار کے پختے ہوئے گلگوں کا گلہستہ ہے اور اگر کپڑوں سے تشبیہ دو گے تو وہ متشعل حلوں یا خوش نمایی چادروں کے مانند ہیں اور اگر زیورات سے تشبیہ دو گے تو وہ رنگ برنگ کے اُن گینوں کی طرح ہے جو مرصع بجواہر چاندی میں دائروں کی صورت میں پھیلا دیئے گئے ہوں اور اس طرح چلتا ہے جس طرح کوئی ہفاش بھاش اور حکیمو خرام ہوتا ہے، اور اپنی ذم اور پروبال کو غور سے دیکھتا ہے تو اپنے ہیرا ہن کے حسن و جمال اور اپنے گول بند کی رنگوں کی وجہ سے قہقہہ لگا کر ہنستا ہے مگر جب اپنے عیروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس طرح اُدھنی آواز سے روتا ہے کہ گویا اپنی فریاد کو ظاہر کر رہا ہے اور اپنے سچے درد (دل) کی گواہی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس کے ہیر خاستری رنگ کے دو غلے مرغوں کے عیروں کی طرح باریک اور پتلے ہوتے ہیں اور اس کی چٹائی کے کنارے پر ایک باریک سا کائما نمایاں ہوتا ہے اور اس کی (گردن پر) ایال کی جگہ بزرنگ کے متشعل پتوں کا گچھا دھتا ہے اور گردن کا پھیلاؤ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مراچی (کی گردن) اور اس کے گزرنے کی جگہ سے لے کر وہاں تک کا حصہ کہ جہاں اس کا پیٹ ہے یعنی دسہ کے رنگ کی طرح (گہرا سبز) ہے یا اس ریشم کی طرح ہے جو میٹل کیے ہوئے آئینہ پر پہنا دیا گیا ہو۔ گویا کہ وہ سیاہ رنگ کی اُڑھنی میں لپٹا ہوا ہے لیکن اس کی آب و تاب کی فراوانی اور چمک دمک کی بہتات سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ اس میں تروتازہ سبزی کی (الک سے) آمیزش کر دی گئی ہے اور اس کے کانوں کے شکاف سے

ملی ہوئی بایونہ کے پھولوں جیسی ایک سفید چمکیلی لکیر ہوتی ہے جو قلم کی باریک نوک کے مانند ہے۔ وہ (لکیر) اپنی سفیدی کے ساتھ اس جگہ کی سیاہیوں میں جگمگاتی ہے۔ کم ہی ایسے رنگ ہوں گے جس نے سفید دھاری کا کچھ حصہ نہ لیا ہو اور وہ ان میں رنگوں پر اپنی آب و تاب کی زیادتی اپنے پیکر ریشمیں کی چمک دمک اور زیبائش کی وجہ سے چھائی ہوئی ہے۔ وہ ان بکھری ہوئی لکیروں کے مانند ہے کہ جنہیں نہ فصل بہار کی بارشوں نے پروان چڑھایا ہو اور نہ گرمیوں کے سورج نے پرورش کیا ہو، وہ کبھی اپنے پردہ بال سے برہنہ اور اپنے رنگین لباس سے عریاں ہو جاتا ہے۔ اُس کے بال و پر لگاتار جھڑتے ہیں اور پھر بے درپے اُگنے لگتے ہیں۔ وہ اس کے بازوؤں سے اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح شہینوں سے پٹے۔ یہاں تک کہ جھڑنے سے پہلے جو شکل و صورت تھی اُس کی طرف پلٹ آتا ہے اور اپنے پہلے رنگوں سے سرسودھر سے اُدھر نہیں ہوتا اور نہ کوئی رنگ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرتا ہے۔ جب اس کے پردوں کے ریشموں میں سے کسی ریشے کو تم غور سے دیکھو گے تو وہ جیسے کبھی گلاب کے پھولوں جیسی سرخی اور کبھی زمرہ جیسی سبزی اور کبھی سونے جیسی زردی کی (جھلکیاں) دکھائے گا۔ (غور تو کرو کہ) ایک ایسی مخلوق اس کی معتوں تک فکر کی گہرائیاں کیوں کر پہنچ سکتی ہیں یا عقلوں کی طبع آزمائیاں کس طرح وہاں تک رسائی پاسکتی ہیں، یا بیان کرنے والوں کے کلمات کیوں اس کے وصفوں کو ترحیب دے سکتے ہیں کہ جس کے چھوٹے سے چھوٹے جز نے واہموں کو سمجھنے سے عاجز اور زبانوں کو بیان کرنے سے درمانہ کر دیا ہو، تو پاک ہے وہ ذات کہ جس نے ایک ایسی مخلوق کی حالت بیان کرنے سے بھی عقلوں کو مغلوب کر رکھا ہے کہ جسے آنکھوں کے سامنے نمایاں کر دیا تھا اور ان آنکھوں نے اس کو

ایک حد میں گھرا ہوا اور (ایزام) سے مرکب اور (مختلف رنگوں سے) رنگین صورت میں دیکھ بھی لیا اور جس نے زبانوں کو اس (مخلوق) کے وصفوں کا خلاصہ کرنے سے عاجز اور اس کی صفوں کے بیان کرنے سے درماندہ کر دیا ہے۔ اور پاک ہے وہ خدا کہ جس نے چینی اور چھر سے لے کر ان سے بڑی مخلوق مچھلیوں اور ہاتھیوں تک کے پیروں کو مضبوط و مستحکم کیا ہے اور اپنی ذات پر لازم کر لیا ہے کہ کوئی پیکر کہ جس میں اُس نے روح داخل کی ہے جنبش نہیں کھائے گا۔ مگر یہ کہ موت کو اس کی وعدہ گاہ اور فنا کو اس کی حد آخر قرار دے گا۔

اس خطبہ کا یہ حصہ جنت کے بیان میں ہے۔ اگر تم دیدہ دل سے جنت کی ان کیفیتوں پر نظر کرو جو تم سے بیان کی جاتی ہیں تو تمہارا نفس دنیا میں پیش کی ہوئی عمدہ سے عمدہ خواہشوں اور لذتوں اور اس کے مناظر کی زیانکشیوں سے نفرت کرنے لگے گا اور وہ ان درختوں کے پتوں کے کھڑکھڑانے کی آوازوں میں کہ جن کی جڑیں جنت کی نہروں کے کناروں پر منک کے ٹیلوں میں ڈوبی ہوئی ہیں کھو جائے گا اور ان کی بڑی اور چھوٹی ٹہنیوں میں تردنازہ موتیوں کے گچھوں کے لٹکنے اور ہزرتیوں کے غلافوں میں مختلف قسم کے پھلوں کے لٹکنے کے (نظاروں) میں محو ہو جائے گا۔ ایسے پھل کہ جو بغیر کسی زحمت کے چنے جاسکتے ہیں اور چننے والے کی خواہش کے مطابق آگے بڑھ آتے ہیں۔ وہاں کے بلند ایوانوں کے صحنوں میں اترنے والے مہمانوں کے گرد پاک و صاف شہد اور صاف ستھری شراب (کے جام) گردش میں لائے جائیں گے اور ایسے لوگ ہیں کہ اللہ کی بخشش و عنایت ہمیشہ اُن کے شامل حال رہی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے قیام میں اتر پڑے اور سفروں کی نقل و حرکت سے آسودہ ہو گئے۔ اے سننے والے اگر تو ان دلکش مناظر تک پہنچنے کے لیے

اپنے نفس کو متوجہ کرے جو تیری طرف ایک دم آنے والے ہیں تو اس کے اشتیاق میں حیران جان ہی نکل جائے گی اور اسے جلد سے جلد پالینے کے لیے میری اس مجلس سے اٹھ کر قبروں میں رہنے والوں کی ہمسائیگی اختیار کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ اپنی رحمت سے ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے قرار دے کر جو نیک بندوں کی منزل تک پہنچنے کی (سر توڑ) کوشش کرتے ہیں۔

سید رضی اس خطبہ کے بعض مشکل الفاظ کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کے ارشاد ویؤد یبلا قحط میں لفظ آذ سے مباشرت کی طرف کنایہ ہے۔ یوں کہا جاتا ہے کہ اذ المیزۃ یورہا، یعنی اُس نے عورت سے مباشرت کی اور آپ کے اس ارشاد کانہ قلع داری عنجہ نونیۃ میں قلع کے معنی کشتی کے بادبان کے ہیں اور لفظ داری، دارین کی طرف منسوب ہے اور دارین سمندر کے کنارے ایک شہر کا نام ہے کہ جہاں سے خوشبودار چیزیں لائی جاتی ہیں اور عنجا کے معنی ہیں اس کو موڑا اور استعمال یوں ہوتا ہے عنجت الناقۃ ۛ عنجت بروزن نصرت ۛ یعنی میں نے اونٹنی کے رُخ کو موڑا اور اعنجا عنجا اس وقت کہو گے کہ جب تم اس کے رُخ کو موڑو گے اور نوتی کے معنی ملاج کے ہیں اور آپ کے ارشاد صفی جفر نہ سے مراد عمور کی پلکوں کے دونوں کنارے ہیں اور یوں ضنفتان کے معنی دو کناروں کے ہوتے ہیں اور آپ کے قول فلذ الزیرجد میں فلذ فلذۃ کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آپ کے قول کَبَائِیس اللؤلؤ الرطب میں کَبَائِیس کَبَائِیسہ کی جمع ہے جس کے معنی کھجور کے خوشے کے ہیں اور عسالیج عسلیج کی جمع ہے جس کے معنی ٹہنی کے ہیں۔“



## علیؑ کے دو حیرت انگیز خطبات

امیر المومنین حضرت علیؑ دنیائے ادب و خطابت کے شاہسوار تھے۔ ایک مرتبہ یہ گفتگو چلی کہ عربی زبان میں لفظ ”الف“ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: یہ ضروری نہیں ہے۔

حاضرین نے عرض کیا: بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟

آپؑ نے فی الہدیہ یہ خطبہ دیا۔ پورے خطبہ میں کہیں بھی لفظ ”الف“ استعمال نہیں ہوا اور کمال یہ ہے کہ مفہوم کی ادائیگی میں کہیں کوتاہی دکھائی نہیں دیتی۔ آپؑ کے اس خطبہ کو ”خطبہ موقوفہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس خطبہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

### خطبہ موقوفہ

یہ خطبہ مناقب میں مرقوم ہے اور اس کے سلسلہ سند کو یوں بیان کیا گیا ہے: کلبی نے ابوصالح اور ابو جعفر ابن بابویہ سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے اپنی اسناد سے حضرت امام علی رضاؑ سے روایت کی ہے۔ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ بزم صحابہ میں یہ ذکر چڑھا کہ عربی زبان میں حرف ”الف“ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: ”الف“ کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فی الہدیہ یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

حمدت من عظمت سنتہ وسبغت نعمتہ وسبقت رحمۃ غضبہ  
وتمت کلمتہ ونفذت مشیتہ وبلغت قضیتہ حمدتہ حمد مقرب  
بربرویتہ یومریشغل عن خصلتہ وبنیہ ونسعتینہ ونسرتشده  
ونسنتہدیہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ وشہدت لہ شہود مخلص  
موقن وفردتہ تفرید مؤمن متیقن ووحدتہ توحید عبد مذن  
لیس لہ شریک فی ملکہ ولم یکن لہ ولی فی صنعہ جن عن مشیر و

وزیر وعن عون ومعین ونصیر ونظیر علم فستر وبطن فخبیر  
وملك قاهر وعصى فغفر وحکم فعدل لم یزل ولن یزول لیس  
کشله شی' وهو بعد کل شی' رب متعزز بعزته متمکن بقوته  
متقدس بعلوه متکبر بسوۃ لیس یدار که بصرا ولم یخط به نظر  
قوی منیع بصیر سییم روؤف رحیم عجز عن وصفه من یصفه  
وضل عن نعمته من یعرنه قرب فبعد وبعد فقرب یجیب دعوته  
من یدعوه ویرزقه ویحبوه ذولطف خفی وبطش قوی ورحمة  
موسعة وعقوبة موجعة رحمته جنة عریضة مولقة وعقوبته  
جحیم مبدودة بعثه فی خیر عصر وحين فترة وکفر رحمة لعبیده  
ومنة لمزیدة ختم به نبوته وشید به وبركة وتکریم من رب  
غفور رحیم قریب مجیب وصیتکم معشاً من حضری بوصیة ربکم  
وذکر تکم بسنة نبیکم فعلیکم برهبة تسکین قلوبکم وخشية  
تذری دموعکم وتقية تنجیکم قبل یوم یبیلکم ویذهلکم یوم  
یفوز فیہ من ثقل وزن حسنته وخف وزن سیئته ولتکن  
سئلکم وتملکم سئلة ذل وخضوع وشکر وخشوع بتوبة ونزوع  
وندام ورجوع ویسغتنم کل مغتنم منکم صحته قبل سقبه  
وشیته قبل هرمة وسعته قبل فقرة وفرغته قبل شغله وحضرة  
قبل سفرة قبل تکبر وتهرم وتسقم یبله طیبه ویعرض عنه  
حبیبه ویقطع عمرة ویتغیر عقله - ثم قبل شو موعون وجسه  
منهوک ثم جد فی نزع شدید وحضرة کل قریب وبعید فشحص  
بصرة وطمح نظرة ورشح جبینہ وعطف عرینه وسکن حنینہ  
وحزنته نفسه وبکته عرسه وحفر رمسه ویتم منه ولدة وتفرق  
منه عداة وقسم جبعه وذهب بصره وسیعه ومُدد وجرّد وعدای

وُغَسِّلَ وَنُشِفَ فُجِعِي وَبَسَطَ لَهُ وَهْنِي وَنُشِرَ عَلَيْهِ كَفْنُهُ وَشُدَّ مِنْهُ  
ذِكْنُهُ وَقُتِّصَ وَعُتِمَ وَوَدِمَ وَسُيْلِمَ وَحُمِلَ فَوْقَ سَرِيرٍ وَصُلِيَ عَلَيْهِ  
بِتَكْبِيرٍ وَنُقِلَ مِنْ دُورِ مَزْخَرَةٍ وَقُصُورٍ مَشِيدَةٍ وَحَجَرٍ مَنْجِدَةٍ  
وَجُعِلَ فِي ضَرْيَحٍ مَلْحُودٍ وَضَيْقٍ مَرْصُودٍ بِبَيْلَيْنِ مَنْفُودٍ مَسْقَفٍ  
بِجَلْمُودٍ وَهَيْلٍ عَلَيْهِ حَفْرَةٍ وَحَافِيٍّ عَلَيْهِ قَدْرَةٍ وَتَحَقَّقَ حَضْرَتُهُ وَنَسِيَ  
خَبْرَتَهُ وَرَجَعَ مِنْهُ وَلِيَهُ وَصْفِيهِ وَنَدِيهِ وَنَسِيْبِهِ وَبَتَدَلَّ بِهِ قَرِيْبُهُ  
وَحَبِيْبُهُ فَهُوَ حَشَوَ قَبْرَ وَرَهِيْنٍ قَفْرٍ يَسْعَى بِجَسَدِهِ دُودَ قَبْرَةٍ  
وَيَسِيْلُ صَدِيْدَةً مِنْ مَنْخَرَةٍ يَسْحَقُ بِرَمْتِهِ لَحْبَهُ وَيَنْشِفُ دَمْعَهُ  
وَيُرِمُ عَظْمَهُ حَتَّى يَوْمَ حَشَا فَنَشَا مِنْ قَبْرَةٍ حَيْنَ يَنْفَخُ فِي صُورٍ  
وَيَدْعَى بِحَشَا وَنَشُورٍ فَتَمَّ بَعَثَتْ قُبُورٌ أَحْصَلَتْ سَرِيْرَةٌ صَدُورٍ  
وَجِيِيٍّ بِكُلِّ نَبِيٍّ وَصَدِيْقٍ وَشَهِيدٍ وَتَوَحَّدَ لِلْفَصْلِ قَدَائِرُ يَعْبُدُهُ  
خَبِيرٌ بِصِيْرٍ، فَكَمْ مِنْ زُفْرَةٍ تُضْنِيهِ وَحَصْرَةٍ تُنْضِيهِ فِي مَوْقِفٍ مَهُولٍ  
وَمَشْهَدٍ جَلِيْلٍ بَيْنَ يَدَيِ مَلِكٍ عَظِيْمٍ وَبِكُلِّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ عَلِيْمٍ  
فَحَيْنَتُنْذُ يَلْجِئُهُ عِرْقُهُ وَيَحْصِرُهُ قَلْقُهُ عِبْرَتُهُ غَيْرُ مَرْحُومَةٍ  
وَمَرْخَتُهُ غَيْرُ مَسْجُوعَةٍ وَحِجَّتُهُ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ زَاوِلُ جَرِيْدَتِهِ وَنُشْرُ  
صَحِيْفَتِهِ نَظَرٌ فِي سَوْءِ عَمَلِهِ وَشَهِدَاتٌ عَلَيْهِ عَيْنُهُ بِنَظَرَةٍ وَوَيْدَةٍ بِبَطْشَةٍ  
وَرَجْلُهُ بِخَطْوَةٍ وَفَرَجُهُ بِبَلْبَسَةٍ وَجِلْدُهُ بِسَسَةِ فَسْلَسَلَةٍ جِيْدَةٍ وَغَلَتْ  
يَدَاكَ وَسَيَقُ فُسْحَبٌ وَحَدَاةٌ فُورِدَ جَهَنَّمَ بِكَرْبٍ وَشَدَّةٍ فَظَلَّ يَعْذَبُ فِي  
جَحِيْمٍ وَيَسْقَى شَرْبَةً مِنْ حَمِيْمٍ تَشْوِي وَجْهَهُ وَتَسْلَخُ جِلْدَهُ  
وَتَضْرِبُهُ زَبْنِيْتَهُ بِمَقْعٍ مِنْ حَدِيْدٍ وَيَعُوْدُ جِلْدُهُ بَعْدَ لَفْنَجِهِ كَجِلْدِ  
جَدِيْدٍ يَسْتَفِيْثُ فَتَعْرُضُ عَنْهُ خَزَنَتُهُ جَهَنَّمَ وَيَسْتَصْرِخُ فَيَلْبِثُ  
حَقْبَهُ فَيَنْتَدِمُ، نَعُوْذُ بِرَبِّ قَدَائِرٍ مِنْ شَرِّ كُلِّ مَصِيْرٍ -

وَنَسْتَلْهُ عَفْوً مِنْ رَضَى عَنْهُ مَغْفَرَةً مِنْ قَبْلِهِ فَهُوَ دَلِيٌّ مُسْتَلْتِي

ومنجم طلبتی فنن زحزح عن تعدیب ربه جعل فی جنته بعزته  
 وغلد فی قصور مشیدة وملك بحور عین وحفدة وطفیف علیہ  
 بکؤوس وسکن خطیرة القدس وتقلب فی نعیم وسقی من تسنیم  
 وشراب من عین سلسبیل وفرج له بزنجبیل مکتم بمسک وعبیر  
 مستدیم للبلک مستشعر للسراور یشرب من خبور فی روض  
 معذوق لیس یصدم من شراب ولیس ینزف هذه منزلة من خشى  
 ربه وحذر نفسه معصيته فهو قول فصل وحکم عدل وخیر قصص  
 قص ووعظ نص تنزیل من حکیم حمید نزل به روح قدس مبین  
 علی قلب بن مهتدر رشید صلت علیہ رسل سفرة مکرمون  
 بررة عدت برب علیم رحیم کریم من شر کل عدو لعین رجیم  
 فلیتضرع متضرعکم ویسبتهول مبتلهمکم ویستغفر کل مرجوب  
 منکم لی ولکم وحسبى ربی وحده

”میں اُس ذات کی حمد بجالاتا ہوں جس کے احسانات عظیم ہیں اور نعمات  
 کمال ہیں۔ جس کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور جس کے  
 کلمات کمال ہیں اور اُس کی مشیت جاری ہے اور اُس کا فیصلہ نافذ ہے۔  
 میں اُس ذات کی اُس شخص کی سی حمد بجالاتا ہوں، جو اس کی ربوبیت کا  
 اقرار کرنے والا ہے۔ اس کی عبودیت کے سامنے خاضع ہے۔ اپنی خطاؤں  
 سے بھاگنے والا ہے اور اپنی تنہائی میں مفرد ہے اور اُس سے ایسی  
 مغفرت کا طالب ہے جو کہ اُسے اس دن نجات دلائے جب وہ اپنے  
 خاندان اور اولاد کا ہوش نہیں ہوگا۔

میں اُس کی توحید کا اس طرح سے اقرار کرتا ہوں جیسا کہ کوئی یقین رکھنے  
 والا مومن اقرار کرتا ہے۔ میں اُس کی توحید کا یقین رکھنے والے بندے  
 کے مانند اعتراف کرتا ہوں۔ اُس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں ہے اور

اُس کی صفت میں اُس کا کوئی سر پرست نہیں ہے۔ وہ کسی بھی مشیر اور وزیر سے بلند و بالا ہے اور وہ ہر طرح کے ناصر، مددگار اور نظیر سے بلند و برتر ہے۔ وہ جانتا ہے پھر بھی پردہ پوشی کرتا ہے اور وہ باطن کی خبر دیتا ہے۔ وہ مالک ہے اور غالب ہے۔ اُس کی نافرمانی کی گئی تو اُس نے معاف کیا اور فیصلہ کیا تو عدل کو قائم رکھا۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ کوئی چیز اُس کے مانند نہیں ہے۔ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی وہ اُن کے بعد میں بھی باقی رہے گا۔

وہ ایسا رب ہے جسے اپنی عزت پر فخر ہے اور اپنی قوت سے متحکم ہے، اپنی بلندی کا مقدس ہے اور اپنی بلندی میں متکبر ہے۔ اس کی آنکھ اور اک نہیں کر سکتی اور نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ وہ قوی اور مضبوط ہے۔ وہ سچ و بصیر اور رؤف و رحیم ہے۔ اُس کی وصف کرنے والا اُس کی وصف کرنے سے عاجز ہے اُس کی معرفت رکھنے والا اُس کے بیان سے قاصر ہے۔ وہ قریب بھی ہے اور بعید بھی ہے اور بعید ہو کر بھی قریب ہے۔ پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہتا ہے اور اُسے رزق سے نوازتا ہے اور اس پر عطیات کرتا ہے۔ وہ لطف و حتیٰ اور قوی کا مالک ہے۔ وہ وسیع رحمت اور درودناک حقوبت کا مالک ہے۔ اُس کی رحمت وسیع و عریض اور حسین جنت کی شکل میں ہے اور اُس کی حقوبت دوزخ ہے، جو کہ ہلاک کنندہ ہے۔

میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی گواہی دیتا ہوں جو کہ اُس کے عبد اور اُس کے رسول ہیں، اُس کے پسندیدہ نبی ہیں اور اُس سے کلام کرنے والے ہیں اور اُس کے حبیب اور ظلیل ہیں۔ خدا نے اُنہیں بہترین دُور میں مبعوث کیا۔ وہ دو بر فترت تھا اور اُس وقت کفر پھیلا ہوا تھا۔ خدا نے آپ کو اس لیے مبعوث کیا کہ اپنے بندوں پر رحمت نازل فرمائے اور

اپنے احسانات میں اضافہ فرمائے۔ خدا نے آپؐ پر نبوت کا اختتام کیا اور اپنی حجت کو مضبوط کیا۔ آپؐ نے کامل و اکمل انداز میں وعظ و نصیحت فرمائی۔ آپؐ ہر مومن کے لیے رؤف و رحیم ہیں۔ آپؐ خدا کے پسندیدہ دوست اور پاکیزہ فطرت ہیں۔ آپؐ پر رحمتیں ہوں، سلام ہوں اور برکتیں ہوں اور عظیم ہو اُس رب کی طرف سے جو کہ غفور و رحیم اور قریب و مجیب ہے۔

اے میری اس مخلق میں موجود گروہ! میں تمہارے سامنے تمہارے رب کی وصیت کو ڈھراتا ہوں اور تمہیں تمہارے نبیؐ کی سنت کی یاد دہانی کراتا ہوں۔ تمہیں اپنے اندر ایسا خوف پیدا کرنا چاہیے جو تمہارے دلوں میں رعب بس جائے اور اُس خوف کی وجہ سے تمہارے آنسو بہنے لگیں۔ میں تمہیں ایسے تقویٰ کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اُس دن سے نجات دلائے، جو لوگوں کی آزمائش ہوگی اور انہیں ہر چیز کا ہوش بھلا دے گی۔ اور قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں وہ شخص کامیاب قرار پائے گا، جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری اور برائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ تم پورے خشوع و خضوع اور مسکنت و ہلکے کے ساتھ اُس سے سوال کرو۔ تمہارے سوال میں توبہ و انابت، ندامت و رجوع شامل ہونا چاہیے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ بیماری سے قبل صحت مندی اور بڑھاپے سے قبل جوانی اور غربت سے پہلے مارت اور مصروفیت سے قبل فارغ البالی کو نصیبت جائے۔ اسی طرح سے سفر سے پہلے حضر کو اور بڑھاپے اور بیماریوں سے قبل جوانی اور صحت رستی کو نصیبت جائے۔

وہ وقت آنے والا ہے جب طیب مایوس ہو جائے گا اور دوست منہ پھیر لیں گے اور عمر کی ری کٹ جائے گی اور عقل ٹھکانے نہیں رہے گی۔ پھر کہا جائے گا کہ اُسے شدید بخار ہے اور اس کا جسم کمزور ہو چکا ہے۔ پھر نزاع

کا عالم طاری ہوگا۔ اس وقت ہر قریب و بعید موجود ہوگا۔ نگاہ پتھر جائے گی اور نظر ٹھہر جائے گی اور ماتھے پر پسینہ آئے گا۔ اس وقت اس کی چٹخ و پکار رُک جائے گی اور اس کا نفس غفلتیں ہوگا اور دل میں رونے لگ جائے گی اور اُس کی تدفین کے لیے قبر کھودی جائے گی، اولاد یتیم ہو جائے گی اور تعداد متفرق ہو جائے گی اور اس کا جمع کردہ مال تقسیم کر دیا جائے گا اور اُس کی سماعت و بصارت زائل ہو جائے گی۔ پھر اُسے غسل کے لیے لکڑی کے تختہ پر لٹا دیا جائے گا اور کپڑے اُتار لیے جائیں گے اور غسل میت دیا جائے گا۔ غسل کے بعد اُس کے جسم کو کپڑے سے خشک کیا جائے گا اور اُسے کفن میں لپیٹ دیا جائے گا اور اُس کی ٹھوڑی باندھ دی جائے گی اور قمیص اور عمامہ اُتارا جائے گا، اُس کو الوداع کہا جائے گا اور اُسے آخری سلام کہا جائے گا اور چار پائی پر اٹھا کر اُسے گھر سے باہر لایا جائے گا اور اُس پر نماز میت پڑھی جائے گی۔ خوب صورت مکانات اور پختہ محلات اور قرینے سے رکھے ہوئے پتھروں کے مکان سے اُسے نکال کر تنگ و تاریک لحد کے سپرد کیا جائے گا۔ جہاں اینٹیں لگی ہوں گی، جس کی چھت کسی مضبوط پتھر کی ہوگی اور اس پر مٹی ڈال دی جائے گی اور وہ خدا کے حضور پیش ہوگا اور لوگ اُس کی خبر تک کو فراموش کر دیں گے۔ پھر اُسے قبر میں تنہا چھوڑ کر اُس کے تمام دوست احباب رشتہ دار واپس اپنے گھروں کو چل پڑیں گے اور اُس کے متبادل اپنے نئے دوست اور احباب بنالیں گے جب کہ مرنے والا قبر میں تنہا پڑا ہوگا اور ویرانیوں کو گلے لگائے ہوئے ہوگا اور قبر کے کیڑے اُس کے جسم پر دوڑ رہے ہوں گے اور اُس کے نتھنوں سے خون اور پیپ جاری ہوگا۔ کیڑے کھڑے اُس کے گوشت کو کھا رہے ہوں گے۔ اُس کا خون خشک ہو جائے گا اور ہڈیوں کا بنجر پڑا ہوگا اور یہ حالت قیامت تک برقرار رہے گی۔ پھر جب

صور پھونکا جائے گا تو اُسے قبر سے اٹھایا جائے گا اور اُسے محشر کے لیے بلایا جائے گا۔ قبریں پھٹ جائیں گی اور سینوں میں چھپے ہوئے بید آشکارا ہوں گے۔ اس وقت نبی، صدیق اور گواہوں کو لایا جائے گا اور فیصلہ کرنے والا قادر مطلق ہوگا۔ خیر و بصیر خدا بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اُس وقت وہ کتنی ٹھنڈی سانس لے گا جو اُسے کمزور کر دیں گی اور اُس کی حسرتیں اسے ہلکان کر رہی ہوں گی۔ وہ انتہائی خوفناک مقام ہوگا اور بہت بڑی ٹپٹی ہوگی۔ یہ ٹپٹی عظیم بادشاہ کے حضور ہوگی، جو ہر چھوٹی بڑی بات سے آگاہ ہے۔ اس وقت وہ اپنے پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا اور قلق نے اُس کا عاصروہ کر رکھا ہوگا۔ اُس کے آنسوؤں پر رحم نہیں کیا جائے گا اور اُس کی چیخوں کو نہیں سنا جائے گا اور اس کے عذر بہانوں کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اُس کے سامنے اُس کا نامہ اعمال کھول دیا جائے گا اور وہ اپنے برے اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔ اس کے خلاف اس کی آنکھیں غیر شرعی مناظر دیکھنے کی گواہی دیں گی اور اُس کے ساتھ اُس کی ناجائز پکڑ کی گواہی دیں گے اور اُس کے پاؤں حرام مقامات پر جانے کی گواہی دیں گے اور اُس کی شرم گاہ ملاست کی اور اُس کی چلد خس ہونے کی گواہی دیں گی۔ پھر اُس کی گردن میں زنجیر ڈال دیے جائیں گے اور اُس کے ہاتھوں کو جکڑ دیا جائے گا اور اُسے تن تھما کھینچا جائے گا اور وہ دوزخ میں کرب و شدت کے ساتھ داخل ہوگا اور وہاں اُسے عذاب دیا جائے گا۔ اُسے گرم ترین پانی پلایا جائے گا جس سے اُس کا چہرہ جھلس جائے گا اور اُس کی چلد پھٹ جائے گی اور دوزخ پر مامور فرشتے لوہے کے مسلوں سے اُسے ٹپٹیں گے۔ اُس کی چلد جل جانے کے بعد دوبارہ پلٹ آئے گی۔ وہ مدد کے لیے پکارے گا۔ دوزخ کے خازن اُس سے منہ پھیر لیں گے۔ وہ چلائے گا، پھر وہ زندگی پر عداوت کا اظہار کرے گا۔



ہر برے انجام سے ہم ربِ قدر کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس سے بخش و مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔ وہی میرے سوالات کا پورا کرنے والا ہے اور میری حاجات بر لانے والا ہے۔ جسے عذاب سے بچایا جائے تو اُسے عزت کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا اور مضبوط محلات میں اُسے ہمیشہ رکھا جائے گا اور خورِ عین کا مالک ہوگا۔ اس کے گرد جامِ گردش کریں گے اور وہ حظیرۃ القدس میں رہائش پذیر ہوگا اور نعمات میں پلٹتا رہے گا اور اُسے تسنیم کا پانی پلایا جائے گا اور سلیمانیل کے چشمہ سے اُس کی پیاس بجھائی جائے گی جس میں زنجیل کی آمیزش ہوگی اور اُس کے جام پر کستوری اور عنبر کی مہر لگی ہوئی ہوگی۔ اُس کی ملکیت دائمی ہوگی۔ وہ خوشیوں کا اظہار کرے گا۔ وہ جنت میں ایسا شرابِ طہور پئے گا جس سے سرور نہ ہوگا اور نہ ہی دیوانگی اُس پر چھا جائے گی۔ یہ اُس کا مقام ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا اور اپنے آپ کو خدا کی معصیت سے خبردار کیا۔ سزا کے حق دار وہ ہیں جنہوں نے اُس کی مشیت کا انکار کیا اور جن کے نفوس نے معصیت کو مزین کر کے پیش کیا۔ یہ قولِ فیصل ہے اور عادلانہ فیصلہ ہے اور بہترین بیان کیا گیا قصہ ہے اور وعظ کی گئی نص ہے۔ قرآن صاحبِ حکمت اور لائقِ حمد خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، جسے روح القدس لے کر نازل ہوا ہے۔

یہ قرآن ہدایت یافتہ نبی کے دل پر اترا ہے۔ اس پر عزت مند ملائکہ کا درود و سلام ہو۔ عیسیٰ علیم و رحیم اور کریم رب کی ہر لعین و رجیم دشمن سے پناہ چاہتا ہوں۔ تم میں سے ہر تضرع کرنے والے کو اپنے لیے اور میرے لیے استغفار کرنا چاہیے۔ اللہ ہی میرے لیے کافی ہے۔“

## غیر منقوط خطبہ

کتابوں میں منبر سلونی کے خطیب بے بدیل کا غیر منقوط خطبہ بھی منقول ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے پوری کتابیں غیر منقوط حروف سے لکھی ہیں، جس کی واضح مثال ہندوستان کے مغل اعظم بادشاہ محمد اکبر کے مشیر مولا فیض کی تفسیر ”سواطع الالہام“ ہے۔

مولا فیض نے اپنی تفسیر میں ایک بھی نقطے والا حرف نہیں آنے دیا، لیکن اس طرح کی کتابیں ”آورد“ پر مبنی ہیں اور گہرے سوچ بچار کا نتیجہ ہیں، جب کہ امیر المومنینؑ کے ہاں ”آورد“ کی بجائے ”آمد“ دکھائی دیتی ہے۔ آپؐ نے یہ خطبہ فی البدیہہ کہا تھا، اسی لیے اُسے دنیائے ادب کا مجرہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

آپؐ سے دو غیر منقوط خطبات منقول ہیں۔ ہم پہلا خطبہ نقل کرتے ہیں اور دوسرے خطبہ کی بطور نمونہ چند سطریں ہی پیش کریں گے۔

الحمد لله الملك المحمود المالك الودود مصور كل مولود  
ومآل كل مطرود ساطع البهادر وموطو الاطواد مرسل الامطار  
ومسهل الاوطار عالم الاسرار ومدركها ومدمر الاملاك  
ومهلكها ومكور الدهور ومكهرها ومورد الامور ومصدرها  
عم سامه وكمل وكامه وهيل وطاوع السؤال والامل وادسع  
الرميل وارمل احبدا حيدا مسددا وواحدة كبا وحد الاواة  
وهو الله لاله للامم سواة ولا صادم لما عدله وسواة ارسل  
محيدا علما للاسلام واما ما للحكام مسددا الرعام ومعطل  
احكام ودوسواة اعلم وعلم وحكم واصل الاصول ومهد وأصكد  
الموعود وادعدا وصل الله له الاكرام واددع روحه السلام  
ورحم اله واهله الكرام ما لمع رائل وملع دال وطلع هلال  
وسمع اهلال اعملوا رعاكم الله اصلح الاعمال واسلكوا  
مسالك الحلال واطهروا الحرام ودعوا واسعوا امر الله

ووعوہ وصلوا الارحام وراعوها وعاصوا الالهواء واردعوها  
وصاهرذا اهل الصلا والورع وصارموا رھط اللھو والطعم  
ومصاهرکم اطھر اللأحرار مولدا واسماھم سوددا واحلاھم  
موردا وھاھو امکم وحل حرمکم حبلا عروسکم البکرمہ  
ومامھر لھا الاکما مھر رسول اللہ ام سلمہ وھو اکرم صھر  
اودم الاولاد وملک وما اراد وما سھا مبلکہ ولادھم ولا دکن  
ملاحبہ ولا وصم اسأل اللہ حکم احباد وصالہ ودوام اسعاده  
والھم کلا اصلاح حالہ والاعداد مبالہ وھادۃ ولہ الحمد  
السماد والبدح لرسولہ احمد

”تمام حمد اُس اللہ کے لیے ہے جو کہ قابلِ حمد بادشاہ ہے اور محبت رکھنے  
والا مالک ہے اور ہر مولود کی تصویر بنانے والا ہے اور راعہ فرد کا سہارا  
ہے۔ وہ زمین کا بچھانے والا ہے اور ٹیلوں کو بلندی دینے والا ہے اور  
بارشوں کو روانہ کرنے والا ہے اور مطالب میں آسانی پیدا کرنے والا ہے۔  
وہ تمام اسرار کا ادراک و علم رکھتا ہے اور ملکیوں کو تباہ اور ہلاک کرنے  
والا ہے اور زمانوں کو لپیٹنے والا اور پٹانے والا ہے اور جملہ امور کا فقط  
آغاز و انجام ہے۔ اس کی سخاوت عام ہے اور اُس کا فیض کامل ہے۔  
وہی پانی کو جاری کرنے والا ہے اور سوال اور اُمید میں اسی نے مطابقت  
پیدا کی ہے۔ اسی نے ریت کو وسعت دی اور اُسے باریکی عطا کی۔

میں اُس کی ایسی حمد بجالاتا ہوں، جو کہ پھیلی ہوئی ہے اور میں اُس کی  
توحید کا اقرار کرتا ہوں جیسا کہ نرم دل انسان اقرارِ توحید کرتا ہے۔ وہ اللہ  
ہے اُنہوں کا اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ خدا جس کو سیدھا  
کردے اُسے کوئی ٹیڑھا نہیں کر سکتا۔

خدا نے محمد مصطفیٰ (ﷺ) کو اسلام کا رہنما اور حکام کا امام بنا کر بھیجا

اور رحمت کی اصلاح کرنے والا اور دودھوار جیسے بتوں کے خود ساختہ احکام کو باطل کرنے والا بنا کر بھیجا۔ آپؐ نے اعلان کیا اور تعلیم دی اور مضبوط فیصلے کیے۔ اللہ آپؐ کی روح پر سلام بھیجے اور آپؐ کی محترم آل اور خاندان پر رحم فرمائے جب تک کوئی ستارہ چمکتا رہے اور جب تک جہان قائم رہے اور پہلی کا چاند طلوع ہوتا رہے اور شور مچاتا رہے۔

لوگو! خدا تمہاری نگہبانی کرے، اچھے اعمال بجالاتے رہو اور حلال کے راستوں پر گامزن رہو، اور حرام کو دُور پھینک دو اور اُسے چھوڑ دو، اور خدا کے فرمان کو سنتے رہو اور اُسے حفظ کرو۔ صلہ رُحی کرو اور اُس کی نگہبانی کرو۔ خواہشات کی نافرمانی کرو اور اُنہیں کچل دو اور باصلاحیت اور اہل تقویٰ سے رشتہ داری قائم کرو۔ لہو اور طمع کار لوگوں کے گروہ سے علیحدہ رہو۔ تم سے رشتہ کی درخواست اُسی نے کی ہے جو کہ آزاد افراد میں پاک باز فرد ہے اور سرداری کے قابل ہے اور جو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس نے تمہارا قصد کیا ہے اور تمہارے ہاں اُترا ہے اور تم سے زوجیت کا طلب گار ہے اور اُس نے اپنی ٹالین کے لیے وہی مہر مقرر کیا ہے جو رسولؐ خدا نے حضرت اُم سلمہؓ کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ بہترین داماد ہے اور وہ اپنے ارادوں کا مالک ہے۔ وہ کمزور اور کامل نہیں ہے۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کا وصال بہتری لائے اور سعادت کا ذریعہ ثابت ہو۔ خدا سب کو اصلاح حال اور معاد کی تیاری کی توفیق بخشے اس کے لیے ابدی حمد ہے اور اُس کے رسولؐ احمد مجتبیٰ (علیہ السلام) کے لیے مدح ہے۔“

اسی طرح کا ایک اور خطبہ مناقب میں مرقوم ہے۔ کلبی نے ابی صالح اور ابو جعفر بن باویہ سے روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے اپنی اسناد سے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے یہ بیان کیا کہ امیر المومنین علیؑ نے ایک

اور غیر محفوظ خطبہ فی البدیہہ ارشاد فرمایا، جس کا ابتدائی یہ ہے:

الحمد لله اهل الحمد ومأواه واوكد الحمد واحلام واسم  
الحمد اسراء واظهر الحمد وسماة واكرم الحمد واولادہ.....  
الى آخره

علیؑ، شاعر، وعظ اور فلسفہ

امیر المومنین علیؑ ہر علم و فن میں یگانہ روزگار تھے۔ اگر شعر و شاعری کی بات کی جائے تو آپؑ بہت بڑے شاعر تھے۔ چنانچہ بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا: ”حضرت علیؑ تمام صحابہ سے بڑے شاعر تھے اور آپؑ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے اور آپؑ لکھائی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔“

تاریخ بلاذری میں مرقوم ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان شعر کہا کرتے تھے لیکن حضرت علیؑ ان تینوں سے بڑے شاعر تھے۔  
آپؑ لحاظ و اعظ دنیا کے مؤثر ترین واعظ تھے۔ آپؑ کے بیان کردہ اقوال زریں اور مواظ بہت زیادہ ہیں۔ اتنے اقوال زریں اور مواظ کسی بھی صحابی سے منقول نہیں ہیں جتنے آپؑ سے ہیں۔

حضرتؑ کے چند اقوال زریں ملاحظہ فرمائیں:

من زهم العدو ان حصد الخسران  
”جو ظلم و زیادتی کی فصل کاشت کرے گا تو وہ خسارہ کاٹے گا۔“

من ذكر السنية نسي الامنية  
”جو موت کو یاد کرے گا تو اُسے آرزوئیں بھول جائیں گی۔“

من قعد به العقل قام به الجهل  
”جس شخص کو عقل بجا دے جہالت اُسے کھڑا کر دیتی ہے۔“

يا اهل الغرور ما ألهمكم بدار خيبرها زهيد وشرها عتيد

ونقیبھا مسلوب وعزیزھا منکوب ومسالبھا محروب ومالکھا  
مسلوک وتراثھا متروک؟

”اے دھوکے میں چلا لوگو! جنہیں اس گھر سے بڑی محبت ہے جس کی  
بھلائی کم اور جس کی برائی زیادہ ہے۔ یہاں کی نعمات چھین لی جائیں گی  
اور یہاں کے معزز فرد کو سرگلوں ہوتا پڑتا ہے۔ یہاں صلح رکھنے والے  
سے جنگ کی جاتی ہے اور یہاں کے مالک کو مملوک بننا پڑتا ہے اور  
یہاں کی مالیت وراثت کا ترکہ بنتی ہے۔“

امیرالمومنین علیؑ فلسفہ و حکمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپؑ سے بڑا فیلسوف  
چشم فلک نے نہیں دیکھا۔

حضرت علیؑ کے اس فرمان کو سنئے اور سوچئے کہ کیا حکمت و فلسفہ اس کے علاوہ اور کسی  
چیز کا نام ہے؟

أَنَا النُّقْطَةُ أَنَا الْخَطُّ، أَنَا النُّقْطَةُ، أَنَا النُّقْطَةُ وَالْخَطُّ  
خطیب منبر سلونی فلاسفہ بیان کرتے ہیں:

”قدرت اصل ہے اور جسم اُس کا حجاب ہے اور صورت جسم کا حجاب ہے  
کیونکہ نقطہ اصل ہے اور خط اُس کا حجاب اور اُس کا مقام ہے اور حجاب  
جسم ناموسی کے علاوہ اور چیز ہے۔“

آپؑ سے عالم ملوی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

صور عاریة من المواد عالیة عن القوة والاستعداد تجلی لها  
فاشرقت وطالعها فتلاوت والقی فی هویتها مثاله فاطهر عنها  
افعاله وخلق الانسان ذانفس ناطقة ان زکاه بالعلم فقد  
شابھت جواهر ادائل عللها واذا اعتدل مزاجها وفارقت  
الاضداد فقد شارک بها السبع الشداد

”وہ مواد سے خالی صورتوں پر مشتمل ہے اور قوت و استعداد سے بلند

ہے۔ اس پر محلی ڈالی گئی تو وہ چمک اٹھی اور اس کا مطالعہ کیا گیا تو وہ روشن ہو گئی۔ اُس کی اصلیت میں اس کی مثال کو ڈالا گیا۔ اس سے اس کے افعال ظاہر ہوئے اور انسان کو نفسِ مطلقہ کا مالک بنا کر پیدا کیا گیا۔ اگر وہ علم کے ساتھ اس کا تزکیہ کرے تو وہ اپنے اوائلِ مطلق کے جواہر سے مشابہہ ہوگی اور جب اس کے حراج میں احتمال ہو اور تضادات سے جدا ہو جائے تو اس میں سات آسمان بھی شریک ہو جاتے ہیں۔“

شیخ الرییس ابن سینا نے کہا: ”کوئی بھی بہادر اور دلیر شخص فیلسوف نہ ہوگا، البتہ حضرت علی علیہ السلام اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔“

سید شریف رضی فرماتے ہیں: ”جو حضرت کا کلام سنے تو وہ اس بات میں شک نہ کرے گا کہ یہ کسی ایسے تاریک الدنیا انسان کی گفتگو ہے جو کہ کسی گھر کے کونے میں خانہ نشین ہے یا کسی پہاڑ کے دامن میں دنیا سے کٹ کر بیٹھا ہوا ہے، جہاں تنہائی میں اپنی آواز کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنا اور اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا۔“

وہ یہ ماننے پر آمادہ نہ ہوگا کہ یہ اس کا کلام ہے جو کہ جنگ میں گھس کر جنگ کا پانسہ پلانے والا ہے اور اُس نے تلوار بے نیام کی ہوئی ہے اور مخالفین کی گردنوں کو اڑا رہا ہے اور بڑے بڑے بہادروں کو زیر کر رہا ہے۔ اُس کی تلوار سے دشمنوں کے خون کے قطرات ٹپک رہے ہیں اور اس کی تلوار دشمنوں کی روح قبض کر رہی ہے۔

اتنا بڑا جری اور دلیر ہوتے ہوئے بھی وہ سب سے بڑا زاہد اور تمام ابدال کا رئیس و سردار ہے۔ یہ بات آپؑ کے عجیب فضائل میں سے ہے اور یہ آپؑ کے وہ خصائص ہیں کہ اُن کے ذریعے سے آپؑ نے اضمحلال کو جمع کیا تھا۔ اور اگر بات سادہ شناسی اور علمِ نجوم کی ہو تو آپؑ سے بڑا ماہرِ نجوم آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام جنگ لڑنے کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں آپؑ کی ایک نجم سے ملاقات ہو گئی۔

اس نے عرض کیا: امیر المومنین! اس وقت منحوس ستارے طلوع کر چکے ہیں اور سعد

ستارے فی الحال اُن کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ ایسے وقت میں دانش مند شخص کو چاہیے کہ وہ خاموشی سے گھر میں بیٹھا رہے۔ آج کا دن تمہارے لیے بہت بھاری ہے۔ دو ستاروں کا ملاپ ہو چکا ہے اور میزان سے ہٹ چکے ہیں۔ آپ کے برج سے دو روشن ستارے ہٹ چکے ہیں۔ اس وقت تم لوگوں کے لیے جنگ کرنا نامناسب ہے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: اے دہقان! آنے والے حالات کی خبر دینے والے اور اقدار سے ڈرانے والے! بھلا یہ تو بتا کہ کل صاحبِ میزان کیا تھا؟ اور سرطان کا ساتھی کس برج میں تھا؟ اسد کی حرکات کی کتنی ساعتیں تھیں اور سراری اور زرداری ستاروں میں کتنا فاصلہ ہے؟

نجم نے کہا: میں اسرلاب میں دیکھوں گا۔

اس کا یہ جواب سن کر آپؐ مسکرا دیے اور پھر اس سے فرمایا: اے دہقان! تجھ پر انہوس، کیا ثوابت کو چلانے والا کون ہے؟ یا تو چلنے والوں پر فیصلہ کیسے کرتا ہے؟ اسد کون سے مطلع میں ہے اور زہرہ کے توابع اور جماع کیا ہیں؟ اور سراری حرکات کا کردار کیا ہے؟ اور روشن ستاروں کی شعاع کہاں تک جاتی ہے؟ صبح کے اوقات میں کتنے درجے حاصل ہوتے ہیں؟

نجم نے کہا: امیر المومنین! مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اے دہقان! کیا حیرے علم نے تجھے یہ بتایا ہے کہ چین میں بادشاہت کا گھر بدل گیا ہے اور زنج میں شہر جل گئے ہیں اور آتش کدہ فارس بجھ گیا ہے اور ہندوستان کا مینار گر گیا ہے اور سراندیپ ڈوب گیا ہے اور اندلس کا قلعہ ٹوٹ گیا ہے اور ترکوں اور رومیوں میں لڑائی ہو چکی ہے۔

یہ سنا تو دہقان سجدہ میں گر گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو امیر المومنینؑ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے توفیق کے چشمہ سے سیراب نہیں کیا؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میں اور میرے ساتھی شرقی ہیں اور نہ مغرب

ہیں، ہم ناشترہ قطب اور اعلامِ فلک ہیں۔



ٹوٹنے کہا کہ آپؐ کے برج سے دور روشن ستارے ہٹ چکے ہیں اور سرطان ظاہر ہو چکا ہے تو حیرے لیے ضروری ہے کہ تو اس سے میرے حق میں نتیجہ نکالنا نہ کہ میرے خلاف، کیونکہ اس کا نور اور روشنی تو میرے پاس ہے اور اس کی سوزش اور آتش مجھ سے دور ہو چکی ہے۔ یہ ایک ضروری مسئلہ ہے اگر حساب کرنا ہو تو اس طرح سے کیا کرو۔

دھقان نے کہا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّكَ عَلِيٌّ وَلِلَّهِ۔ امیر المومنین علیؑ نے توحید اور الہیات کے موضوع پر سیر حاصل خطبات دیے۔ آپؑ نے اپنے خطبات میں صفاتِ ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ اور ان کے متعلقات پر بحث کی۔ علاوہ ازیں آپؑ نے اَکْلاک، نُجُوم، بادل اور صحر، برق اور بارش کے نزول کے متعلق علومِ طبیعیات پر بھی خطبات دیے تھے۔

آپؑ نے انسانی کیفیات لطفہ، جنین، شیرخوارگی اور بچپن کے حناوین پر انسان کے وجود کے متعلق اپنے قیمتی نظریات کا اظہار کیا تھا۔ آپؑ نے علمِ نفس اور انسانی فلسفہ پر بھی اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرمایا تھا۔

اس طرح کے تمام مباحث جمہیں نَجِّ البلاغہ کے خطبات میں دکھائی دے سکتے ہیں۔ ہم اس بحث کے اختتام پر اس عنوان کے متعلق ابن ابی الحدید کا کلام نقل کرنا چاہتے ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: تم جانتے ہو کہ تمام علوم سے علمِ الہی زیادہ محترم ہے، کیونکہ جتنا معلوم کو شرف حاصل ہوگا اتنا ہی اس کے علم کو شرف حاصل ہوگا۔ ذاتِ الہی تمام موجودات سے افضل ہے، لہذا ذاتِ الہی کا علم بھی تمام علوم سے افضل ہے۔ اور توحید کی مباحث کا اقتباس آپؑ کے کلام سے ہوتا ہے۔ الہیات کے مباحث آپؑ سے ہی منقول ہیں اور ان کا انجام بھی آپؑ کی ذات پر ہوتا ہے۔

معتزلہ اپنے آپ کو اہل توحید و عدل کہلاتے ہیں۔ توحید و عدل کے مباحث کا منبع امیر المومنین علیؑ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ معتزلہ فرقہ کا سربراہ واصل بن عطاء ہے اور وہ ابوہاشم عبداللہ بن غمر حنفیہ کا شاگرد ہے۔ عبداللہ اپنے والد محمد حنفیہ کے شاگرد ہیں اور محمد حنفیہ اپنے والد ماجد امیر المومنین علیؑ کے شاگرد ہیں۔

جہاں تک فرقہ اشاعرہ کا تعلق ہے تو وہ اپنے آپ کو ابو الحسن بن ابی بشر اشعری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اشعری ابو علی جہانی کے شاگرد تھے اور ابو علی معتزلی العقیدہ تھے، لہذا اشاعرہ کی نسبت کا سفر معتزلہ کے معلم پر قیام ہوتا ہے اور پورے معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

جہاں تک امامیہ اور زیدیہ کا تعلق ہے تو ان کا اعتساب تو بالکل واضح ہے۔ آئیے علم فقہ پر نظر دوڑائیں۔ جب آپ علم فقہ کا تفصیلی اور تاریخی جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی ذات ہی فقہ کی بنیاد اور اساس ہے اور اسلام کا ہر فقہ آپ کے خرمن علم کا خوشہ چین ہے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں مثلاً ابو یوسف اور محمد وغیرہ نے فقہ کا علم امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا اور شافعی نے محمد بن حسن کے سامنے قرأت کی تھی، لہذا اس کی فقہ بھی امام ابوحنیفہ سے متصل ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا اور انھوں نے اپنے والد حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا۔

امام مالک کا سلسلہ علم اس طرح سے ہے کہ انھوں نے سیدہ الرائے سے علم فقہ حاصل کیا تھا اور اس نے مکرّمہ سے اور مکرّمہ نے ابن عباسؓ سے اور ابن عباسؓ نے امیر المومنینؓ سے علم فقہ کا اکتساب کیا تھا۔

اگر آپ چاہیں تو اسی سلسلہ سے شافعی کو بھی منسلک کر سکتے ہیں، کیونکہ شافعی نے مالک سے علم فقہ حاصل کیا تھا اور مالک کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتا ہے۔

شیعہ فقہ کا اعتساب تو بالکل واضح ہے اور حضرت عمر بن خطاب اور ابن عباسؓ ان دونوں بزرگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسب فیض کیا تھا۔

ابن عباسؓ کی شاگردی سب پر ظاہر ہے اور جہاں تک حضرت عمر کا تعلق ہے تو ہر شخص جانتا ہے کہ جب بھی ان پر کوئی مشکل آتی تھی تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع

کرتے تھے اور انہوں نے کئی بار تَوَلَّاهُ عَلَیْكَ لَعْنَتُكَ مُبَرَّکَا تھما۔

حضرت عمر کا مشہور قول ہے کہ ”خدا مجھے اس دن تک زندہ ہی نہ رکھے جب مشکل پڑے اور مشکل کشائی کے لیے علیؑ موجود نہ ہوں۔“

حضرت عمر نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ”مسجد نبویؐ میں حضرت علیؑ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص فتویٰ جاری نہ کرے۔“

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ علم فقہ کی بارگشت آپؐ کی طرف ہے۔ علمائے عامہ و خاصہ نے رسولؐ خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

أَقْضَاكُمْ عَلِیُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ

”عمما را سب سے بڑا قاضی علیؑ ہے۔“

قاضی کا لفظ قضا سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور قضا علم فقہ کا دوسرا نام ہے۔ اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ سب سے بڑے فقیہ تھے۔

جملہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے آپؐ کو قاضی بنا کر یمن روانہ کیا تو آپؐ نے یہ دعا مانگی تھی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ قَلْبَتْ وَتَبَّتْ لِسَانُہٗ

”خدا یا! اس کے دل کو ہدایت فرما اور اس کی زبان کو ثابت رکھ۔“

حضرت علیؑ کا قول ہے: ”اس کے بعد سے کبھی مجھے دو افراد کے درمیان فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا تھا۔“

جب ایک عورت کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس پر شرعی حد جاری کرنے کا حکم دیا تو حضرت علیؑ نے قرآن کریم کی آیت وَحَنَلُہٗ وَفِیْہِہٗ ثَلَاثُونَ شَہْرًا سے استدلال کیا کہ چھ ماہ میں بچہ ہونا ممکن ہے، لہذا اس عورت پر کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

آپؐ نے منبر پر یہ کہا تھا کہ اس کا آٹھواں حصہ نویں حصہ میں بدل گیا۔ اگر اس مسئلے پر پورا غور و خوض کیا جائے تو آپؐ کے جواب کی خوبی واضح ہو سکتی ہے۔

اُس شخص کے متعلق کیا کہو گے جس نے یہ جواب فی الہدیہ دیا تھا؟  
 حضرت امیر المومنین علیؑ علم تفسیر کے منبع اور مصدر تھے۔ جب تم کتب تفسیر کی  
 طرف رجوع کرو گے تو تم کو اس حقیقت کا پورا علم ہو جائے گا۔  
 ابن عباسؓ دنیاۓ اسلام کے مشہور مفسر تھے اور وہ آپؐ کے تلمیذ رشید تھے۔ ان سے  
 پوچھا گیا کہ آپؐ کے علم کا آپؐ کے ابن عم کے مقابلہ سے کیا تناسب ہے؟  
 انھوں نے جواب دیا کہ میرے علم کی وہی حیثیت ہے جو کہ ایک قطرہ کی سمندر کے  
 مقابلہ میں ہوتی ہے۔

علم نحو کے اصول وقوانین علیؑ نے وضع کیے تھے۔ آپؐ نے ابوالاسود دؤلی کو علم نحو  
 کے مبادیات کی تعلیم دی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تھا: کلام کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔  
 آپؐ نے یہ تعلیم دی تھی کہ اسم معرفہ ہوتا ہے یا مکرہ ہوتا ہے اور آپؐ نے یہ تعلیم بھی  
 دی تھی کہ اعراب کی چار قسمیں ہوتی ہیں: ① رفع ② نصب ③ جر ④ جزم۔  
 امیر المومنین علیؑ کی ذات تمام علوم کا منبع و مصدر ہے، اُسے کسی معجزے کا نام ہی  
 دیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک عام انسان تمام علوم میں یدِ طولیٰ حاصل نہیں کر سکتا، اور نہ ہی وہ ہر علم  
 میں جدید استنباط کر سکتا ہے۔



## حضرت علی علیہ السلام اور فضائلِ نفسانی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ (سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۸۴)  
 ”آپؐ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔“

علومِ نفسیات کے ماہرین اور فلاسفہ کہتے ہیں: انسان سے جو اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں وہ دراصل اس کی نفسیات کے وہ آثار ہوتے ہیں جن پر اس کی تخلیق ہوتی ہے اور وہ وراثت و تربیت کے وہ اثرات مرتب ہوتے ہیں جو اُس کی روح کی گہرائیوں میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تمام فضائل اور تمام رذائل تربیت اور وراثت کا ثمر ہوتے ہیں۔

ہم نے اپنی سابقہ گفتگو میں تربیت کے کچھ اطراف اور نتائج پر بحث کی تھی اور اگر ہم نے اس عنوان پر مزید بحث کی تو ہم اپنے مقصد سے ہٹ جائیں گے۔

ہماری آج کی گفتگو کا عنوان حضرت امام علی علیہ السلام کے وہ نفسانی فضائل ہیں، جن میں آپؐ ممتاز و کمائی دیتے ہیں۔ ہم نے فضائلِ نفسانیہ کی اس لیے گفتگو کی ہے کہ حضرتؐ کے کچھ فضائل ایسے بھی ہیں جن کا تعلق آپؐ کی کدو کاوش سے نہیں ہے، مثلاً آپؐ کا عظیم نسب، بیت اللہ میں ولادت، آپؐ کا جمال اور قوت وغیرہ آپؐ کے ایسے مناقب ہیں، جن کا تعلق آپؐ کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کے بجائے ہم صرف آپؐ کے اُن فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا تعلق آپؐ کی محنت و کاوش سے تھا، مثلاً سخاوت، صغور و رگز، زہد اور عبادت وغیرہ۔ یہ صفات آپؐ کے فضائل اور شریف نفس کے پیدا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو یوں بیان فرمایا: قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ۔

”یعنی اے محمدؐ! ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر وہ اپنی فطرت و طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔“

اور کسی شاعر نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا تھا۔

ملکنا فکان العفو مناسجیۃ      فلما ملکتم سال بالدم ابطح  
فحسبکم هذا التفاوت بیننا      فکل انام بالذی فیہ ینفخ  
”ہم نے حکومت حاصل کی تو ہم نے عنود و درگزر کو اپنایا لیکن جب تم نے  
حکومت حاصل کی تو خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان  
یہی فرق کافی ہے۔ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اُس میں ہوتا ہے۔“

ہم نے اس سے قبل کچھ ایسے علل و اسباب کا تذکرہ کیا، جنہوں نے آپؐ کی ذات  
والا صفات پر اثرات مرتب کیے تھے، مثلاً آپؐ کا بیت اللہ میں پیدا ہونا اور رسول اکرمؐ کی  
زیر نگرانی پرورش پانا وغیرہ۔

یہ وہ عوامل تھے، جنہوں نے آپؐ کی شخصیت کو سنوارنے میں بھرپور مدد کی۔ پیغمبر اکرمؐ  
کی تربیت کا یہ اثر مرتب ہوا کہ آپؐ عدالتِ انسانی کی آواز بن گئے اور شجاعت و جوانمردی  
اور رحم و کرم اور سخاوت میں ضرب المثل قرار پائے۔

بلند نفوس کی خواہشات ہمیشہ پست نفوس سے مختلف ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ اپنے انسانی  
ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور خود بخود کے رہ کر دوسروں کو کھلاتے ہیں اور اس ایثار کی وجہ  
یہ ہے کہ ان کے نفوس میں معرفتِ الہی مستقر ہوتی ہے اور ان کے رگ و ریشہ میں محبتِ الہی  
غلوٹ ہوتی ہے۔ وہ ان گھڑیوں کو اپنی قیمتی گھڑیاں سمجھتے ہیں، جن میں وہ اپنے پروردگار سے  
موجوہ نجات ہوتے ہیں اور خدا سے راز و نیاز کرتے ہوئے کبھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔

یہاں ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب کوئی انسان  
اپنے اندر نقص محسوس کرتا ہے مثلاً کوئی شخص جب علم و فن اور فضیلت و قوت اور حسن و جمال  
میں نقص محسوس کرتا ہے تو وہ اس کی تلافی اعلیٰ لباس، ماکولات و مشروبات اور بلند و بالا عمارات  
سے کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے وجدان و ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کہ

اولیائے خدا میں کوئی نقص نہیں ہوتا، لہذا اپنی فضولیات سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا، اسی لیے وہ سادہ زندگی کو پرورش زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی سادگی اور زہد کا نمونہ ہوتی ہے۔ انھیں لذیذ کھانوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور وہ دنیا کے حسن و جمال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ انھیں اپنے نفوس کے کال ہونے کا یقین ہوتا ہے، لہذا وہ دنیاوی زیب و زینت کی طرف راغب نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم انبیاء و ائمہ کی سادہ ترین زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے زہد کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں اس پر تعجب نہیں ہوتا۔

ہم معتریب ایسی اخبار و احادیث کو بیان کریں گے جنہیں محدثین و مؤرخین نے حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کے متعلق نقل کیا ہے۔

ابن ابی الحدید نے شرح فیح البلاغہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

”میں اس عظیم انسان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، جس کی فضیلت

اور عظمت کا احترام اس کے دشمنوں نے کیا ہو؟ اور وہ دشمنی کے باوجود

اس کے فضائل و مناقب کو چھپانے سے عاجز رہے ہوں؟“

تم جانتے ہو کہ بنی امیہ نے مشرق و مغرب پر حکومت کی اور انھوں نے آپؐ کے نور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور انھوں نے آپؐ کی شخصیت کو عیب دار بنانے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا اور انھوں نے منبروں پر آپؐ پر سب و شتم رواج دیا اور آپؐ کے مدح کرنے والوں پر عرصہ حیات تک کیا تھا اور آپؐ سے محبت کرنے والوں کو انھوں نے قید کیا اور انھیں قتل کیا اور انھیں آپؐ کے فضائل بیان کرنے سے روکا اور حد یہ ہے کہ لوگوں کو منع کیا گیا کہ اپنی اولاد کا نام ”علی“ نہ رکھیں، مگر اس کے باوجود خدا نے آپؐ کی عزت و عظمت میں اضافہ کیا۔ اور جس طرح سے بھی کستوری کو چھپایا جائے تو اس کی خوشبو چھپنے میں نہیں آتی بھینہ اسی طرح سے آپؐ کے فضائل کی خوشبو اتنی زیادہ تھی کہ چھپانے والے اس کو چھپانے میں ناکام رہے۔ جس طرح بھیلی سے سورج کو چھپایا نہیں جاسکتا اسی طرح سے بنی امیہ بھی فہم امت کو چھپانے میں ناکام رہے اور اگر چکاؤ سورج کے وجود کا انکار کرے تو اس کی

روشنی چھپ نہیں جاتی۔ اسی طرح سے شہرہ چشم افراد نے آپؐ کے فضائل سے آنکھیں موند لیں، لیکن پورے جہان کی آنکھوں نے آپؐ کے نور کا ادراک کیا۔

میں اس عظیم الشان کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں جس پر ہر فضیلت کی انتہا ہوتی ہے؟ اور ہر فرقہ ان سے اعتساب کو اپنے لیے لائق فخر سمجھتا ہے۔ آپؐ کی ذات فضائل کا مصدر و منبع ہے۔ آپؐ کے بعد خدا نے اسے ہی عزت و عظمت بخشی جس نے آپؐ کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اگر تم امیرؑ کے خصائص خلقت اور فضائل نفسانی و دین کی طرف نگاہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ ہر فضیلت میں پوری دنیا سے پیش پیش ہیں۔





## علیؑ اور یقین

بحار الانوار، جلد نہم میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ کا ایک غلام تھا جس کا نام قعبرؑ تھا۔ اُسے آپؑ سے والہانہ محبت تھی۔ حضرت علیؑ جہاں جاتے وہ تلوار لے کر آپؑ کے پیچھے چلتا۔ ایک رات آپؑ کہیں جانے لگے تو قعبرؑ حسبِ مادت آپؑ کے پیچھے روانہ ہوا۔

حضرتؑ نے اسے آواز دے کر فرمایا: قعبرؑ! کیا بات ہے؟ قعبرؑ نے عرض کیا: مولاً! زمانہ آپؑ کا دُشن ہے، اسی لیے میں آپؑ کی حفاظت کے لیے آپؑ کے پیچھے آ رہا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تم مجھے آسمان والوں سے بچاؤ گے یا زمین والوں سے؟ قعبرؑ نے عرض کیا: میں زمین والوں سے آپؑ کی حفاظت کروں گا۔ آپؑ نے فرمایا: زمین والے مجھے اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک آسمانوں کے مالک کا اذن شامل نہ ہو، لہذا تم واپس چلے جاؤ۔ حضرت قعبرؑ واپس چلے گئے۔ جنگِ صفین میں آپؑ سے یہ کہا گیا کہ آپؑ اپنے لیے محافظ مقرر کریں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کوئی لعین آپؑ کو شہید نہ کر دے۔

آپؑ نے فرمایا: موت ہی سب سے بڑی محافظ ہے۔ ہر انسان کے ساتھ خدا نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو کہ اسے کسی کنوئیں میں گرنے سے بچاتے ہیں اور دیوار کے نیچے آنے اور کسی مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچاتے ہیں اور جب مقررہ وقت آ جاتا ہے تو وہ اس سے ہٹ جاتے ہیں۔ جب میرا مقررہ وقت آئے گا تو دنیا کا بد بخت ترین شخص اٹھے گا اور وہ میری ریش کو میرے سر کے خون سے خضاب کرے گا۔ یہ ایک عہد ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔

## علی علیہ السلام اور قوتِ حافظہ

بحار الانوار، جلد نہم میں سلیم بن قیس سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا:

رسول اکرم ﷺ پر قرآن کریم کی جو بھی آیت نازل ہوئی آپ نے مجھے اس کی تعلیم دی اور مجھ سے لکھوائی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اُسے لکھا۔ آنحضرتؐ نے مجھے ہر آیت کی تاویل، تفسیر، مانع و منسوخ اور محکم و متکابہ کی تعلیم دی اور آپؐ نے خدا سے یہ دعا کی کہ وہ مجھے قرآن کے سمجھنے اور یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں کوئی بھی آیت نہیں بھولا اور نہ ہی لکھی ہوئی عبارت مجھ سے کبھی جدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جس بھی حلال و حرام، امر و نہی اور اطاعت و معصیت کا جو بھی علم دیا آنحضرتؐ نے مجھے ان تمام باتوں کی تعلیم دی اور میں نے انہیں یاد رکھا اور میں ایک حرف تک نہیں بھولا۔

پھر رسول اکرمؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور دعا کی کہ خدا میرے دل کو طم و فہم، حکمت و ثور سے بھر دے۔ ان میں سے میں کچھ بھی نہیں بھولا اور کوئی بھی بات میں نے کلامت کے بغیر نہیں چھوڑی۔

آنحضرتؐ نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ خدا نے ہمارے متعلق میری دعا کو قبول کیا ہے۔

علیؑ اور رحم دلی

بحار الانوار، جلد نہم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امیر المومنین علیؑ سخت گرمی میں اپنے گھر واپس آئے تو آپؑ نے دیکھا دروازے پر ایک عورت کھڑی تھی، اُس نے آپؑ سے کہا: میرے شوہر نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور مجھے ڈرایا دھمکایا ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ مجھ پر ضرور تشدد کرے گا۔

آپؑ نے فرمایا: کنیز خدا! کچھ دیر صبر کر، تاکہ دن ٹھنڈا ہو جائے میں تیرے ساتھ چلوں گا۔

عورت نے کہا: جتنی دیر ہوگی اُس کا غصہ مزید تیز ہوگا۔

آپؑ نے سر جھکایا، پھر بلند کر کے فرمایا: ہمارے ہوتے ہوئے کسی پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا۔ پھر آپؑ نے عورت سے پوچھا: تیرا گھر کہاں ہے؟

اُس نے گھر کا پتا بتایا۔ آپؑ اُس کے دروازے پر تشریف لے گئے اور دستک دی۔ ایک نوجوان باہر آیا۔ آپؑ نے اس پر سلام کیا اور پھر فرمایا: بندۂ خدا! اپنی بیوی کے متعلق خدا کا خوف کھا۔ تم نے اُسے دہشت زدہ کیا ہے اور گھر سے باہر نکالا ہے۔

نوجوان (جو کہ آپؑ کو نہیں پہچانتا تھا) نے کہا: اگر آپؑ اس کے سفارشی ہیں تو میں اُسے جلاؤں گا۔ آخر آپؑ کی سفارش کا کیا مطلب ہے؟

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: میں تجھے نیکی کا حکم دے رہا ہوں اور غلط کام سے روک رہا ہوں، لیکن تو اپنی غلطی کو میرے سامنے ڈھرا رہا ہے۔

اتنے میں لوگ وہاں سے گزرے تو ہر شخص نے آپؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کیا۔ جب نوجوان نے دیکھا کہ اُس کے دروازے پر امیر المومنین کھڑے ہیں تو وہ آپؑ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا: مولاً! مجھے معاف کر دیں، آج کے بعد میری بیوی جو کچھ کہے گی میں اس کا کہنا مانوں گا۔

امیر المومنینؑ نے تلوار نیام میں ڈالی اور خاتونِ خانہ سے فرمایا: کنیز خدا! تم بے خوف ہو کر گھر میں جاؤ اور اپنے شوہر کی نافرمانی کر کے اُسے طیش میں مت لاتا۔

ابو الطفیل کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ یتامی کو بلا کر انھیں شہد کے

ساتھ کھانا کلاتے تھے۔ آپؐ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر آپؐ کے ایک صحابی نے کہا:  
 امیر المومنینؑ کے اس طرز عمل کی وجہ سے میری خواہش ہے کہ کاش میں بھی یتیم ہوتا  
 اور آپؐ کے دسترخوان پر شہد کے ساتھ کھانا کھاتا۔



## علی علیہ السلام اور حق

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ  
(سورۃ کہف: آیت ۲۹)

”اور آپ کہہ دیں کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا، پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر اختیار کرے۔“  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ (سورۃ یونس: آیت ۳۵)  
”کیا وہ جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے؟“

حضرت ابوذر غفاریؓ سے لوگوں کے اختلاف کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:  
”تمہارے لیے اللہ کی کتاب اور علی بن ابی طالبؓ کی پیروی ضروری ہے۔ میں نے رسول خداؐ کی زبان مہارک سے یہ سنا:

عَلَيْ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَهُ وَعَلَى لِسَانِهِ يَدُورُ حَيْثُ مَا دَارَ عَلِيٌّ  
”علیؓ حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے اور اس کی زبان پر  
ہے۔ حق ادھر بھرتا ہے جس طرف علیؓ پھرتا ہے۔“

حضرت محمد بن ابی بکرؓ نے روزِ جمل حضرت بی بی عائشہؓ پر سلام کیا، لیکن آپ سے بی بی نے گفتگو نہ کی۔ اس وقت محمد بن ابی بکرؓ نے کہا کہ میں آپ کو اس خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا

ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے کیا تو نے خود اپنی زبان سے مجھے یہ نہیں کہا تھا کہ علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ رہنا۔ میں نے رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا:

”حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر نہ پہنچ جائیں۔“

بی بی نے کہا: جی ہاں، میں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ بات سنی تھی۔

اصغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے:

”اس کے لیے تہا ہی ہے، جو میری معرفت سے جا مل رہے اور میرے حق کو نہ پہچانے۔ آگاہ رہو میرا حق علیؑ کا حق ہے اور اللہ کا حق میرا حق ہے۔“



## علیؑ اور مالِ دُنیا

اکافی کی ایک روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین علیؑ چٹھی ہوئی قمیص پہنے لوگوں کے پاس سے گزرے تو لوگوں نے کہا: علیؑ بڑا ہی مفلس ہے۔ اُس کے پاس پہننے کے لیے ڈھنگ کی قمیص تک نہیں ہے۔

حضرت علیؑ نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ جو صدقہ کی کجگریں چھتے ہیں وہ کسی ضرورت مند تک نہ پہنچائیں بلکہ انھیں فروخت کر کے رقم لائیں۔

ملازمین نے کجگریں چُن کر فروخت کر دیں اور درہم لے آئے۔ دو دن تک کجگریں بکتی رہیں اور یوں اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی۔

حضرت علیؑ نے لوگوں کو بلایا اور درہموں کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور فرمایا: لوگو! دیکھ لو، علیؑ غریب نہیں ہے، اگر میں یہ رقم اپنے پاس رکھتا چاہوں تو میں بھی دولت مند کہلا سکتا ہوں، لیکن میں پسند کرتا ہوں کہ غرباء و یتامی کی امداد کروں۔

پھر آپؑ نے اپنے باغ کے ملازمین سے فرمایا: یہ رقم اٹھاؤ اور غرباء و یتامی کے درمیان جا کر تقسیم کر دو۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: ”بیچ“ کے مقام پر حضرت علیؑ کی جاگیر تھی۔ اس سے سالانہ جو غلہ حاصل ہوتا تھا اس کی قیمت چالیس ہزار دینار ہوتی تھی۔ آپؑ ساری دولت راہِ خدا میں صدقہ کر دیتے تھے۔

علیؑ اور عفو و درگزر

امیر المومنین علیؑ کسی بات پر نعیم بن دجاجہ پر ناراض ہوئے۔ آپؑ نے ارادہ کیا

کہ اُسے سزا دی جائے۔ نعیم نے آپؐ سے کہا: آپؐ کے ساتھ رہنا ذلت کا موجب ہے اور آپؐ کو چھوڑنا سراسر کفر ہے۔

جب آپؐ نے اس کے یہ جذبات سے تو آپؐ نے فرمایا: میں نے تمہیں معاف کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ادْفَعْ بِالنِّفْتِ مِنْ أَحْسَنَ

”برائی کو اچھائی کے ذریعے سے دُور کرو۔“

تُو نے یہ کہا ہے کہ ”آپؐ کے ساتھ رہنا ذلت کا موجب ہے۔“ یہ ایک بُرائی ہے جو تجھ سے صادر ہوئی ہے۔ پھر تُو نے یہ کہا: آپؐ کو چھوڑنا سراسر کفر ہے۔ تیرے یہ الفاظ نیکی پر مبنی ہیں۔ تیری یہ نیکی تیری بُرائی کو ختم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

علیؑ اور حکمت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

”جسے حکمت عطا کی جائے تو اُسے بہت زیادہ بھلائی عطا ہوئی ہے۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَحَلِجُ بَابِهَا

”میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔“

مفسرین نے حکمت کے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔ امیر المومنین حکمت کے جملہ معانی اور اطراف کے حامل تھے۔ طبری مرحوم نے حکمت کے حسب ذیل معانی بیان کیے ہیں:

① علم القرآن: اس سے قرآن کے ناخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور مقدم و مؤخر اور حلال و

حرام کا علم مراد ہے۔

② قول و فعل کی درستگی۔

③ علم دین۔



④ وہ علم جس کے فوائد اور منافع قابلِ احرام ہوں۔

⑤ قرآن اور فقہ۔

① خدا نے انبیاء کو جو دلائل و براہین عطا کیے جن سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے، ان کے علم کو حکمت کہا جاتا ہے۔

امالی طوسی میں مرقوم ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کہتے ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول خداؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

هَذَا أَمِيرُ الْبَدْرَةِ وَقَاتِلُ الْفَجْرِ مَنْصُورٌ مَنْ نَصَرَ مَحْذُورٌ مَنْ خَذَلَهُ

”یہ نیک افراد کا امیر ہے اور فاجر افراد کا قاتل ہے جو اس کی مدد کرے گا

اس کی قدرت کی طرف سے مدد کی جائے گی اور جو اسے بے یار و مددگار

چھوڑے گا خدا بھی اُسے بے یار و مددگار چھوڑے گا۔“

پھر آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا:

أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلَيْهَا بَابُهَا فَمَنْ أَرَادَ الْحِكْمَةَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ

”میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے، جسے حکمت کی ضرورت

ہو تو وہ دروازے پر آئے۔“

بنوی نے صحاح میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلَيْهَا بَابُهَا

”میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔“

حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے حضرت علیؑ کے متعلق

پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

”حکمت کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اُس میں سے علیؑ بن ابی طالبؑ کو

نو حصے ملے، باقی تمام دنیا کے مقدر میں اس کا صرف ایک حصہ آیا۔“

غزالی لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں میزانِ حکمت ہوں اور علیؑ

اُس کا مرکزی مقام ہے۔“

علیؑ اور زہد

عمر بن عبدالمعریز نے کہا: ”میں نے اس امت میں علی بن ابی طالبؑ سے بڑا زاہد کسی کو نہیں پایا۔“

امام علیؑ کا اپنا فرمان ہے: ”میں نے اپنی قمیص کو اتنی بار فرو کر لیا ہے کہ اب مجھے روکر سے شرم محسوس ہوتی ہے۔“

ہمارے سید امین طاووسؑ کی زبانی منقول ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: ”جب میری فاطمہ زہراؑ سے شادی ہوئی تو میرے گھر میں بچھونا تک موجود نہیں تھا اور آج میں اتنا صدقہ دے رہا ہوں جسے تمام بنی ہاشم پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لیے کافی ہوگا۔“ آپؑ نے اپنا اموال وقف کیا تھا جہاں سے سالانہ چالیس ہزار دینار کا فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ آپؑ نے ایک بار اپنی تلوار فروخت کرنا چاہی اور فرمایا: کوئی ہے جو مجھ سے میری تلوار خریدے؟ اگر میرے پاس رات کا کھانا موجود ہوتا تو میں اُسے بھی فروخت نہ کرتا۔

آپؑ نے ایک بار فرمایا: ”کوئی ہے جو مجھ سے میری فلاں تلوار خرید کرے؟ اگر میرے پاس ایک چادر کی رقم موجود ہوتی تو میں اُسے بھی نہ بیچتا۔“ واضح رہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپؑ کی موقوفہ جائیداد سے چالیس ہزار دینار کا فائدہ پیدا ہوتا تھا۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے حضرت علیؑ کے زہد کے بارے میں فرمایا: ”آپؑ نے پانچ برس تک حکومت کی، لیکن آپؑ نے اینٹ پر اینٹ نہ رکھی، یعنی کوئی مکان تعمیر نہ کرایا اور نہ ہی کوئی جائیداد بنائی اور وراثت میں سونا چاندی نہیں چھوڑی تھی۔“ زنجیری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے قمیص خریدی اور اُس کا جو حصہ آپؑ کی انگلیوں سے زیادہ تھا آپؑ نے اُسے کاٹ دیا اور درزی سے فرمایا: اس سے کوئی ٹوپی وغیرہ بنا دو۔

اصح بن جات کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے اہل بصرہ سے فرمایا: ”میں تمہارے علاقہ میں یہ پمانے کپڑے پہن کر اس سواری پر سوار ہو کر آیا ہوں اور اگر میں ان کو تبدیل کر کے تمہارے علاقے سے جاؤں تو پھر مجھے خیانت کا تصور کرنا۔“

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

”اہل بصرہ! تمہیں مجھ پر کیا ناراضگی ہے؟ میرا لباس میرے اہل خانہ کا کاٹا ہوا ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی قمیص کی طرف اشارہ کیا۔“

ایک مرتبہ عمرو بن حریث آپؐ کی خدمت میں ناشتے کے وقت آیا۔ اتنے میں آپؐ کی کنیز حضرت لعلہؓ آپؐ کے لیے ایک تھیلی لائیں، جس پر غبر لگی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ہر ہٹائی اس میں سے جو کی روکی سوگی روٹی برآمد ہوئی۔

عمرو نے کنیز سے کہا: آپؐ اسے چھان لیتیں تو اس کا چھان دور ہو جاتا۔ کنیز نے جواب دیا: میں تو چھانا چاہتی ہوں لیکن خود انھوں نے ہی مجھے اس سے روک رکھا ہے۔ میں جو کی روٹی کے ساتھ اچھی روٹی بھی رکھا کرتی تھی، لیکن آپؐ حضرتؐ اس پر غبر لگا دیتے ہیں۔

عمرو بن حریث کا بیان ہے کہ حضرتؐ نے وہ خشک روٹی ایک پیالے میں بھگوئی، اور اس پر تھوڑا سا نمک چھڑکا اور آستینیں چڑھا کر وہ کھانا کھایا۔ جب آپؐ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا:

”اے عمرو! زندگی کے آخری ایام ہیں، میں کھانے کی وجہ سے اپنے جسم میں دوزخ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ یہی غذا میرے لیے کافی ہے۔“

عادی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کے سامنے ایک پیالہ رکھا ہوا ہے، جس میں نان شیر کے چند ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔

میں نے عرض کیا: امیر المومنینؑ! آپؐ سارا دن بھوکے رہتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور آپؐ کا ناشا بھی یہ ہے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا:

عَلَّلَ النَّفْسَ بِالْقُنُوعِ وَ إِلَّا

طَلَبَتْ مِنْكَ فَوْقَ مَا يَكْفِيهَا

”اپنے نفوس کو قناعت کا عادی بناؤ، ورنہ وہ تم سے ضرورت سے زیادہ

اشیاء کا تقاضا کرے گا۔

امیر المومنین علیؑ نے دیکھا کہ ان کے غلام قنبرؓ کی قمیص کی آستین پھٹی ہوئی ہے، آپؑ نے اس کی آستین کو بیا اور پھر وہ قمیص اس کے سپرد کردی۔

حضرت امام محمد باقرؑ کا بیان ہے: امیر المومنین علیؑ کپڑے کے بازار میں گئے۔ آپؑ نے دکاندار سے فرمایا: مجھے دو لباس دیں۔

دکاندار آپؑ کو پچھانا تھا۔ اُس نے کہا: امیر المومنین! میرے پاس آپؑ کے مطلب کے کپڑے موجود نہیں۔

آپؑ نے اس دکان کو چھوڑ دیا اور دوسری دکان پر تشریف لے گئے جہاں ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔ آپؑ نے اُس سے دو لباس خرید کیے۔ ایک کی قیمت تین درہم اور دوسرے کی قیمت دو درہم تھی۔

حضرتؑ نے قیمتی لباس قنبرؓ کو دیا اور کم قیمت کا لباس اپنے لیے رکھ لیا۔ قنبرؓ نے عرض کیا: امیر المومنین! آپؑ قیمتی لباس لے لیں، کیونکہ آپؑ نے منبر پر خطبہ دیتا ہوتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: یہ قمیص تمہیں زیب دیتا ہے، کیونکہ تو جوان ہے اور میں بوڑھا ہوں اور مجھے اپنے خدا سے حیا آتی ہے کہ میں رہن سہن میں تجھ پر فوقیت حاصل کروں۔ میں نے رسول اکرمؐ سے یہ سنا: ”اپنے غلاموں کو وہی کھانا کھلاؤ، جو تم خود کھاتے ہو اور وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔“

جب آپؑ نے قمیص پہنی تو اس کے بازو لمبے تھے۔ آپؑ نے لباً حصہ کاٹ دیا اور درزی سے فرمایا کہ اس سے غرباء کی ٹوئیاں سی دو۔

غلام نے کہا: مولاً! اسے کاٹنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے حکم کریں میں اسے سی دیتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: رہنے دو، حکم الہی اس سے کہیں تیز رفتار ہے۔

اتنے میں نوجوان دکاندار کا والد آپؑ کے پاس آیا اور اس نے کہا: مولاً! امیر اپنا آپؑ کو پچھانا نہیں تھا، اسی لیے اُس نے آپؑ سے دو درہم منافع لیا ہے۔ آپؑ منافع کے دو درہم

مجھ سے لے لیں۔

آپؐ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے آپس میں بھاؤ پر بحث کی ہے اور ہم نے اپنی رضامندی سے یہ قیمت دی ہے۔

ابن عبدالبر مالکی "استیعاب" میں لکھتے ہیں: ایک مرتبہ معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت علیؑ کے ایک ساتھی ضرار بن غمرہ سے کہا: میرے سامنے علیؑ کے اوصاف بیان کریں۔ ضرار نے کہا: مجھے اس سے معاف رکھ۔

معاویہ نے کہا: تجھے ضرور اُن کے اوصاف بیان کرنا پڑیں گے۔  
ضرار نے کہا: اگر تمہیں اتنا ہی اصرار ہے تو پھر من:

"علیؑ بلند نظر اور طاقت ور انسان تھے۔ آپؐ کی ہر بات فیصلہ کن ہوتی اور ہر فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہوتا۔ آپؐ کے اطراف سے علم چلتا تھا اور آپؐ کے وجود مبارک سے حکمت جاری و ساری رہتی تھی۔ آپؐ دنیا اور اُس کی شادابیوں سے وحشت محسوس کرتے تھے۔ آپؐ کو رات کی خاموشی سے خصوصی اُلس تھا۔ آپؐ خوفِ خدا میں بہت موٹے موٹے آنسو بہاتے تھے۔ آپؐ طویل فکر رکھنے والے تھے۔ آپؐ کو کھر درالباس اور خشک روٹی پسند تھی۔ آپؐ ہمارے درمیان ہوتے تو ہماری ہی ایک جماعت کے فرد دکھائی دیتے تھے۔ جب ہم آپؐ سے کچھ پوچھتے تو آپؐ ہمیں جواب دیتے تھے اور جب ہم اُنہیں دعوت دیتے تو ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے۔ اتنی قربت اور بے تکلفی کے باوجود آپؐ کی ہیبت اس قدر تھی کہ ہمیں بات کرنے کا یارا تک نہ ہوتا تھا۔ آپؐ اہل دین کا احترام کرتے تھے اور مساکین کو اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ کسی طاقت ور کو یہ توقع نہ تھی کہ حضرتؑ اُس کے حق میں فیصلہ دیں گے اور کوئی بھی کمزور انسان اُن کے عدل سے مایوس نہیں تھا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپؐ کو اس وقت دیکھا جب رات اپنی

زلفیں دراز کر چکی ہوتی اور ستارے ڈوب چکے تھے اس وقت وہ اپنی ریش مہارک کو پکڑے ہوئے تھے اور کسی مارگزیدہ کی طرح سے تھلا رہے تھے اور غم زدہ انسان کے مانند بے ساختہ رو رہے تھے اور آپ کہہ رہے تھے: ”اے دنیا! میرے غیر کو جا کر دھوکا دے۔ کیا تو میری طرف متوجہ ہے اور تجھے مجھ سے پیار ہوا ہے؟“

ہیہات، ایسا نہیں ہو سکا۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہیں۔ اب تو رجوع کا اختیار ہی باقی نہیں رہا۔ تیری عمر کوتاہ ہے اور تیرے خطرات بہت زیادہ ہیں اور تیری زندگی حقیر ہے۔ آہ! زاوراہ بہت کم ہے اور سفر طویل ہے اور راستہ پر وحشت ہے۔ جب ضرار یہاں تک پہنچے تو معاویہ رونے لگا: خدا ابوالحسنؑ پر رحم کرے واقعا وہ ایسے ہی تھے جیسا کہ ٹو نے بیان کیا ہے۔

پھر معاویہ نے ضرار سے پوچھا: یہ بتا! علیؑ کی موت کا تمہیں کتنا صدمہ ہوا؟ ضرار نے جواب میں کہا: ”مجھے اس عورت کے مانند دکھ ہوا جس کے بیٹے کو اُس کی آغوش میں قتل کیا گیا ہو اور اس کے آنسو نہ ٹپکتے ہوں اور اُسے غم سے تسکین حاصل نہ ہوتی ہو۔“ مناقب میں ہے کہ اس کے بعد ضرار روتے ہوئے معاویہ کے دربار سے اٹھے۔ اُس کے جانے کے بعد معاویہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرے مرنے کے بعد تم میں سے کوئی بھی میری اس طرح سے تعریف نہیں کرے گا جیسا کہ ضرار نے علیؑ کی تعریف کی ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا: جیسے آپ ہیں ویسے بھی اہم ہیں۔

ابن ابی الہدیہ لکھتے ہیں: ”جہاں تک دنیا سے بے رغبتی اور زہد کا تعلق ہے تو امیر المومنینؑ تمام زاہدوں کے سردار تھے اور تمام ابدال کے سرگروہ تھے، انہی کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور انہی کے ہاں عارفین ڈیرہ ڈالتے ہیں۔ آپؑ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ آپؑ کا لباس ہمیشہ کھردرا ہوتا تھا اور کھانا بے لذت ہوتا تھا۔“

عبداللہ بن ابی رافع کا بیان ہے کہ میں عید کے دن امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ کے سامنے مہر شدہ ایک تھیلی لائی گئی۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں جو کی باسی روٹی تھی۔

آپؐ نے وہ روٹی کھائی۔

میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپؐ اس پر ہر کیوں لگاتے ہیں؟  
آپؐ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں حسنینؑ (شریفین) اس میں گھی یا تیل شامل نہ  
کردیں۔

آپؐ کے لباس پر بیہوش لگے ہوتے تھے۔ کبھی چڑے اور کبھی لیپ خرما کے بیہوش  
ہوتے تھے۔ آپؐ کا جوتا لیپ خرما کا ہوتا تھا۔ آپؐ موٹی پٹ سن کا لباس زیب تن کیا کرتے  
تھے۔ اور اگر آستین طویل ہوتی تو اُسے کاٹ دیتے تھے۔ اس کی سلائی نہیں کراتے تھے۔  
پھر وہ قمیص کے بازو آپؐ کی ہانہوں پر جمولتے رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بیکار ہو جاتے تھے۔  
آپؐ سالن بھی استعمال کرتے تھے۔ آپؐ سرکہ یا نمک کو سالن کے طور پر استعمال  
کرتے تھے۔ اگر اس سے ترقی کرتے تو پھر ساگ وغیرہ کا سالن کھاتے اور اگر اس سے حرید  
ترقی کرتے تو اونٹنی کے دودھ سے کھانا تناول فرماتے تھے۔ آپؐ گوشت بہت کم کھاتے تھے  
اور فرمایا کرتے تھے: ”اپنے ہضموں کو حیوانات کا قبرستان مت بناؤ۔“

اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

تیری خاک میں ہے اگر شر تو خیال فقر و خنا نہ کر  
کہ جہاں میں نانِ شعیب پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

علیؑ اور حضرت

ہمارا الانوار میں عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی زوجہ  
زینب بنت جحش کے حجرہ سے نکل کر حضرت ام سلمہؓ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت علیؑ جناب  
ام سلمہؓ کے حجرے کے دروازے پر آئے اور آپؐ نے دروازے پر دستک دی۔

رسولؐ خدا نے اپنی زوجہ سے فرمایا: اٹھو اور دروازہ کھولو۔

ام سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انجانے دستک دینے والا کون ہے، جب کہ ہمارے  
مخلوق تو یا نساء النبی..... کی آیات نازل ہو چکی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اُم سلمہؓ! رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور رسولؐ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ دروازے پر وہ شخص موجود ہے جو کہ انتہائی ذمہ دار ہے اور اس میں بُرائی کا کوئی گزر تک نہیں ہے اور وہ گھر میں اس وقت تک قدم نہیں رکھے گا جب تک تمہارے چلنے کی آواز موقوف نہ ہو جائے گی۔ آنے والا اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہے اور خدا اُس کے رسولؐ کا محبوب ہے۔“

حضرت اُم سلمہؓ انھیں اور آپؐ نے دروازہ کھولا۔ حضرت علیؓ دروازے کی ڈیوڑھی پکڑ کر کھڑے رہے۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ بی بی پردہ کی آؤٹ میں چلی گئی ہیں تو انھوں نے گھر میں قدم رکھا اور رسولؐ خدا پر سلام کیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے اُم سلمہؓ! آپؐ اسے پہچانتی ہو؟

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں ایہ علیؓ ابن ابی طالبؓ ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔ اس کی عادت میری عادت کے مانند ہے۔ اس کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور اُس کا خون میرے خون سے ہے.....

### علیؓ اور تواضع

حضرت سعد بن معاذؓ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور اُن سے کہا: آپؐ رسول اکرمؐ سے آپؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ زہراؓ کا رشتہ طلب کیوں نہیں کرتے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: میں بھلا رسول اکرمؐ کے سامنے اتنی بڑی جسارت کیسے کر سکتا ہوں؟ اگر آنحضرتؐ کے ہاں کوئی کنیز بھی ہوتی تو بھی میں یہ جسارت نہ کرتا۔

سعد بن معاذؓ نے رسول اکرمؐ کے سامنے حضرت علیؓ کی یہ گفتگو نقل کی تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: علیؓ سے کہو کہ وہ ہرگز نہ جھپکے، کھل کر مجھ سے بات کرے، میں اس کا مقصد حل کروں گا۔

جب حضرت علیؓ تک یہ پیغام پہنچا تو آپؐ رو دیئے اور سعدؓ سے فرمایا: یہ میری خوش نصیبی ہوگی کہ مجھے آنحضرتؐ کی قربت کے ساتھ آپؐ کی دامادی کا شرف بھی حاصل



ہو جائے۔ میرے والد ابو طالبؓ آنحضرتؐ کے والد کے سگے بھائی تھے۔

بھار میں حضرت امام حسن عسکریؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے بھائیوں سے زیادہ محبت کرتا ہو اور بڑھ چڑھ کر اُن کی حاجات پوری کرتا ہو تو خدا کے ہاں اُس کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ جو شخص دنیا میں اپنے بھائیوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے تو وہ اللہ کے ہاں صدیقین اور شیعانِ امیر المومنینؑ کا فرد ہے۔“

ایک مرتبہ امیر المومنینؑ کے پاس باپ بیٹا مہمان ہوئے۔ آپؑ نے اُن کا احترام کیا اور انھیں صدرِ مجلس میں جگہ دی اور خود اُن کے سامنے بیٹھ گئے اور اُن کے لیے کھانے کا حکم دیا۔ الغرض کھانا لایا گیا تو قبرؑ تمثال، لونا اور تولیہ لے کر آگے بڑھے۔ حضرتؑ نے تمام چیزیں قبرؑ سے لے لیں اور جو مہمان باپ تھا آپؑ نے اُس سے فرمایا: ہاتھ آگے بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ دھلاتا ہوں۔

مہمان نے یہ سنا تو آپؑ کے قدموں پر گر گیا اور عرض کیا: مولاً! یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا مجھے اس حال میں دیکھے کہ آپؑ میرے ہاتھ دھلا رہے ہوں؟!

آپؑ نے فرمایا: خدا دیکھ رہا ہے۔ میں تیرا ایمانی بھائی ہوں۔ تیری خدمت ادا کر کے خدا سے اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ اگر قبرؑ ہاتھ دھلاتا تو کیا آپ انکار کرتے؟ تجھے میرے اس عظیم حق کا واسطہ جس کی تمہیں معرفت ہے تم مجھے پانی ڈالنے سے مت روکو۔

الغرض آپؑ نے اُس شخص کے ہاتھ دھلائے، پھر آپؑ نے فرمایا: اگر یہ تیرا بیٹا نہ ہوتا تو میں اس کے ہاتھ بھی خود دھلاتا، لیکن باپ اور بیٹے میں فرق ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے تیرے بیٹے کے یں ہاتھ نہیں دھلاؤں گا۔ میرا بیٹا محمد بن حنفیہؑ اس کے ہاتھ دھلائے گا۔ حضرت محمد بن حنفیہؑ نے اُس شخص کے بیٹے کے ہاتھ دھلائے۔

یہ واقعہ سننے کے بعد حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: ”جو شخص مہمان نوازی میں علیؑ کی پیروی کرے گا تو وہ حقیقی شیعہ ہے۔“

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”امیر المومنینؑ اپنے گھر کی کڑیاں لاتے تھے اور اپنے گھر کا پانی خود بھرا کرتے تھے اور حضرت فاطمہؑ زہراؑ چکی بستی تھیں، آٹا گوند حتیٰ تھیں

اور روٹیاں پکاتی تھیں۔“

آپؐ نے ایک بار بازار سے کچھ کھجوریں خرید کیں اور اپنی چادر کے پلو میں انھیں باندھ کر چلنے لگے۔ لوگوں نے کہا: مولاً! یہ کھجوریں ہم اٹھا لیں گے۔  
آپؐ نے فرمایا: خاندان کے کفیل کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کے خورد و نوش کا سامان خود اٹھائے۔

آپؐ نمک اور کھجوریں اپنے ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ”اگر کوئی شخص اپنے خاندان کو نفع پہنچائے تو اس سے اس کے کمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔“  
زید بن علی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ پانچ مقامات پر پایادہ جوتا اُتار کر چلا کرتے تھے۔ ان مواقع پر آپؐ جوتے کو بائیں ہاتھ میں اٹھا لیتے تھے:

① عید الفطر کے دن ② قربانی کے دن ③ نماز جمعہ پر جاتے ہوئے ④ عیادت پر جاتے ہوئے ⑤ جنازہ کی مشایعت کے وقت۔

آپؐ فرماتے تھے کہ یہ خدا کے خصوصی مقامات ہیں۔ میں یہاں پایادہ ہو کر چلنا چاہتا ہوں۔

آپؐ تن تنہا بازاروں میں جاتے تھے۔ وہاں بھٹکے ہوئے افراد کو راستہ دکھاتے اور کمزوروں کی مدد کرتے اور دوکانداروں کے پاس پہنچ کر اُن کے سامنے قرآن کھول کر تلاوت کرتے تھے۔

علیؑ اور حلم و درگزر

کتاب شریف بحار الانوار میں نبیؐ البلاغہ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ حضرتؐ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک حسین عورت کا گزر ہوا، جسے اُن لوگوں نے دیکھنا شروع کیا، جس پر حضرتؐ نے فرمایا:

”ان مردوں کی آنکھیں تاکنے والی ہیں اور یہ نظر بازی اُن کی خواہشات کو برا بھونٹہ کرنے کا سبب ہے، لہذا اگر تم میں سے کسی کی نظر ایسی عورت پر پڑے کہ جو اُسے اچھی معلوم

ہو تو اُسے اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ عورت بھی عورت کے مانند ہے۔“

یہ سن کر ایک خارجی نے کہا: خدا اس کافر کو قتل کرے یہ کتنا بڑا اذھیہ ہے۔

یہ سن کر لوگ اُسے قتل کرنے کے لیے اُٹھے۔ آپؐ نے فرمایا: ٹھہرو! زیادہ سے زیادہ گالی کا بدلہ گالی ہو سکتا ہے یا پھر اس کے گناہ سے ہی درگزر کرو۔

حضرت قنبرؓ کا بیان ہے کہ عیسیٰ امیر المومنینؑ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا۔ خلیفہ نے چاہا کہ خلوت ہو۔

امیر المومنینؑ نے مجھے اشارہ کیا تو میں کچھ دُور چلا گیا۔ خلیفہ نے حضرت علیؓ پر عتاب کیا۔ آپؐ خاموشی سے سر جھکائے اُس کی کڑوی کسلی باتیں سنتے رہے۔

خلیفہ نے کہا: آپؐ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میرا جواب تجھے پسند ہی نہیں آئے گا۔ میرے پاس تمہاری پسندیدہ بات موجود نہیں ہے۔

بھار میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیؓ کھجور فروشوں کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ایک کتیز رو رہی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اے کتیز! تو کیوں رو رہی ہے؟

اس نے جواب دیا کہ میرے مالک نے ایک درہم دے کر مجھے روانہ کیا اور کہا کہ اس سے کھجوریں خرید کر لاؤ۔ میں یہاں آئی اور میں نے اس دکاندار سے کھجوریں خریدیں، لیکن وہ کھجوریں مالک کو پسند نہ آئیں۔ اس نے مجھے کہا: جاؤ یہ کھجوریں واپس کرو اور رقم لے کر آؤ۔ میں کھجوریں لے کر اس کے پاس آئی۔ اُس نے کھجوریں لینے سے انکار کر دیا ہے اور اب یہ مجھے درہم واپس کرنے پر راضی نہیں ہے۔

امیر المومنین علیؓ نے دکاندار سے فرمایا: بے خدا! یہ بھاری ٹوکرائی ہے۔ تم اس سے اپنی کھجوریں واپس لے لو اور اُسے درہم واپس لوٹا دے۔

دکاندار نے آپؐ سے بد اخلاقی کی۔ لوگ آگے بڑھے اور اُسے بتایا کہ جن سے تو طع کھائی کر رہا ہے یہ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنینؑ ہیں۔

دکاندار نے یہ سنا تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے تیز کو درہم واپس کیا اور کہنے لگا: امیر المومنینؑ! مجھ سے گستاخی ہوئی ہے۔ میں آپؑ سے معافی چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: لوگوں کو اُن کے حقوق دو گے تو میں تم سے راضی ہو جاؤں گا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؑ نے اپنے ایک غلام کو کئی بار آوازیں دیں، لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپؑ اُٹھے اور دیکھا کہ وہ گھر کے دروازے پر موجود تھا۔ آپؑ نے فرمایا: تُو نے میری آوازیں کا جواب کیوں نہ دیا؟

اُس نے جواب دیا کہ مجھ سے جواب دینے میں سستی ہوئی ہے۔ مجھے آپؑ کی حقوت کا کوئی خوف نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تمام حمد اُس خدا کے لیے ہے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ اُس کی مخلوق مجھ سے خوف زدہ نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے غلام سے فرمایا: جاؤ میں نے تمہیں رضائے خداوندی کے لیے آزاد کر دیا ہے۔

بحار میں اصبح بن ہاتہ کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ امیر المومنین علیؑ ہمیں کوفہ سے مدائن جانے کا حکم دیا۔ ہم اتوار کے دن کوفہ سے روانہ ہوئے۔ عمرو بن حرث اپنے سات دوستوں کے ساتھ ہم سے ملے۔ وہاں وہ حیرہ کے قریب خورنق کے مقام پر گئے اور یہ طے کیا کہ ہم یہاں رہ کر سیر و سیاحت کریں گے، پھر بدھ کے دن یہاں سے روانہ ہو کر نماز جمعہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ جا کر مل جائیں گے۔

وہ آٹھوں افراد کھانا کھا رہے تھے کہ ایک سوسار ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اُسے پکڑ لیا۔ عمرو بن حرث نے گستاخی کرتے ہوئے کہا: آؤ اس کی بیعت کریں، یہ امیر المومنین ہے۔ چنانچہ عمرو سمیت اُس کے ساتھیوں نے سوسار (گورہ) کی بیعت کی۔ پھر وہ بدھ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے اور نماز جمعہ کے وقت مدائن میں پہنچے اور مسجد کے دروازے پر گئے۔

امیر المومنین علیؑ نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا:

”لوگو! رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ایک ہزار راز کی باتیں کی تھیں اور ہر بات کے ایک ہزار دروازے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَوْمَ نَذْهَبُ أَكْلَ الْإِنْسَانِ بِمَا مِصِهِمْ

”قیامت کے دن ہم تمام لوگوں کو اُن کے امام کے نام سے پکاریں گے۔“

میں تمہارے سامنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں آٹھ افراد ایسے بھی ہیں جنہیں قیامت کے دن سوسار کے چودکاروں کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ سوسار اُن کا امام ہوگا اور اگر میں چاہوں تو اُن کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔

اصحیٰ بیان کرتے ہیں کہ جب عمرو بن حرث نے مولا کا یہ کلام سنا تو یوں زمین پر گرا جیسے تیز ہوا میں کجور کا درخت گرتا ہے۔

ابن ابی الحدید شرح فیج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

”جہاں تک حلم اور خضوع و درگزر کا معاملہ ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ دنیا کے سب سے بڑے حلیم تھے۔ آپؑ کے حلم کا یہ عالم ہے کہ مروان بن الحکم آپؑ کا بدترین دشمن تھا اور وہ جنگجو جمل میں گرفتار ہوا تھا۔ آپؑ نے اُسے بھی رہا کر دیا تھا۔“

عبداللہ بن زبیر آپؑ کو برا بھلا کہتا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ زبیر ہم اہل بیتؑ کا حامی تھا لیکن جب اُس کا بیٹا عبداللہ جوان ہوا تو وہ ہمارا مخالف ہو گیا۔ یہی عبداللہ بن زبیر جنگجو جمل میں گرفتار ہوا۔ آپؑ نے اُس سے بھی درگزر کیا اور آپؑ نے اُس سے کہا کہ دوبارہ کبھی میرے سامنے نہ آنا۔

سعید بن العاص آپؑ کا بدترین دشمن تھا، لیکن جب وہ جنگجو جمل میں گرفتار ہوا تو آپؑ نے اُسے بھی معاف کر دیا۔

حضرت بی بی عائشہؓ نے جنگجو جمل میں اپنے لشکر کی قیادت کی تھی، لیکن جب بی بی کے لشکر کو شکست ہوئی تو آپؓ نے اُن کا پھر بھی احترام کیا اور بنی عبدالقیس کی بیس عورتوں کو حکم دیا کہ وہ مردانہ لباس پہنیں اور اپنے سروں پر پٹریاں باندھ کر بی بی عائشہؓ کی محافظ بن کر انھیں مدینہ پہنچائیں۔

خواتین نے تلواریں حماں کیں اور سروں پر عمامے باندھے۔ راستے میں بی بی عائشہؓ نے شکوہ کیا کہ علیؑ نے غیر مردوں کو میرے ساتھ بھیج کر میری جنگجو حرمت کی ہے۔

یہ سن کر اُس وقت محافظ خواتین خاموش رہیں اور جب وہ مدینہ پہنچیں تو اُن خواتین نے اپنے سروں سے عمامے اتارے اور کہا: ہم سب عورتیں ہیں۔ ہم میں ایک بھی مرد نہیں ہے۔ اہل بصرہ نے آپؐ کی مخالفت کی تھی اور حضرت بی بی عائشہؓ کی بھرپور حمایت کی تھی اور امیر المومنینؓ کے لشکر سے جنگ کی تھی۔ لیکن آپؐ کے حکم کا یہ عالم تھا کہ جب اہل بصرہ کو شکست ہوئی تو آپؐ نے یہ اعلان کیا کہ کسی بھی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے اور کسی زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے اور جو بھی ہتھیار ڈال دے اسے آسمن حاصل ہوگا اور جو ہمارے لشکر میں آجائے اُسے بھی پناہ دی جائے گی۔

آپؐ نے ان کے گھروں کو لوٹنے اور ان کی عورتوں کو کیز بنانے کی اجازت نہیں دی تھی اور اگر آپؐ ایسا کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن آپؐ نے دشمنوں سے درگزر کر کے حکم و درگزر کی عظیم مثال قائم کی تھی۔



## علیؑ اور انسانی ہمدردی

امالی مفید میں ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ ایک اعرابی رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ سے بھوک کی شکایت کی۔

رسول خدا نے اپنی ازدواج کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کچھ موجود ہے تو اس سے اس غریب کی مدد کرو اور اسے کھانا کھلاؤ۔

ازدواج نے جواب میں کھلا بھیجا کہ ہمارے گھر میں پانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر رسول خدا نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو اس مہمان کو رات کا کھانا کھلائے؟

حضرت علیؑ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔ پھر آپؐ اپنے گھر میں تشریف لائے اور اپنی زوجہ سے پوچھا: ”آج رات کے کھانے کے لیے آپؐ کے پاس کیا چیز رکھی ہے؟“

حضرت سیدہؓ نے عرض کیا: ہمارے گھر میں بچی کی خوراک موجود ہے، اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے۔

آپؐ نے فرمایا: بچی کو لوریاں دے کر سلاؤ اور چراغ بجھا دو۔ آپؐ مہمان کو لے آئے اور کھانا اس کے سامنے رکھا۔ مہمان نے جی بھر کر کھانا کھایا اور اس دوران آپؐ اپنے منہ کو ہلا کر یہ تاثر دیتے رہے کہ گویا آپؐ بھی کھانا کھا رہے ہیں۔

مہمان کھانا کھا کر باہر گیا تو حضرت سیدہؓ نے چراغ روشن کیا تو آپؐ نے دیکھا کہ وہ برتن خدا کے فضل و کرم سے جوں کا توں بھرا ہوا ہے۔

صبح ہوئی، آپؐ نے رسول اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ

ہو کر آنحضرتؐ نے آپؐ کی طرف دیکھا اور رُودِ سیحی اور فرمایا: تم نے رات جو کام کیا تھا اس سے خدا بہت خوش ہوا اور اُس نے تمہاری شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

”وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔“

علیؑ اور کریم پیشہ شاہ مردان علیؑ

بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ ایک اعرابی حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: مولانا میں تین طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوں:

① جسمانی بیماری      ② غربت کی بیماری      ③ جہالت کی بیماری

امیر المومنین علیؑ نے اُسے جواب دیا کہ جسمانی بیماری کے لیے کسی طبیب کے پاس جاؤ۔ جہالت کا مرض دُور کرنا چاہتے ہو تو عالم کے پاس جاؤ اور اگر غربت و افلاس کا مرض دُور کرنا چاہتے ہو تو پھر کسی کریم اور سخی کے پاس جاؤ۔

اعرابی نے کہا: میرے عالم بھی آپؑ ہیں اور میرے لیے کریم اور سخی بھی آپؑ ہیں اور میرے لیے طبیب بھی آپؑ ہی ہیں۔

امیر المومنین علیؑ نے حکم دیا کہ بیت المال سے اُسے تین ہزار درہم دیئے جائیں اور پھر آپؑ نے فرمایا: ایک ہزار درہم سے اپنا علاج کراؤ اور ایک ہزار درہم خرچ کر کے علم حاصل کرو اور ایک ہزار درہم سے اپنے افلاس کا علاج کرو۔

ایک اعرابی نے آپؑ سے سوال کیا: آپؑ نے بیت المال کے خازن سے فرمایا: اسے ایک ہزار دے دو۔

خزانچی نے کہا: سونے کے درہم ہوں یا چاندی کے۔

آپؑ نے فرمایا: میری نظر میں دونوں ہی پتھر ہیں اسے وہ چیز دو جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔



ابن زبیر نے آپؐ سے کہا کہ میں نے اپنے والد کا بھی کھانا چیک کیا ہے۔ اُس نے آپؐ سے اتنی ہزار درہم کا قرض لینا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: تیرا والد سچا تھا، لہذا تمہیں اتنی ہزار درہم دیئے جاتے ہیں۔ آپؐ نے مطلوبہ رقم اُس کے حوالے کی۔

دوسرے دن وہ پھر آیا اور کہا: معذرت چاہتا ہوں مجھے مخالفہ ہوا دراصل میرا والد اتنی رقم کے لیے آپؐ کا مقروض تھا۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے وہ رقم تیرے والد کے لیے حلال کی ہے اور جو کچھ ٹوٹنے مجھ سے وصول کیا ہے وہ تیری ملکیت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: امیر المومنینؑ نے اپنی محنت سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے تھے۔ آپؐ نے اتنے غلام آزاد کیے جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک مرتبہ آپؐ ایک بوری میں کوئی چیز لے کر جا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے کہا کہ یہ کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اس میں بکھور کی ایک لاکھ گٹھلیاں ہیں۔ میں انہیں کاشت کروں گا۔ خدا کے حکم سے بکھوروں کا باغ پیدا ہوگا۔

آپؐ نے گٹھلیاں لگائیں، اُن میں سے کوئی گٹھلی خراب ثابت نہ ہوئی۔ یوں ایک لہلہاتا ہوا باغ وجود میں آیا۔ آپؐ نے وہ باغ راہِ خدا میں وقف کیا۔ اسی طرح سے آپؐ نے خیبر اور وادیِ القرطیٰ میں بھی باغات وقف کیے تھے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے چشمہ ابونیر، بغیسہ، ارباح، ارینہ، رعد، رزین اور رباح کی جائیدادیں بھی وقف فرمائی تھیں۔

آپؐ نے بیع میں پانی کا کنواں کھدوایا تھا اور اُسے عازمین حج کے لیے وقف کیا تھا، اور وہ آج بھی باقی ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے مکہ اور کوفہ کے راستے میں بہت سے کنوئیں کھدوائے تھے۔ آپؐ نے مدینہ میں مسجد فتح کے پاس اور حضرت حمزہؓ کی قبر کے سامنے بھی کنوئیں کھدوائے تھے۔ علاوہ ازیں آپؐ نے میقات، کوفہ، جامع بصرہ اور عبادان میں بھی کنوئیں کھدوائے تھے۔

احمد بن ابی المقدام علی کا بیان ہے کہ ایک شخص امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کہا کہ مجھے آپؑ سے حاجت ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم خوددار انسان ہو، سوال کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو، لہذا اپنی حاجت زمین پر لکھ دو۔

اس شخص نے زمین پر یہ عبارت تحریر کی:

أَنَا قَعِيدٌ مُّحْتَجٌّ

”میں مفلس اور ضرورت مند ہوں۔“

آپؑ نے قعیدؑ سے فرمایا: ”اُسے دو غلے پہناؤ۔“

سائل بڑا قدردان تھا۔ اُس نے آپؑ کی تعریف میں فی الہدیہ کئی اشعار کہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اُسے ایک سودینار دیئے جائیں۔

کسی نے کہا: امیر المومنینؑ! آپؑ نے تو اُسے غنی کر دیا۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے رسولؐ خدا سے یہ سنا ہے کہ لوگوں کے مقام و مرتبہ کے مطابق اُن سے سلوک کرو۔ پھر آپؑ نے فرمایا: مجھے لوگوں پر تعجب ہے جو دولت خرچ کر کے غلام خریدتے ہیں، اس کے بجائے بھلائی کر کے آزاد افراد کو کیوں نہیں خریدتے؟

ابوبصیرؓ کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ كِأَيِّتِ حَسْرَتِ عَلِيٍّ

کی شانِ اقدس میں نازل ہوئی۔

ابوب بن عطیہ عذاء کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فے کو تقسیم کیا۔

حضرت علیؑ کو اس میں سے کچھ زمین عطا فرمائی۔ وہ زمین بیج میں تھی۔

حضرت علیؑ نے اُس میں کتواں کھودا۔ اُس میں اونٹ کی گردن کی طرح سے پانی

برآمد ہوا، پھر آپؑ نے اُسے وقف کر دیا اور فرمایا: اس کی پیداوار سے حجاج بیت اللہ اور

مسافروں کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ اسے نہ تو فروخت کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں

وراقت جاری ہوگی۔ جس نے اُسے فروخت کیا یا اس پر ذاتی تصرف بجایا تو اس پر اللہ، ملائکہ

اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔ خدا اُس سے کوئی معاوضہ قبول نہیں کرے گا۔

ابن ابی الحدید شرح منہج البلاغہ میں لکھتے ہیں: جہاں تک سخاوت و کرم کا تعلق ہے تو حضرتؑ کی ذات اس صفت میں بے مثال دکھائی دیتی ہے۔ آپؐ خالی پیٹ روزے رکھتے تھے اور افطار کا سامان ضرورت مندوں کو عطا کر دیتے تھے اور وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا کی آیت میں آپؐ کی سخاوت کو بیان کیا گیا ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے پاس چار درہم آئے۔ آپؐ نے ایک درہم رات کو صدقہ کیا، ایک درہم دن کو صدقہ کیا، ایک درہم لوگوں کی نگاہ سے چھپا کر صدقہ کیا اور ایک درہم لوگوں کے سامنے صدقہ کیا۔

خدا کو آپؐ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرمائی:

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

”وہ جو اپنے اموال خرچ کرتے ہیں رات اور دن کے وقت، چھپا کر اور

ظاہر کر کے۔“

اُن کی سمجھدوں کو اجرت پر پانی پلاتے تھے۔ اس سے آپؐ کے ہاتھ ڈھکی ہو گئے اور اس کے عوض جو اجرت ملتی اُسے راہِ خدا میں خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے پیٹ پر ہنجر باندھتے تھے۔

شعبی نے یہ بیان کیا کہ حضرت علیؑ دنیا کے سب سے بڑے سخی تھے اور سخاوت و کرم آپؐ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور یہ دونوں صفات خدا کو بہت پسند ہیں۔ آپؐ نے پوری زندگی سائل کو ”نہ“ کبھی نہیں کہا تھا۔

حضرت علیؑ کا ایک مخالف جس کا نام محض بن ابی محض تھا ایک مرتبہ وہ معاویہ کے پاس گیا۔ معاویہ نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟

اُس نے معاویہ کی خوشامد میں کہا کہ میں دنیا کے بخیل ترین شخص علیؑ کے حضور سے تیرے پاس آیا ہوں۔

معاویہ حضرت علیؑ کا دشمن اور مخالف تھا، لیکن وہ بھی اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور

کہنے لگا: تُو اُسے دنیا کا بخیل ترین شخص کیسے کہہ سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس دو گھر ہوں ایک میں سونا بھرا ہوا اور دوسرے میں بھوسہ بھرا ہوا ہو تو وہ بھوسہ ختم کرنے سے پہلے سونے کے گھر کو راہِ خدا میں خرچ کر دے گا۔



## علی علیہ السلام اور عدل

لفظ ”عدل“ مظلوم افراد کو بہت بھلا لگتا ہے اور ستم زدہ افراد اس لفظ سے بڑی محبت کرتے ہیں، لیکن یہ لفظ ظالموں کو برا لگتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عدل سے اُن کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔

نفوسِ سلیمہ اس لفظ کی عاشق ہیں اور حکومت کی بنیاد عدل پر ہے اور نظامِ اجتماع اور اُس کا اعتدال عدل پر ہی گردش کرتا ہے۔

میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ کسی بھی اجتماع کی ترقی کا دارومدار عدل پر ہے۔ آج اگر طاقت ور افراد بھیڑیوں کی طرح سے کمزور افراد کو چیر پھاڑ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں عدل کا فقدان ہے۔ منکبر طبقہ عدل کا مخالف ہے اور تاریخ اور وجدان اس کے شاہدِ عادل ہیں۔ اس بحث کے لیے مجھے زیادہ دلائل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

عدالت کے نفاذ کے لیے خدا پر ایمان اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے اور عدل کو ہر طرح کی رشتہ داری اور دوستی سے بلند و بالا ہونا چاہیے۔ انسانی جذبات کو عدل کے نفاذ میں دخل نہیں کرنا چاہیے اور عدل کا نفاذ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان ظاہری خطرات کو پس پشت ڈال دے اور عدل کی وجہ سے متوقع مشکلات کو خاطر میں نہ لائے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں مذکورہ بالا تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ آپؑ کی ذات مجسمہٴ ایمان اور تقویٰ تھی۔ آپؑ راہِ حق میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ آپؑ کی ذات حق کا وہ مجسمہ تھی، جس میں باطل کی آمیزش موجود نہ تھی۔

ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپؐ کے سخت عدل کی وجہ سے لاپہی افراد نے آپؐ کا ساتھ چھوڑا تھا۔ آپؐ کے عدل کی وجہ سے اہل منصب خوف زدہ رہتے تھے اور جن لوگوں نے خزانے میں خیانت کر کے جائیدادیں بنائی تھیں وہ آپؐ سے ڈر محسوس کرتے تھے۔ جن لوگوں پر حدود الہیہ کا اجر لازم ہو چکا تھا اور حکام و قضاة کی چشم پوشی کی وجہ سے محفوظ تھے وہ آپؐ کے خالص عدل کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے اور حکام کے حاشیہ نشینوں کی آرزو میں خاک میں مل گئی تھیں۔ آپؐ کے خلاف مذکورہ حوال نے اتحاد کیا اور آپؐ کے خلاف داخلی جنگیں شروع کرائیں۔

اگر آپؐ مظلوم و زیر کو ان کی مرضی کے مطابق کوفہ و بصرہ کی حکومتیں سپرد کر دیتے اور انھیں اموال مسلمین کے لوٹنے کی مکمل اجازت دے دیتے تو وہ کبھی آپؐ کو چھوڑ کر حضرت بی بی عائشہ کو میدان جنگ میں نہ لاتے۔

اگر آپؐ کو عدل کی پاسداری مطلوب نہ ہوتی تو معاویہ کو بدستور شام کا حاکم بنائے رکھتے اور یوں جنگ مصلحین کی کبھی نوبت ہی نہ آتی۔

جی ہاں! عدالت کی وجہ سے آپؐ کی زندگی میں تختیاں در آئی تھیں اور عدالت کی وجہ سے آپؐ راحت و اطمینان سے محروم ہوئے تھے۔ قیام عدل کی وجہ سے آپؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔

آج صبح تاریخ آپؐ کی اس فضیلت کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہے اور آپؐ کو سلام عقیدت پیش کرتی ہے۔ البتہ کچھ سیاست مدار مورخین نے یہ لکھا ہے کہ علیؑ ہر جگہ سیاست پر عدالت کو مقدم رکھتے تھے جب کہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ آپؐ سیاست کو عدالت پر مقدم رکھتے، لیکن حضرت علیؑ نے اس سیاست کو اٹھا کر دیوار پر مارا، جو دین کے تقاضوں سے مزاحم تھی۔

آپؐ پیغمبر اکرمؐ کے پہلے تلمذ تھے اور تمام امتوں کے معلم ثانی تھے۔ اور اگر خدا خواستہ آپؐ سیاست و وقت کے دھارے کی جھڑی کرتے تو تاریخ یہی کہتی کہ آپؐ بس ایک سیاست مدار تھے اور دنیا کے لوگ اور عظیم افراد کی پیشانیوں آپؐ کے درِ عظمت پر کبھی نہ

جنتیں اور دنیا کے تمام انصاف پسند آپ کی تقدیس کے ٹکٹ کبھی نہ گاتے۔

ہم آپ کی عدالت کے صرف چند نمونے بیان کریں گے اور اس موضوع پر سیر حاصل بحث نہیں کریں گے اور اگر خدا نے موقع دیا تو کسی اور وقت اس عنوان پر مبسوط بحث کریں گے۔ امیر المومنینؑ سے عمرو بن العاص رات کے وقت ملاقات کرنے گیا۔ اس وقت آپؑ بیت المال میں تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کے اموال کا حساب کر رہے تھے اور خزانے کی آمد اور اُس کے اخراجات کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔

آپؑ کے سامنے ایک چراغ ٹٹھار رہا تھا اور اس کا تیل بیت المال سے خریدا گیا تھا، کیونکہ وہ چراغ بیت المال کے لیے مخصوص تھا۔ جب عمرو بن العاص آپؑ کے پاس پہنچا اور اُس نے آپؑ سے کلام کرنا چاہی تو آپؑ نے وہ چراغ بجھا دیا اور چاند کی روشنی میں بیٹھ گئے۔ آپؑ نے بغیر استحقاق کے کسی کے لیے بیت المال کا تیل خرچ کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ آپؑ نے ایک کھلا مقام بنوایا، جہاں گم شدہ اُذنوں اور بھیڑ بکریوں کو رکھا جاتا تھا۔ اس جگہ کو ”مرید“ کہا جاتا تھا۔ وہاں جانوروں کو اتنا چارہ دیا جاتا تھا کہ وہ کمزور ہوں اور نہ ہی زیادہ فربہ ہوں۔ مالک آکر اپنے جانور کی نشانی بتاتا تو جانور اُس کے حوالے کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی مالک نہ جانتا تو وہ اسی چھانک ہی میں رہتے تھے۔

آپؑ کے اس اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو جانوروں کی بھی فکر تھی اور بیت المال کی بھی فکر تھی۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے کوفہ سے ایک شخص کو حامل زکوٰۃ بنا کر روانہ کیا اور اُسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”بمَدَّ خدا! چلے جاؤ۔ میں تمہیں وحدۃ لاشریک خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی آخرت پر اپنی دنیا کو ترجیح نہ دینا۔ اور جس چیز کا تجھے ائمن بنانا گیا ہے اُس چیز کی حفاظت کرنا اور خدا کے حق کی پوری نگہداشت کرنا اور اس حالت میں اُن لوگوں کے گاؤں میں داخل ہونا اور پورے سکون و وقار کے ساتھ ان لوگوں کے پاس جا کر انہیں سلام کرنا، پھر یہ کہنا:

”اے بندگانِ خدا! خدا کے نمائندے نے مجھے تم لوگوں کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے اموال میں سے اللہ کا حق حاصل کروں۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے ذمہ خدا کا حق بنا ہو؟

جو کہے کہ مجھ پر کوئی حق واجب نہیں ہے تو اُسے چھوڑ دینا اور اگر کوئی شخص ”ہاں“ کہے تو اُس کے ساتھ اُس کے مویشیوں کے باڑے کی طرف چل پڑنا اور اُسے ڈرانے دھمکانے سے پرہیز کرنا۔

یاد رکھو! اس کی اجازت کے بغیر اس کے اموال میں داخل نہ ہونا، کیونکہ اموال کے بڑے حصے کا وہ خود ہی مالک ہے۔ اس سے کہنا کہ اجازت ہو تو میں آپ کے اموال میں داخل ہو جاؤں؟

جب تمہیں داخل ہونے کی اجازت ملے تو پھر کسی حکمران کے ماتم داخل نہ ہونا اور مال کے دو حصے کرنا اور اُسے ایک حصہ کے چناؤ کا اختیار دینا۔ وہ جو بھی حصہ چننے اس پر اعتراض نہ کرنا۔ پھر جو حصہ تمہارے پاس ہو اُس کے دوبارہ دو حصے بنانا اور اس چناؤ کا اختیار دینا۔ پھر اسی طرح سے دو دو حصے بناتے رہنا۔ پھر جب آخر میں خدا کا حق باقی رہ جائے تو اُسے وصول کر لینا۔ اور جب اموال جمع کر لو تو کسی خیر خواہ اور امین شخص کو اُس کی حفاظت پر مقرر کرنا۔ اور جب وہ اموال ہمارے پاس بھیجے تو اموال لانے والے شخص کو یہ صحت کرو کہ وہ ناقہ کے بچے کو ماں کا دودھ پینے سے نہ روکے اور سواری کی وجہ سے اُسے تھکانے سے پرہیز کرے۔ باری باری اُونٹنیوں پر سوار ہوتا رہے اور ہر وقت ایک ہی اُونٹنی پر سوار نہ ہو اور گھاس پھوس کی سرزمین سے ہٹا کر بنجر زمینوں سے نہ لے جائے اور دورانِ سفر جہاں پانی کا گھاٹ ہو جانوروں کو وہاں لے جائے اور انھیں پانی پلائے اور یوں انھیں تھکائے اور لاغر کیے بغیر صحیح سالم اور تندرست حالت میں ہمارے پاس لے آئے۔

پھر ہم کتاب و سنت کے مطابق مستحقین میں انھیں تقسیم کریں گے۔

یہ طرزِ عمل تیرے اجر کی عظمت کا ذریعہ اور تیری ہدایت کا قریب ترین وسیلہ ثابت ہوگا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے بھیجے والے کی محنت اور اخلاص پر نظرِ کرم



فرمائے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”وہ سرکاری نمائندہ جو محنت اور خیر خواہی سے عمل کرے اور اپنے امام کا خیر خواہ ہو تو ایسا شخص رفیقِ اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا۔“

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا: خدا کی قسم! خدا کی ہر حرمت پامال کی جا چکی ہے اور جہان میں کتاب و سنت کو معطل کیا جا چکا ہے اور جب سے امیر المومنین کی رحلت ہوئی ہے اس کے بعد آج کے دن تک خدا کی حدود پر عمل درآمد نہیں کیا گیا اور کسی حق پر عمل نہیں کیا گیا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: شب و روز کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ آخر کار اس حالت کو تبدیل کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا اور زندوں کو مارے گا اور حق کو اس کے حق دار کے حوالے کرے گا اور اپنے اس دین کو قائم کرے گا جسے اس نے اپنے اور اپنے نبیؐ کے لیے پسند کیا ہے۔ تمہیں بشارت ہو پھر تمہیں بشارت ہو، پھر تمہیں بشارت ہو، خدا کی قسم! حق صرف تمہارے ہی ہاتھوں میں ہے۔

ہمارے مروجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد سودہ بنت عمارہ ہمدانیہ کو مجبور ہو کر معاویہ کے پاس جانا پڑا۔ معاویہ نے اُسے ملامت کی کہ اُس نے جنگِ صفین میں لوگوں کو معاویہ کے خلاف بھڑکایا تھا۔ آخر کار طویل گفتگو کے بعد معاویہ نے پوچھا: تم کیا چاہتی ہو؟ ہمدانیہ نے جواب دیا: خدا قیامت کے دن تم سے ہمارے معاملات کے متعلق پوچھے گا اور تم پر خدا نے ہمارے جو حقوق فرض کیے ہیں اُن کی پامالی کے متعلق بھی ضرور تیرا محاسبہ کرے گا۔ تیری طرف سے ہم پر ایسے حکام مسلط کیے جاتے ہیں، جو ہمیں یوں کاٹتے ہیں جیسا کہ بکی ہوئی فصل کاٹی جاتی ہے اور ہمیں یوں روندتے ہیں جیسا کہ خرل کو روندنا جاتا ہے۔ تیرے حکام ہم پر سختیاں کرتے ہیں اور مظالم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ اگر اطاعت مقصود نہ ہوتی تو ہم مقابلہ کرتے۔ اب اگر تو اپنے حاکم کو ہم سے معزول کر دے تو ہم حیرا شکر یہ ادا کریں گے ورنہ تیرا انکار کریں گے۔

معاویہ نے کہا: کیا تو اپنے قبیلہ کی قوت کی مجھے دھمکی دیتی ہے؟  
میں چاہتا ہوں کہ تجھے ترش رو آؤٹ پر قید کر کے اپنے اسی علاقائی حاکم کے پاس  
بھیجوں اور وہ جو چاہے تمہارے متعلق فیصلہ کرے۔

سودہ نے کچھ وقت کے لیے سر جھکایا، پھر اُس نے یہ اشعار پڑھے:

صلی اللہ علی روح تصنسہا      قبر فاصبح فیہ العدل مدخونا

قد هالف الحق لا یبغی به بدلا      فصار بالحق والایمان مقرونا

”خدا کی رحمت ہو اُس روح پر جو قبر میں مدفون ہو چکی ہے اور اُس کے

ساتھ عدل بھی دفن ہو گیا ہے۔ وہ حق کا حلیف تھا۔ اُس نے حق کے علاوہ

کسی کا حلیف بننا پسند نہیں کیا تھا وہ حق اور ایمان کا مجسمہ تھا۔“

معاویہ نے کہا: اس سے تمہاری مراد کون ہے؟

سودہ نے کہا: اس سے میری مراد امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

میں ایک مرتبہ اُن کے پاس اُن کے عامل زکوٰۃ کی شکایت لے کر گئی تھی کیونکہ اُس

نے ہم پر زیادتی کی تھی۔ جب میں اُن کی خدمت میں پہنچی تو وہ نماز میں مصروف تھے۔ نماز

سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے میری حاجت دریافت کی۔ میں نے اُن

کے سامنے اُن کے عامل کی زیادتی کی شکایت کی۔ یہ سن کر وہ رونے لگے اور انھوں نے ہاتھ

بلند کر کے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

”پروردگارا! تو میرا اور اُن کا گواہ ہے۔ میں نے اپنے نمائندوں کو ظلم

کرنے کا حکم نہیں دیا۔“

بعد ازاں انھوں نے ایک کاغذ نکالا اور اس پر یہ تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ جَاءَ تَكْمُ يَبِيْنَةُ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا

تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ (سورۃ اعراف: آیت ۸۵)

”تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح ہدایت تم تک پہنچ چکی ہے، لہذا ناپ تول صحیح طریقہ سے کرو اور لوگوں کی اشیاء میں کوئی کمی نہ کرو اور اصلاح کے بعد زمین میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔“

جب تمہیں میرا یہ خط موصول ہو تو تم وہ مال اپنے پاس محفوظ رکھو، ہماری طرف سے دوسرا نمائندہ آ کر تم سے وصول کرے گا اور ہم نے تمہیں تمہارے منصب سے معزول کیا ہے۔ والسلام!

پھر آپؐ نے وہ خط مجھے دیا تھا۔ آپؐ نے اس پر کوئی مہر وغیرہ نہیں لگائی تھی۔ میں نے وہ خط اس نمائندے کو دیا تھا۔ وہ معزول ہو کر ہم سے چلا گیا تھا۔ معاویہؓ نے کہا: جو یہ چاہتی ہے اسے لکھ کر اس کے شہر روانہ کرو۔



## علیؑ اور عبادت

امالی میں عروہ بن زبیر سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ ہم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ محفل میں اہل بدر اور بیعت رضوان کرنے والوں کے اعمال کی بحث چھڑی۔ ابو الدرداءؓ نے کہا: لوگو! کیا میں تمہیں ایسے شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو کہ مالی طور پر سب سے کمزور ہے، لیکن تقویٰ میں سب سے آگے ہے اور عبادت میں سب سے زیادہ جدوجہد کرنے والا ہے؟

حاضرین نے کہا: بتاؤ اس سے تمہاری مراد کون ہے؟ ابو الدرداءؓ نے کہا: وہ شخصیت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؓ کی ہے۔ جب انھوں نے حضرت کا نام لیا تو سب کے چہرے بگڑ گئے اور یوں لگا کہ انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

اسنے میں انصاری کھڑا ہوا، اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا: عمو! حاضرین میں سے کسی نے بھی حیرت کی تائید نہیں کی۔

ابو الدرداءؓ نے کہا: لوگو! سنو، میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے مطابق بات کی ہے۔ تم لوگوں نے جو کچھ دیکھا ہو تم بھی اس کے مطابق بات کرنے کا حق رکھتے ہو۔

میں نے ایک مرتبہ علیؑ ابن ابی طالبؓ کی یہ حالت دیکھی کہ وہ اپنے دوستوں سے جدا ہوئے اور بگوروں کے جھنڈ میں جا کر لگا ہوں سے اوجھل ہو گئے۔

میں نے انھیں تلاش کیا، لیکن وہ مجھے دکھائی نہ دیے۔ میں نے دل میں سوچا کہ وہ گھر چلے گئے ہوں گے۔ اسنے میں مجھے ایک دردناک اور غمگین صدا سنائی دی۔ کوئی زور زور کر رہا تھا:

”اے میرے محبوب! مجھ سے کتنی ہی تباہ کن غلطیاں ہوئیں جن پر تُو نے بردباری کرتے ہوئے مجھ پر عذاب نازل نہ کیا اور کتنے جرم صادر ہوئے تُو نے کرم کرتے ہوئے لوگوں میں عیاں نہ کیا۔

اے میرے محبوب! اگرچہ میری عمر کا طویل ترین حصہ تیری معصیت میں بسر ہوا، اور میرے نامہ اعمال میں گناہ درج ہوئے، لیکن اس کے باوجود میں تیری مغفرت سے ناامید نہیں ہوں اور میں تیری رضامندی کے علاوہ اور تجھ سے کوئی توقع نہیں رکھتا۔“

جب میں نے یہ آواز سنی تو اس کی سمت میں چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ خوفِ خدا میں نالہ کرنے والے علی بن ابی طالبؑ تھے۔ میں مجبوروں کی اُٹ میں کھڑا ہوا۔ انھوں نے چند رکعات نماز پڑھی۔ نماز کے بعد گریہ اور مناجات میں مصروف ہوئے۔

میں نے سنا وہ اپنی مناجات میں یہ کہہ رہے تھے:

”میرے محبوب! جب میں تیرے حضور درگزر کو دیکھتا ہوں تو میری خطائیں مجھے ہلکی دکھائی دیتی ہیں اور جب میں تیری پکڑ کو دیکھتا ہوں تو مجھے میری خطائیں بہت زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔

آہ! مجھے یہ خوف کھائے جاتا ہے کہ اگر تُو نے میرے نامہ اعمال میں ایسی کوئی غلطی دیکھی جو مجھے فراموش ہو چکی ہو اور تُو نے اس کا احصا کیا ہوا ہو تو تُو نے یہ کہہ دیا کہ اس بندہ کو پکڑو۔ وہ پھر نہیں کیا کروں گا، کیونکہ اس دن کسی پکڑے جانے والے کو اس کا خاندان نہیں چھڑائے گا اور قبیلہ نفع نہیں پہنچا سکے گا۔“

پھر انھوں نے صفائی سانس لی اور کہا:

”آہ! دوزخ کی آگ اتنی سخت ہے جو کہ جگر اور پیچھڑوں کو جلا دے گی۔ آہ! وہ آگ چلد کو جھلسا دے گی، اس آگ کے شعلے انسان کو ہر طرف سے گھیر لیں گے۔“

یہ کہہ کر انھوں نے سخت گریہ کیا۔ پھر اچانک ان کی آواز رک گئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید ان پر نیند طاری ہو گئی ہے۔ نماز فجر کا وقت قریب ہے، لہذا انھیں بیدار کرنا چاہیے۔

جب میں وہاں پہنچا تو وہ خشک لکڑی کے مانند پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حرکت دی، لیکن وہ بیدار نہ ہوئے۔ میں نے جگانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ نہ جاگے۔ اس وقت میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کی آیت تلاوت کی اور دل میں کہا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ دنیا سے چلے گئے ہیں۔

میں اُن کی وفات کی خبر دینے کی غرض سے حضرت زہراؑ کے گھر کی طرف دوڑا۔ سیدہؑ نے پوچھا: معاملہ کیا ہے؟

میں نے بی بیؑ کو پورا واقعہ سنایا۔ سیدہؑ نے فرمایا: ”وہ خوفِ خدا کی وجہ سے بے ہوش ہوئے ہیں اور ان پر اکثر یہ حالت طاری ہوتی رہتی ہے۔“

پھر میں پانی لایا اور آپؑ کے چہرے پر چھینٹے مارے تو آپؑ کو فحشی سے افاقہ ہوا۔ آپؑ نے میری طرف دیکھا۔ میں اس وقت رو رہا تھا۔ آپؑ نے مجھ سے فرمایا: تم کیوں رو رہے ہو؟

میں نے عرض کیا: میں آپؑ کی یہ حالت دیکھ کر رو رہا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: ابوالدرداء! آخر یہ حالت نہ ہو تو پھر کیا ہو؟ اگر تم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ مجھے حساب کے لیے بلایا گیا ہو اور اہل جہنم کو عذاب کا یقین ہو اور سب میرے اطراف میں سخت مزاج فرشتے کھڑے ہوں اور میں جہار بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوں، تمام دوست مجھے چھوڑ چکے ہوں، تو اس وقت تمہیں میری حالت پر بڑا ترس آئے گا، لیکن یہ فحشی اس مالک کے حضور ہوگی، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔“

ابوالدرداء نے یہ واقعہ سنا کر کہا کہ اصحابِ پیغمبرؐ میں سے کوئی بھی علیؑ کے مانند خوفِ خدا رکھنے والا نہیں ہے۔

علامہ معتزلی لکھتے ہیں کہ جہاں تک عبادت کا سوال ہے تو امیر المؤمنین علیؑ تمام

انسانوں سے زیادہ عابد تھے اور آپؐ نماز روزہ میں سب سے ممتاز تھے۔ آپؐ ہمیشہ محو مناجات رہتے تھے اور آپؐ قائم الليل تھے۔ آپؐ کے آورد و مناجات کے لیے یہی کافی ہے کہ جنگہ مطہین میں لیلة الہر کو جب چاروں طرف سے تلواروں سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں اور حیروں کی بارش ہو رہی تھی اس وقت بھی آپؐ نے دغوں صفوں کے درمیان مصطفیٰ بچایا اور معمول کی نماز پڑھی اور مناجات کی جب کہ آپؐ کے دائیں بائیں تیر کی برسات ہو رہی تھی، لیکن آپؐ نے کسی بھی چیز کی پرواہ نہ کی اور نماز نوافل پڑھی اور اپنے ورد بجالائے۔

کثرتِ سجد کی وجہ سے آپؐ کی جبین پر اونٹ کی طرح گھسے پڑے ہوئے تھے۔ جب آپؐ امیر المومنینؑ کی دعاؤں اور مناجات کا مطالعہ کریں گے تو آپؐ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ نے اپنی دعاؤں میں خدا کی عظمت و جلالت کو کس طرح سے پیش کیا۔ ان دعاؤں کے ہر لفظ سے اخلاص چلکتا ہوا دکھائی دے گا۔

حضرت علی بن الحسینؑ اسنے بڑے عابد تھے کہ لوگ انھیں زین العابدینؑ کہا کرتے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ آپؐ کی عبادت کا آپؐ کے دادا علی بن ابی طالبؑ کی عبادت سے کیا تناسب ہے؟ آپؐ نے کہا: میری اور میرے دادا کی عبادت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ کی عبادت میں فرق تھا۔

### خوش روئی اور ہیبت

علیؑ مولا خوش روئی سے لوگوں کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ آپؐ کے چہرے پر ہمیشہ ملکوتی تبسم دکھائی دیتا تھا۔ آپؐ خوش روئی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپؐ کی خوش روئی دشمنوں کو صیب دکھائی دیتی تھی۔ عمرو بن العاص نے اہل شام سے کہا تھا کہ علیؑ زیادہ مذاق کرنے والے انسان ہیں۔

امیر المومنین علیؑ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

مجھے امن ناغہ پر تعجب ہے۔ وہ شامیوں سے یہ کہتا ہے کہ میں ہر وقت حراج کرتا رہتا ہوں اور میں ایک کھلنڈری طبیعت رکھنے والا ہوں۔

عمر بن العاص نے یہ جملے اپنے پیر و مرشد حضرت عمر سے سیکھے تھے۔ حضرت عمر نے آپ کو خلیفہ بنانا چاہا تو یہ کہا تھا کہ خدا تیرے باپ کا بھلا کرے میں آپ کو خلیفہ بنانا لیکن آپ میں حسِ ظرافت پائی جاتی ہے۔

حضرت عمر نے اس سے آگے کچھ نہیں کہا تھا، لیکن عمرو بن العاص نے اس میں مزید اضافہ کیا اور اس طرح سے آپ کی شان کو کم کرنا چاہا تھا۔

صعہ بن صوحان اور حضرت کے دیگر اصحاب کا بیان ہے کہ حضرت ہمارے درمیان ہوتے تو ہمارے ہی فرد دکھائی دیتے تھے۔ آپ بڑے نرم مزاج اور انکساری کرنے والے انسان تھے۔ اس کے باوجود ہم ان کی ہیبت سے لرزاں رہتے تھے اور یوں محسوس کرتے تھے جیسا کہ کوئی آدمی جلاد کے سامنے سر جھکا کر خوف زدہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے قیس بن سعد سے کہا کہ خدا الہامسنؑ پر رحم کرے وہ پر مزاج انسان تھے۔

قیس نے کہا: جی ہاں! رسول اکرم ﷺ بھی اپنے اصحاب سے مزاج کرتے تھے اور تبسم کیا کرتے تھے، جب کہ تم ہمیشہ ناراض اور زوٹھے ہوئے شخص دکھائی دیتے ہو، مگر اس حسِ مزاج کے باوجود آپ کی ہیبت ہمیشہ سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ آپ کی ہیبت تقویٰ کی وجہ سے تھی، جب کہ تمہاری ہیبت تمہارے ظلم و ستم کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے اہل شام تم سے ہیبت زدہ ہیں۔





## امیر المومنین علیؑ اور خصائص

پھر علیؑ مولاً نے سورج پلاٹایا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

”کیا وہ لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ خدا نے انھیں اپنا فضل

عطا کیا ہے۔“ (سورۃ نساء: آیت ۵۴)

ہماری آج کی گفتگو امیر المومنین علیؑ کے خصائص اور آپؑ کے مخصوص فضائل کے

حوالے سے ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں حمایتِ الہی جن کے شامل حال ہوتی ہے اور توفیق پروردگار ان کی معاون ہوتی ہے اور وہ خدا کی طرف سے نعمات و فضائل کے حق دار قرار پاتے ہیں اور وہ دوسروں سے ہر سطح پر ممتاز دکھائی دیتے ہیں، اور خدا انھیں ایسی شخصیت عطا کرتا ہے جس کا ہمیشہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہمیں ایسے افراد بھی دکھائی دیتے ہیں جو اس طرح کے امتیازات سے محروم ہوتے ہیں اور عروہ کی وجہ ان میں استعداد کا نہ ہونا ہے یا پھر انھیں اس طرح کے حالات میسر ہی نہیں آتے، اس لیے ان کا معاشرے میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اس طرح کے لوگوں میں اپنی حقارت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنے آپ کو پست سمجھتے ہیں اور جب احساسِ کمتری عروج پر پہنچتا ہے تو ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ صاحبانِ امتیاز کے امتیازات اور ان کی عزت و عظمت کا انکار کیا جائے۔ اس طرح کے

افراد اپنے حسد کے جذبات کو اس طرح سے تسکین پہنچاتے ہیں۔ ادھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فضائل سے محروم افراد کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور صاحبان فضائل افراد کی تعداد کم ہوتی ہے اور صاحبان فضائل کی فضیلت میں جتنا اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی حاسدین کے حسد میں اضافہ ہوتا ہے۔

انسان میں جب تک ایمان کامل اور تقدیر پر رضامندی اور محسود کے فضائل کی جستجو کا جذبہ موجود نہ ہو اس وقت تک وہ حسد کی حشر سامانیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم اور اُن کی اہل بیتؑ پر بے شمار انعامات فرمائے جس کی وجہ سے دنیا میں اُن کے حاسدوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

ہم نے جس آیت مجیدہ کو سرائے کلام بنایا ہے، اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں سے حسد کیا جاتا ہے، سے مراد عترتِ رسولؐ کے افراد ہیں۔

ہم آج کی محفل میں امام علیؑ کے چند خصائص پر گفتگو کریں گے اس سے قبل ہم نے کچھ خصائص امامؑ بیان بھی کیے تھے۔ ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حضرتؑ کے جملہ فضائل آپؑ کے لیے مخصوص ہیں اور ان میں آپؑ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

ایسے ہی خصائص میں رؤس کا واقعہ شامل ہے۔ سورج کے پلٹنے کے متعلق شیعوں کو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں ہے اور شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سورج خدا کا پیدا کردہ ہے اور خالق اگر سورج کو پلٹانا چاہے تو وہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے اور سورج کا پلٹنا محفل و قدرت کے لحاظ سے ناممکن نہیں ہے اور اس سے اجتماعِ ضدین بھی لازم نہیں آتا۔

ہمیں رسولِ اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت کا بھی یقین ہے اور اس طرح سے ہمیں حضرت علیؑ کی عظمت اور استجاب دعا کا بھی یقین ہے، لہذا ہماری نظر میں سورج کا پلٹنا ہرگز تعجب خیز نہیں ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سرزمینِ خیر میں صہبا کے مقام پر نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو کسی کام کے لیے روانہ کیا۔ جب علیؑ واپس آئے تو اُس وقت آنحضرتؐ نماز عصر پڑھا چکے تھے۔ علیؑ آکر

آپؐ کے پاس بیٹھے۔ آپؐ نے اپنا سر اُن کی گود میں رکھا اور سو گئے۔

حضرت علیؓ نے آپؐ کے سر کو ہٹانا پسند نہ کیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسولؐ خدا اُٹھے اور علیؓ سے فرمایا: کیا آپؐ نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟

حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! نہیں پڑھی۔

اس وقت آنحضرتؐ نے دعا کی: پروردگار! تیرے بندے علیؓ نے اپنے نبیؐ کے لیے

اپنے آپ کو ایک جگہ پر بٹھائے رکھا، اس کی نماز کے لیے سورج لوٹا دے۔

اسماء کا بیان ہے کہ سورج طلوع ہوا اور پہاڑوں پر بلند ہوا۔ حضرت علیؓ اُٹھے اور

آپؐ نے وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر سورج ڈوب گیا۔

شیخہ محدثین اس فضیلت پر متفق ہیں اور انھوں نے اپنے منابع حدیث میں اس کا ذکر کیا

ہے اور یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کے لیے دوبار سورج پلٹا دیا تھا۔

پہلی بار رسولؐ خدا کی حیات طیبہ میں اور دوسری بار آپؐ کے ایام خلافت میں۔ اس

وقت آپؐ "حذہ" کے قریب سرزمین باطل سے گزر رہے تھے، جیسا کہ نصر بن حزام سے منقول

ہے کہ مجھ سے عمر بن عبداللہ بن علیؓ بن مرہ ثقفی نے اپنے والد عبدالعزیز کی زبانی بیان کیا ہے کہ

میں حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے ساتھ باطل کی سرزمین سے گزر رہا تھا، اتنے میں نماز عصر کا وقت

ہو گیا۔ ہم جہاں بھی جاتے تو وہاں خراب زمین پاتے، یہاں تک کہ ہم نسبتاً بہتر سرزمین پر

پہنچے۔ اس وقت سورج کے غروب ہونے میں چند لمحات باقی رہ گئے تھے۔ حضرت علیؓ گھوڑے

سے نیچے اترے اور آپؐ کے ساتھ ہم بھی اپنی سواریوں سے اترے اور ہم سب نے وضو کیا۔

اسے میں سورج بھی ڈوب گیا۔ اس وقت آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو سورج پلٹ آیا۔

ہم نے عصر کی نماز پڑھی پھر سورج ڈوب گیا۔

طلح الشرائع میں جویریہ بن مسہر سے منقول ہے کہ ہم نے عصر کے وقت حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ

کے ساتھ "بصر العراء" کو عبور کیا۔

آپؐ نے فرمایا کہ یہ زمین عذاب شدہ ہے۔ نبیؐ اور نبیؐ کے وصی کے لیے جائز نہیں

ہے کہ وہ ایسی جگہ پر نماز پڑھے۔ البتہ اگر قم میں سے کوئی نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

لوگ نماز پڑھنے کے لیے دائیں بائیں پھیل گئے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں تو حضرتؐ کی اقتداء میں نماز پڑھوں گا اور جب تک وہ نماز نہ پڑھیں تب تک میں بھی نماز نہیں پڑھوں گا۔

ہم نے سفر جاری رکھا، سورج ڈھلتا رہا۔ میں دل ہی دل میں بہت ڈرایاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا: جو یہ اذان دیں۔ میں نے اذان دی۔ پھر فرمایا کہ اقامت کہو۔ میں نے اقامت شروع کی۔ جب میں نے قَدَامَتِ الصَّلَاۃِ کہا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے لب متحرک ہیں۔ میں نے ایسا کلام سنا جو کہ عبرانی زبان کے مشابہ تھا۔ پھر اچانک سورج واپس لوٹا اور عصر کے مقام پر آ گیا۔ آپؐ نے نماز ادا کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو سورج دوبارہ ڈوب گیا اور ستارے نظر آنے لگے۔

میں نے بے ساختہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ رسول خدا کے وحی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (اپنے عظیم رب کے نام کی پاکیزگی بیان کرو)۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے بھی اللہ کو اس کے عظیم نام کا واسطہ دے کر سوال کیا تھا۔ خدا نے سورج کو پلٹا دیا۔

ہمارا الانوار کی اس روایت میں ردّ شمس کی دونوں روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر ایسے معجزات کو ظاہر کیا جنہیں لوگ آج تک بیان کر رہے ہیں اور محدثین و مؤرخین نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور شعراء نے اس کے متعلق اشعار کہے ہیں۔ ایسے ہی معجزات میں ردّ شمس کا واقعہ بڑی شہرت رکھتا ہے۔ آپؐ کے لیے خدا نے دو مرتبہ سورج کو پلٹا دیا۔ پہلی بار رسول خدا کی زندگی میں سورج پلٹا تھا اور دوسری بار آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اور آپؐ کے زمانہ خلافت میں پلٹا تھا۔

پہلی بار سورج کے پلٹنے کی اسماء بنت عمیس، أم المومنین حضرت أم سلمہؓ اور جابر بن عبد اللہ انصاریؓ اور ابو سعید خدریؓ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت نے نقل کیا اور یہ کہا: ایک

دن آپ اپنے گھر میں تھے اور حضرت علیؓ آپ کے سامنے بیٹھے تھے کہ جبریل امینؑ آپ پر نازل ہوئے۔ جب وحی شروع ہوئی تو آنحضرتؐ حضرت علیؓ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ جب آپ نے سر اٹھایا تو سورج ڈوب چکا تھا۔ اس دوران حضرت علیؓ نے اشاروں سے عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔

جب آنحضرتؐ نے آنکھ کھولی تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: کیا نماز عصر آپؐ سے فوت ہوگئی ہے؟

حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ آرام فرما رہے تھے اور وحی سننے میں مصروف تھے اس لیے میں نے اشاروں سے نماز پڑھ لی ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے لیے سورج پلٹا دے، تاکہ تم مکمل طور پر نماز پڑھ سکو۔ تم خدا اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت میں مصروف تھے، اس لیے خدا تمہاری دعا کو قبول کرے گا۔

حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ سے سورج پلٹانے کی دعا مانگی اور سورج پلٹا اور عصر کے مقام پر آگیا۔ آپؐ نے نماز عصر ادا کی، پھر سورج ڈوب گیا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ آپؐ بائبل سے فرات کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ کے بہت سے ساتھی اپنی سواریوں کو تبدیل کرنے میں مصروف رہے۔ آپؐ نے چند افراد کو عصر کی نماز پڑھائی، لیکن لوگوں کی اکثریت کو دریا عبور کرتے ہوئے شام ہوگئی اور سورج ڈوب گیا اور ان کی نماز قضا ہوگئی۔

پھر سارا لشکر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نماز قضا ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ جب آپؐ نے اُن کی گفتگو سنی تو آپؐ نے خدا سے سورج پلٹانے کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ڈوبا ہوا سورج پھر عصر کے مقام پر پلٹ آیا۔ آپؐ نے لوگوں کو نماز عصر پڑھائی۔ جیسے ہی نماز تمام ہوئی تو سورج ڈوب گیا۔

آپؐ کے اصحاب نے اس نعمت خداوندی پر بہت زیادہ تسبیح و تہلیل و تکبیر کہی اور یہ خبر جھل کی آگ کے مانند لوگوں میں پھیل گئی۔

## حدیث ردّ شمس نقل کرنے والے شیعہ علمائے کرام

علمائے اہل سنت میں سے حسب ذیل علماء نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے:

- ① ابوبکر الوراق نے اپنی کتاب من ردی رد الشمس میں اس واقعہ کو لکھا۔
- ② ابوالحسن شاذان فصلی نے اس عنوان پر مکمل رسالہ تالیف کیا۔
- ③ حافظ ابوالفتح محمد بن حسین ازدی الموصلی نے اس موضوع پر مکمل کتاب لکھی۔
- ④ ابوالقاسم الحاکم ابن الحداد حسانی نیشاپوری نے اس عنوان پر رسالہ لکھا، جس کا نام مسأله فی تصحیح رد الشمس ہے۔
- ⑤ ابوعبدالله الجعل حسنین بن علی البصری ثم البغدادی نے اس موضوع پر کتاب لکھی، جس کا نام ”جواز رد الشمس رکھا۔
- ⑥ اخطب خوارزم ابوالمؤید موفق بن نے اس عنوان پر ایک کتاب لکھی جس کا نام انھوں نے رد الشمس لامید المومنین رکھا۔
- ⑦ ابویعلی الشریف محمد بن اسعد بن العزالحسن نقیب نسابہ نے ردّ شمس کی حدیث کے جملہ طرق کو یکجا کیا اور انھوں نے کتاب کا نام طرق حدیث رد الشمس لعل رکھا تھا۔
- ⑧ ابوعبدالله محمد بن یوسف دمشقی الصالحی، انھوں نے اس عنوان پر کامل کتاب لکھی جس کا نام مزیل اللبس عن حدیث رد الشمس رکھا۔
- ⑨ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر رسالہ لکھا، جس کا نام کشف اللبس عن حدیث رد الشمس ہے۔
- ⑩ حافظ ابوالحسن عثمان بن ابی شیبہ العجمی الکوفی نے اس واقعہ کو اپنی سنن میں لکھا۔
- ⑪ حافظ ابوجعفر احمد بن صالح البصری نے اس روایت کو نقل کیا۔
- ⑫ محمد بن حسین ازدی نے اس واقعہ کو اپنی کتاب ”مناقب علیؑ“ میں لکھا۔
- ⑬ حافظ ابوبکر محمد بن احمد دولابی نے اس واقعہ کو ”الزریۃ الطاہرۃ“ میں لکھا۔
- ⑭ حافظ ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی نے اس حدیث کو ”مشکل الآثار“ میں نقل کیا۔
- ⑮ حافظ ابوجعفر محمد بن عمرو القحطانی نے اس واقعہ کو بیان کیا۔

- ۱۶) حافظ ابو القاسم طبرانی نے اس واقعہ کو ”معجم کبیر“ میں لکھا۔
- ۱۷) حاکم ابو عبد اللہ عیثیٰ پوری نے اسے ”تاریخ عیثیٰ پور“ میں نقل کیا۔
- ۱۸) حافظ ابن مردودہ اصنہانی نے اس روایت کو ”المناقب“ میں لکھا۔
- ۱۹) ابواسحاق ثعلبی نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں لکھا۔
- ۲۰) فقیہ ابو الحسن علی بن حبیب بصری البغدادی الشافعی نے اس واقعہ کو بغیر اکرم کے مجروح کے عنوان سے ”اعلام النبوة“ میں لکھا۔
- ۲۱) حافظ ابو بکر بیہقی نے اس واقعہ کو ”الدلائل“ میں لکھا۔
- ۲۲) حافظ خلیب بغدادی نے اسی واقعہ کو ”تخصیص المستحایہ“ میں لکھا۔
- ۲۳) حافظ ابو زکریا اصنہانی المعروف ابن مندہ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب ”المعرفة“ میں نقل کیا ہے۔
- ۲۴) حافظ قاضی عیاض ابو الفضل المالکی الاندلسی نے اس روایت کو ”الاشفاء“ میں نقل کیا ہے۔
- ۲۵) اخطب خوارزمی نے اسے ”المناقب“ میں نقل کیا۔
- ۲۶) حافظ ابو الفتح الخطوطی نے اسے ”الخصائص الطویہ“ میں نقل کیا ہے۔
- ۲۷) ابو المظفر یوسف قزواغلی الحنفی نے اسے ”الذکر“ میں بیان کیا ہے۔
- ۲۸) حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف الکلبی الشافعی نے اپنی کتاب کتابتہ الطالب میں اس واقعہ کے لیے ایک فصل مخصوص کی ہے۔
- ۲۹) ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد انصاری الاندلسی نے اس واقعہ کو اپنی کتاب ”الذکر باحوال المؤمنین وامور الاخرة“ میں بیان کیا ہے۔
- ۳۰) شیخ الاسلام حموی نے اسے ”فرائد السمطين“ میں نقل کیا ہے۔
- ۳۱) حافظ ولی الدین ابو زمرہ عراقی نے اسے ”طرح القریب“ میں لکھا ہے۔
- ۳۲) امام ابو الفتح سلیمان اسی المعروف ابن سبع نے اس واقعہ کو اپنی کتاب ”نظام الصدور“ میں نقل کیا ہے۔
- ۳۳) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے ”فتح الباری“ میں نقل کیا ہے۔

- ۱۳ امام بدرالدین عینی الحنفی نے اسے عمدۃ القاری میں لکھا۔
- ۱۴ حافظ سیوطی نے اسے ”جمع الجوامع“ میں نقل کیا ہے۔
- ۱۵ نورالدین سیہودی الشافعی نے اسے ”وقاء الوقاء“ میں لکھا ہے۔
- ۱۶ حافظ ابوالعباس قسطلانی نے اسے ”المواہب اللدنیہ“ میں بیان کیا ہے۔
- ۱۷ حافظ ابن الریث نے اسے ”تمہیر الملیب من الخبیث“ میں بیان کیا ہے۔
- ۱۸ سید عبدالرحیم بن عبدالرحمن العباسی نے اس واقعہ کو ”معابد النعمان“ میں نقل کیا ہے۔
- ۱۹ حافظ شہاب الدین ابن حجر دمشقی نے اس واقعہ کو ”المصالح المبرورۃ“ میں لکھا۔
- ۲۰ ملا علی قاری نے اس واقعہ کو ”الرقاعۃ فی شرح المسکوٰۃ“ میں لکھا۔
- ۲۱ نورالدین طبری الشافعی نے اس واقعہ کو ”سیرت نبویہ“ میں لکھا۔
- ۲۲ شہاب الدین خفاجی الحنفی نے اسے ”شرح الشفاء“ میں لکھا۔
- ۲۳ ابوالعرفان شیخ برہان الدین ابراہیم بن حسن شہاب الدین المکردی الکوردانی نے اسے ”الام لا یحاط الہم“ میں لکھا۔
- ۲۴ ابو عبد اللہ ذرقانی المالکی نے ”شرح مواہب“ میں اس واقعہ کو صحیح کہا ہے۔
- ۲۵ شمس الدین الحنفی الشافعی نے اسے سیوطی کی ”الجامع الصغیر“ کے تطبیقہ میں لکھا ہے۔
- ۲۶ میرزا محمد بدیشی نے اسے ”نزل الابرار“ میں لکھا ہے۔
- ۲۷ شیخ محمد حبان نے اسے ”اسعاف الراغبین“ میں لکھا ہے۔
- ۲۸ شیخ محمد امین بن عمر المعروف ابن عابدین دمشقی نے اسے اپنی کتاب ”حاشیہ“ میں لکھا ہے۔
- ۲۹ سید احمد زمینی دحلان الشافعی نے اسے سیرت حلبیہ کے حاشیہ سیرت نبویہ میں لکھا ہے۔
- ۳۰ سید محمد مومن قلعانی نے اسے ”نور الابصار“ میں لکھا ہے۔
- وضاحت: ہم نے مذکورہ بالا احوال جات علامہ بزرگوار شیخ امین کی کتاب ”المقدیر“ سے نقل کیے ہیں۔ شعراء نے اس موضوع پر قصائد بھی لکھے ہیں جنہیں ہم بغرض اختصار نقل کرنے سے قاصر ہیں۔



حدیث طبر (کھنے ہوئے پرندہ کی حدیث)

احتجاج طبری میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے:

”نماز فجر کے بعد رسول خدا اور میں کچھ دیر تک مسجد میں بیٹھے رہے۔ پھر آنحضرتؐ اٹھے تو میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے کہیں جانا ہوتا تو مجھے بتا دیتے تھے اور اگر انھیں دیر ہوتی تو میں اس جگہ اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لیے چلا جاتا تھا کیونکہ میرا دل ایک لمحہ کی جدائی کو برداشت نہیں کرتا تھا۔

اس دن آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عائشہؓ کے حجرے میں جا رہے ہیں۔ چنانچہ آپؐ اپنی زوجہ کے حجرے میں چلے گئے اور میں اپنے گھر آ گیا اور وہاں پہنچ کر حسین شریفینؑ کے ساتھ دل لگی کرنے لگا۔ پھر میں اٹھا اور حضرت بی بی عائشہؓ کے حجرے میں آیا۔ میں نے دستک دی۔

بی بی عائشہؓ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں علیؑ ہوں۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: رسول خدا سوئے ہوئے ہیں۔

میں واپس چلا آیا لیکن دل کو سکون نہ آیا، پھر واپس گیا اور دستک دی۔

بی بی عائشہؓ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے بتایا: میں علیؑ ہوں۔

بی بی نے کہا: آپؐ اپنی حاجت پوری کر رہے ہیں۔ مجھے دستک دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی لیکن مجھ میں آنحضرتؐ کی جدائی کی تاب باقی نہ رہی۔ پھر میں تیزی سے واپس آیا اور زور سے دستک دی۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں علیؑ ہوں۔

رسول خداؐ نے فرمایا: عائشہؓ آنے والے کے لیے دروازہ کھولو۔ چنانچہ دروازہ کھلا اور میں گھر میں داخل ہوا۔ آنحضرتؐ نے مجھے بتایا اور فرمایا: مجھ سے دیر کرنے کی داستان تم بیان کرو گے یا میں اپنی داستان تم سے بیان کروں؟

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ بیان فرمائیں۔ آپؐ کا بیان زیادہ خوبصورت ہوتا

ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے بھوک نے ستایا اور میں عائشہ کے حجرہ میں آیا کہ شاید ان کے پاس کچھ کھانے کے لیے موجود ہو۔ میں کافی دیر تک بیٹھا رہا لیکن انھوں نے کھانے کے لیے کوئی چیز پیش نہ کی۔ پھر میں نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ کھڑے کیے اور اس سے کھانے کے لیے کچھ طلب کیا۔ جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور وہ یہ بھنا ہوا پرندہ لے آئے اور کہا: آپؐ کا پروردگار یہ کہتا ہے: یہ جنت کا پاکیزہ ترین طعام ہے آپؐ اسے تناول فرمائیں۔

میں نے اللہ کی حمد کی اور جبرئیلؑ واپس چلے گئے۔ میں نے دعا کے لیے ہاتھ کھڑے کیے اور بارگاہ توحید میں عرض کیا: پروردگار! اپنے اس بندے کو بھیج جو تیرا اور میرا محبوب ہو اور وہ میرے ساتھ مل کر اس پرندے کا گوشت کھائے۔ میں نے کافی انتظار کیا، لیکن کسی نے دستک نہ دی۔ پھر میں نے خدا سے دوبارہ درخواست کی: خدایا! اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج جو تیرا اور میرا محبوب ہو اور میرا اور تیرا محبوب ہو اور وہ میرے ساتھ مل کر اس پرندے کے گوشت کو کھائے۔

اتنے میں تم نے دستک کی اور تمہاری آواز سنی تو میں نے عائشہ سے کہا: دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھلا تو تم آئے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے تجھے اللہ اور رسولؐ کا محبوب اور اللہ اور رسولؐ کے محبوب کا درجہ دیا۔ اب تم میرے ساتھ مل کر پرندے کا گوشت کھاؤ۔ پھر میں نے رسولؐ خدا کے ساتھ مل کر بہشتی پرندے کا گوشت کھایا۔ بعد ازاں رسولؐ اکرم نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ! اب آپؐ اپنا حال سنائیں۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ سے جدا ہونے کے بعد میں اپنے گھر گیا اور قاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ دل لگی کرنے میں مصروف تھا۔ پھر اچانک دل میں آپؐ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ میں نے دستک دی تو بی بی عائشہ نے کہا: آپؐ سو رہے ہیں۔ میں واپس گیا، لیکن پھر راستے سے ہی واپس آیا اور دوبارہ دستک دی۔ بی بی عائشہ نے کہا: آپؐ مصروف حاجت ہیں۔ میں واپس گیا لیکن آپؐ کی جدائی برداشت نہ ہو سکی۔ میں تیسری بار آیا اور زور سے دستک دی جس کی وجہ سے آپؐ نے اپنی زوجہ کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: خدا نہیں چاہتا تھا کہ یہ اعزاز تمہارے علاوہ کسی اور کو دے۔ پھر

آپؐ نے بی بی عائشہؓ سے فرمایا: تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟  
بی بی نے جواب دیا کہ میں چاہتی تھی کہ میرے والد آپؐ کی دُعا کا ثمر بن کر آئیں  
اور آپؐ کے ساتھ اس پر عے کے گوشت کو تناول فرمائیں۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: حدیث طبر کو بہت سے محدثین نے اپنی کتب حدیث میں  
نقل کیا ہے۔ حسب ذیل علماء نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

① ابو یسٰیٰ ترمذی نے جامع ترمذی میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

② ابویٰسع نے حلیۃ الاولیاء میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

③ بلاذری نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

④ خرگوش نے شرف المصطفیٰ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

⑤ سعائی نے فضائل الصحابہ میں اسے نقل کیا ہے۔

⑥ طبری نے "الولایہ" میں اسے بیان کیا ہے۔

⑦ ابن الصبیح نے صحیح میں اسے لکھا ہے۔

⑧ حافظ ابویسٰیٰ نے اسے سند میں لکھا ہے۔

⑨ احمد نے اسے "الفضائل" میں لکھا ہے۔

⑩ نظری نے اسے اختصار میں لکھا ہے۔

ان کے علاوہ محمد بن یحییٰ ازدی، سعید، مازنی، ابن شاذان، سدی، ابوبکر بن عقی، مالک،

اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، عبدالملک بن عمیر، مسعر بن کدام، داؤد بن علی بن عبداللہ بن

عباس اور ابوحاتم نے اس حدیث کو انس، ابن عباسؓ اور ائمنؓ کی راہی نقل کیا ہے۔

علامہ بریں ابن بطہ نے اسے "الابانہ" میں دو طریق سے نقل کیا ہے اور خلیب اور ابوبکر نے

تاریخ بغداد میں اسے سات طرق سے نقل کیا ہے۔

احمد بن محمد بن سعید نے اس حدیث پر مفصل کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب الطیر ہے۔

قاضی احمد کا بیان ہے کہ میرے نزدیک حدیث طبر صحیح ہے۔

ابو عبداللہ بصری کا قول ہے کہ صحیح اخبار کے متعلق ابو عبداللہ جبائی کا طریقہ اس خبر کی

صحت کا متقاضی ہے کیونکہ حضرت علیؑ نے شوریٰ کے دن صحابہ کے مجمع میں اس حدیث کو نقل کیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تھا۔

شیخ کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے روز شوریٰ صحابہ کے مجمع میں اپنے فضائل کے اثبات کے لیے اس حدیث کو بیان کیا تھا۔ وہاں پر جملہ صحابہ نے اس حدیث کا اقرار کیا تھا، لہذا اس حدیث کا علم روز شوریٰ کے علم کے مانند ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ امت اسلامیہ میں اختلاف کے باوجود کسی نے بھی اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔

مجھ سے یہ حدیث ابو العزیز کاوش الحکمری نے ابی طالب حربی العساری کی سند سے، اور اس نے ابن شاپین الواحی کی کتاب ”ما قرب سعد“ کے حوالے سے بیان کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ مجھ سے اس حدیث کو نصر بن ابی القاسم الفراءسی نے بیان کیا۔ اس نے کہا: مجھ سے محمد بن یحییٰ جوہری نے، اس نے کہا کہ مجھ سے نعیم بن سالم بن قعبر نے بیان کیا کہ انس بن مالک نے یہ کہا..... الخیر۔

علی بن ابراہیم نے اپنی کتاب ”قرب الاساد“ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ چونتیس صحابہ نے اسے اس واقعہ کو انس سے نقل کیا اور دس صحابہ نے اس واقعہ کو براہ راست رسول اکرمؐ کی زبانی نقل کیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ اللہ اور رسولؐ حضرت علیؑ سے پیار کرتے تھے اسی لیے آپؐ کی اقتدا واجب ہے۔

پرندہ کی حدیث لکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ حضرتؑ کی امامت کا بھی اقرار کریں۔

حدیث طیر بطریق دیگر

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انس بن مالکؓ اپنی باعہ سے ہوئے تھا۔ اس سے پوچھا گیا: تمہیں یہ کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: یہ علیؑ کی بددعا کا اثر ہے۔

پوچھا گیا: وہ کیسے؟

انس نے جواب دیا: رسول اکرمؐ نے خدمت میں کسی نے ٹھٹھا ہوا پرندہ بھیجا۔

رسول خدا نے دعا مانگی: خدایا! ایسے شخص کو بھیج جو تمام مخلوق میں سے تجھے زیادہ محبوب ہو اور میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے۔

اتنے میں حضرت علیؑ آئے اور انھوں نے آنحضرتؐ کے پاس جانا چاہا۔ میں آنحضرتؐ کا دربان تھا۔ میں نے کہا کہ رسول خدا مصروف ہیں، وہ اس وقت آپؐ سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ اصل بات یہ تھی کہ میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم انصار میں سے کوئی شخص آئے، تاکہ اُسے یہ شرف حاصل ہو۔ چنانچہ علیؑ لوٹ گئے۔

رسول خدا نے دوبارہ یہی دعا مانگی۔ اس بار بھی دوبارہ علیؑ آئے۔

میں نے کہا: رسول خدا مصروف ہیں، وہ اس وقت آپؐ سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ اصل بات یہ تھی کہ میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم انصار میں سے کوئی شخص آئے تاکہ اُسے یہ شرف حاصل ہو۔

چنانچہ علیؑ لوٹ گئے۔ رسول خدا نے دوبارہ یہی دعا مانگی۔ اس بار بھی دوبارہ علیؑ آئے۔ میں نے کہا: رسول خدا مصروف ہیں۔ وہ اس وقت آپؐ سے نہیں مل سکتے۔ حضرت علیؑ نے زور سے کہا: رسول خدا کی ایسی کون سی مصروفیت ہے کہ وہ مجھ سے نہیں مل سکتے۔

رسول خدا نے ان کی آواز سنی تو مجھ سے فرمایا: اُس یہ کون ہے؟

میں نے کہا: یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔

رسول خدا نے فرمایا: انھیں میرے پاس آنے دو۔

جب علیؑ آنحضرتؐ کے پاس پہنچے تو رسول خدا نے فرمایا: میں نے خدا سے تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ وہ اپنے محبوب ترین بندہ کو بھیجے، جو میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے اور اگر تم اب بھی نہ آتے تو میں تمہارا نام لے کر خدا سے سوال کرتا کہ علیؑ کو میرے پاس بھیج دے۔

حضرت علیؑ نے کہا: یا رسول اللہ! میں ہر بار آیا لیکن اُس نے ہر بار مجھے واپس لوٹایا۔ رسول خدا نے مجھے (اُس) بلا کر فرمایا: اُس انھوں نے ایسا کیوں کیا؟

میں نے کہا: میں آپؐ کی دعا سن چکا تھا لہذا میں یہ چاہتا تھا کہ میری قوم انصار میں سے کوئی شخص آئے، تاکہ یہ اعزاز اُسے حاصل ہو۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا انصار میں علیؑ سے بہتر انسان موجود ہے؟

کیا انصار میں علیؑ سے افضل شخص پایا جاتا ہے؟

اُس کا بیان ہے کہ یوم الدار حضرت علیؑ نے مجھ سے اس واقعہ کی گواہی طلب کی۔

میں نے (سیاسی مصلحت کے تحت) گواہی چھپائی اور کہا کہ یہ بات مجھے بھول چکی ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا: خدایا! اُس پر ایسا نشان لگا جسے اس کا عمامہ نہ چھپا سکے۔

چنانچہ یہ داغ جو تم دیکھ رہے ہو یہ علیؑ کی بددعا کا اثر ہے۔

### حدیث منزلت

جنگِ جحک رسولؐ خدا ﷺ کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ اس جنگ میں رسول اکرمؐ

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو لے کر گئے تھے۔ مدینہ میں عورتوں، بچوں اور چند بہانہ باز قسم کے افراد کے علاوہ باقی کوئی بھی نہ رہا۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تاکہ مدینہ کی حفاظت کریں اور مسلمان خاندانوں کی نگرانی کریں۔

اس واقعہ کی تفصیل کو فتحِ مفیدؒ نے یوں بیان کیا ہے:

جب رسولؐ خدا نے مدینہ سے روانگی کا ارادہ کیا تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے

خاندان، آذواج اور مقامِ ہجرت پر اپنا جانشین مقرر کیا اور فرمایا: مدینہ کی اصلاح میرے بغیر یا حیرے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محسوس کیا کہ انھیں دُور دراز کا سفر درپیش

ہے اور ارد گرد کے قبائلی اعراب اور اہل مکہ کا کوئی بھروسہ نہیں تھا اور یہ امکان ہے کہ وہ آپؐ

کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر مدینہ پر ہی یورش نہ کر دیں اور آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ

مفسدین صرف علیؑ سے ہی ڈرتے ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے کھل کر حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنایا

اور آپؐ نے اس کے ساتھ ہی حضرت امیر علیؑ کی امامت پر واضح نص فرمائی تھی۔

جب منافقین نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا، انھیں یہ یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ کی عدم موجودگی میں علیؑ انھیں کوئی شرارت نہیں کرنے دیں گے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کو بد دل کرنے کے لیے باتیں بتانا شروع کر دیں اور کہنے لگے: رسول خدا علیؑ کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں، اس لیے انھوں نے اُسے مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ اس طرح کی باتیں بتانے کے وہ پہلے سے ہی عادی تھے مثلاً انھوں نے رسول خدا کو بھونکا تھا اور جب اس سے بات نہ بنی تو پھر انھیں شاعر کہا۔ جب اس سے بھی بات نہ بنی تو رسول خدا کو جادوگر اور کابھن کہا، حالانکہ انھیں یقین تھا کہ وہ جو کچھ بھی الزامات عائد کر رہے ہیں وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ مشرکین مکہ کی طرح سے منافقین مدینہ کو بھی بخوبی علم تھا کہ حضرت علیؑ رسول اکرمؐ کے دل کا سکون ہیں اور وہ تمام لوگوں سے آنحضرتؐ کو زیادہ محبوب ہیں۔

جب حضرت علیؑ نے منافقین کی یہ باتیں سنیں تو آپؐ نے چاہا کہ ان کی باتوں کی تکذیب ہو اور ان کی فضیلت عوام پر مکمل سکے۔

رسول اکرم ﷺ مدینہ سے ایک منزل کا فاصلہ طے کر چکے تھے کہ حضرت علیؑ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ مجھے اپنے لیے بوجھ تصور کرتے ہیں، اس لیے آپؐ نے مجھے جنگ میں شریک نہیں کیا اور مدینہ میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بھائی آپؑ! آپس چلے جائیں، مدینہ کی اصلاح میرے بغیر یا تمہارے بغیر نہیں ہو سکتی۔ تم میرے خاندان، مقام ہجرت اور میری قوم میں میرے خلیفہ ہو۔

أَمَّا تَرَىٰ أَن تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِن مُّوسَىٰ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي  
”کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو کہ  
ہارون کو موسیٰ سے تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کا محضمن ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آپ کے فضائل میں آپ کا شریک نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے لیے نبوت کے علاوہ تمام ہارونی منازل کا اثبات کیا ہے۔

جس نے بھی قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہے اُسے بخوبی علم ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے پوری اور مادی بھائی تھے اور حضرت موسیٰؑ کے جملہ امور میں شریک تھے اور وہ حضرت موسیٰؑ کی نبوت، تلخ اور احکام الہی کے پہنچانے میں اُن کے وزیر تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سے حضرت موسیٰؑ کی کمر کو مضبوط کیا تھا اور حضرت ہارونؑ قوم موسیٰؑ کے امام اور رہبر تھے اور اُن کی اطاعت حضرت موسیٰؑ کی طرح سے امت پر فرض تھی۔

حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کو سارے جہان سے زیادہ محبوب تھے اور وہ اُن کی نگاہوں میں افضل ترین فرد تھے، جیسا کہ اُن کی دعا سے واضح ہوتا ہے۔

رَبِّ اشْرَأْنِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝  
يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِّي ذَرْئًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَرُونَ أَمِي ۝ اَشْدُدْ  
بِيْةَ أَزْوَاجِي ۝ وَاشْرِكْ لِي أَمْرِي ۝ (سورۃ طہ: آیت ۳۲ تا ۳۵)

”پردہ گرا میرے سینہ کو کشادہ کرنے اور میرے امور میں آسانی عطا فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں اور میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر مقرر فرما۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط فرما اور اسے میرے معاملات میں شریک قرار دے۔“

رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو ہارون محمدی کا درجہ دیا تو اس میں وہ تمام مناصب شامل ہوں گے جن پر ہارونؑ فائز تھے۔ البتہ آنحضرتؐ نے اس میں سے منصب نبوت کا استثناء کیا تھا، لہذا منصب نبوت کے علاوہ باقی تمام مناصب حضرت علیؑ کے لیے ثابت ہیں۔

اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ فضیلت ہے جس میں کوئی بھی آپ کا شریک نہیں ہے۔ کچھ جہالت کاب مسلان لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ حدیث کتب صحاح میں ثابت نہیں



ہے اور ائمہ حدیث نے اس کی صحت کا اعتراف نہیں کیا تھا۔

اس قبیلہ کے کچھ ”بقراط“ یہ کہتے ہیں: یہ حدیث صرف ایام جوک کے لیے مخصوص ہے اس سے حضرت علیؓ کی عمومی خلافت و امامت کا اثبات نہیں ہوتا۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مسلمانوں کے ہاں حدیث متواتر کا درجہ رکھتی ہے اور آج تک کسی بھی حافظ الحدیث نے اس حدیث کے متن میں کوئی شک نہیں کیا۔ اس حدیث کو اتنے زیادہ حفاظ اہل سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جن کا شمار ممکن ہی نہیں ہے۔ ہم بطور تبرک چند حفاظ حدیث کا یہاں حوالہ پیش کرتے ہیں:

① امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔

② امام مسلم نے اس حدیث کو صحیح مسلم میں بیان کیا ہے۔

③ الجمع بین الصحیحین کے مؤلف نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

④ الجمع بین الصحاح الستہ کے مؤلف نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

⑤ ذہبی نے اسے تہذیب المستدرک میں بیان کیا ہے۔

⑥ ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔

⑦ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔

⑧ امام ابویوسفی ترمذی نے اس حدیث کو اپنی الجامع الصحیح میں بیان کیا ہے۔

⑨ بزار نے اس حدیث کو اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔

⑩ ابن عبدالبر نے اسے الاستیعاب میں بیان کیا ہے۔

⑪ ابن جریر کی نے الصواعق المحرقة میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

کچھ حفاظ اہل سنت نے اس حدیث کے طرق و اسناد پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جہاں تک شیعہ محدثین اور حفاظ کا تعلق ہے تو ان کی نظر میں یہ حدیث ہر شک و شبہ سے بالا ہے۔ تمام شیعہ کتب اس حدیث کے معاصر، مدارک اور اسناد سے بھری ہوئی ہیں۔

دوسرے سوال، یہ حدیث صرف ایام جوک تک کے لیے کارآمد ہے، بعد میں یہ حدیث کارآمد نہیں ہے، کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اعظم ﷺ نے یہ حدیث جوک کے

لیے روانگی کے وقت فرمائی ہوتی تو اس اعتراض میں کچھ وزن بھی ہوتا جب کہ رسول اکرمؐ نے جگر جھوک کے علاوہ اور بھی کئی مواقع اور مقامات پر یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی جیسا کہ بشارة المصطفیٰ میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حسان بن ثابتؓ کو منیٰ میں کھڑا کیا جب کہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اکرمؐ نے مقام منیٰ پر فرمایا:

هَذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ سَيِّدُ الْعَرَبِ وَالْوَصِيُّ الْأَكْبَرُ مِنْزِلَتُهُ مِنْنِي  
مَنْزِلَةُ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي لَا تَقْبَلُ التَّوْبَةَ  
مَنْ تَأْتِبُ الْإِجْبَاهُ

”یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ یہ عرب کا سردار اور وصی اکبر ہے۔ اسے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ خدا کسی توبہ کرنے والے کی توبہ کو اس کی محبت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔“

پھر آنحضرت ﷺ نے حسان سے فرمایا کہ اس کے متعلق کچھ شعر کہو۔

حسان نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

لَا تَقْبَلُ التَّوْبَةَ مَنْ تَأْتِبُ      إِلَّا بِحَبِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ  
إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ بَلِّ صَهْرَهُ      وَالصَّهْرُ لَا يَعْدِلُ بِالصَّاحِبِ  
وَمَنْ كَيْنَ مِثْلَ عَلِيٍّ رَقْدًا      رَدَّتْ لَهُ الشَّمْسُ مِنَ الْغَرْبِ  
رَدَّتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ فِي ضَوْئِهَا      بَيِّضًا كَأَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تَغْرِبْ

”ابن ابی طالبؑ کی محبت کے بغیر کسی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ وہ رسولؐ خدا کا بھائی، بلکہ ان کا داماد ہے۔ داماد دوست کی مانند نہیں ہوتا۔ علیؑ جیسا کون ہو سکتا ہے جب کہ اس کے لیے مغرب سے سورج کو پلٹایا گیا ہے۔ سورج ایسی چمک کے ساتھ اُس کے لیے پلٹا گویا کہ وہ غروب ہی نہ ہوا ہو۔“

اس حدیث کا دوسرا مورد ملاحظہ فرمائیں۔

رسولؐ خدا اُم سلیم (انس کی والدہ) کے گھر تحریف لے جاتے تھے اور اس سے باتیں کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا:

یا اُم سلیم ان علیاً لحمہ من لحمی ودمہ من دمی وھو منی  
بمنزلۃ ہارون من موسیٰ

”اے اُم سلیم! علیؑ کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور اس کا خون میرے خون سے ہے اور اسے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی۔“

یہ روایت کنز العمال اور مسند احمد میں مرقوم ہے۔  
اس حدیث کا ایک اور مورد ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دن حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابھییدہ بن الجراح رسولؐ خدا کے حضور موجود تھے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ حضرت علیؑ کا تکیہ لیے ہوئے تھے۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کے دو شانوں پر ہاتھ مارا، پھر فرمایا:

یا حل انت اَوَّلُ المؤمنین ایسانا واولہم اسلاما وانت منی  
بمنزلۃ ہارون من موسیٰ.....

”اے علیؑ! تو ایمان و اسلام میں سب سے اَوَّل ہے اور تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔“

ایم الدار آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اور دوسری مواخات کے موقع پر بھی آپؐ نے یہ حدیث بیان کی تھی اور جس دن آنحضرتؐ نے صحابہ کے دروازے بند کیے تھے اُس دن بھی آپؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔  
مزید تفصیل کے لیے المرجعات اور الفدیہ کا مطالعہ فرمائیں۔



## نیم و علیٰ میں مواخات

عربی زبان کا اصول ہے کہ جب کوئی ایک چیز دو چیزوں کو جمع کرے تو ایک کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے کا بھائی ہے، مثلاً ایک انسان کے ساتھ عربیت جمع ہوتی ہے تو اُسے یَا اخَا العرب کہہ کر پکارا جاتا ہے اور جب کسی شخص کے ساتھ فارسیت جمع ہوتی ہے تو اُسے عربی زبان میں یَا اخَا الفرس کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ جب کسی شخص کے ساتھ یہودیت جمع ہو جائے تو اُسے ”اَخَا الیہود“ کہا جاتا ہے، اور جب قبیلہ کسی شخص کے ساتھ جمع ہو جائے تو اُسے اس قبیلہ کا ”اَخ“ کہہ کر صدا دی جاتی ہے۔ مثلاً بنی کندہ سے تعلق رکھنے والے انسان کو ”یَا اخَا کِنْدَہ“ کہہ کر بلایا جاتا ہے اور اگر کسی شخص کا تعلق بنی تمیم سے ہو تو اُسے یَا اخَا تمیم کہہ کر آواز دی جاتی ہے۔

اس طرح سے اُدیان و قبائل کی نسبت سے لوگوں کو اُن کا ”اَخ“ کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ اگر دو بھائی ہوں جن کا والد اور والدہ ایک ہوں یا صرف والد مشترک ہو یا صرف ماں مشترک ہو تو ان دونوں کو لفظ ”اَخوان“ (دو بھائی) سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ انھیں والدین یا صرف والد یا صرف والدہ جمع کرتے ہیں۔

اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ

”مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔“

مقصد یہ ہے کہ ان سب کا مبدا ایک ہے اور وہ مبدا ایمان ہے۔ اخوت اور بھائی چارے کے لیے ہم نے یہ سرسری گفتگو کی ہے اور قرآن اور عرف عام سے اس کی تصدیق

ہوتی ہے۔ بعض اوقات اخوت کے بہت سے اسباب بیک وقت جمع ہو جاتے ہیں تو اس سے اخوت میں مزید قوت اور قربت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً بعض اوقات قوم قبیلہ ایک ہوتا ہے اور دین ایک ہوتا ہے اور دو افراد میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔

بلاذری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اِنَّا الْيَوْمَ مَنَّوْنَا اِخْوَةً (مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں) کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ اور صحابیات میں بھائی چارہ قائم کیا۔ یہ بھائی چارہ طبائع اور عادات کو مد نظر رکھ کر قائم کیا گیا تھا۔ جن افراد کی عادات و طبائع ایک دوسرے سے مشابہ تھیں انھیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا۔ چنانچہ حضور سرور کائناتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کا بھائی بنایا اور حضرت عثمانؓ کو عبدالرحمنؓ کا بھائی بنایا اور سعد بن ابی وقاصؓ کو سعید بن زیدؓ کا بھائی بنایا اور طلحہ کو زبیرؓ کا بھائی بنایا اور ابو سعیدؓ کو سعد بن محاذؓ کا بھائی بنایا اور مصعب بن عمیرؓ کو ابوالجواب انصاریؓ کا بھائی بنایا اور ابوذر غفاریؓ کو ابن مسعودؓ کا بھائی بنایا اور سلمانؓ کو حذیفہؓ کا بھائی بنایا اور حمزہؓ کو زید بن حارثہؓ کا بھائی بنایا اور ابوالدرداءؓ کو بلالؓ کا بھائی بنایا اور جعفر طیارؓ کو محاذ بن جبلؓ کا بھائی بنایا اور مقدادؓ کو عمارؓ کا بھائی بنایا اور حضرت بی بی عائشہؓ کو حفصہؓ کی بہن بنایا اور بی بی زینب بنت جحشؓ کو میمونہؓ کی بہن بنایا اور ام سلمہؓ کو صفیہؓ کی بہن بنایا۔ اس طرح سے آپؐ نے تمام صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر مزید فرمایا:

انت اخي وانا اخوك يا علي

”اے علی! تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں۔“

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؓ کو کسی صحابی کا بھائی نہ بنایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے اپنے اصحاب کو تو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے، لیکن آپؐ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا؟

رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَخِي اَمَّا تَرٰطِي اَنْ تُدْعَى اِذَا رُحِيتُ وَتُكَلِّمِي اِذَا كُسِيتُ

وَتَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِذَا دَخَلْتُ

”کو میرا بھائی ہے کیا تو اس امر پر راضی نہیں کہ جب مجھے بلایا جائے گا تو تجھے بھی روزِ حشر میرے ساتھ بلایا جائے گا اور جب مجھے جلتی لباس پہنایا جائے گا تو تجھے بھی جلتی لباس پہنایا جائے گا اور جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو تو بھی جنت میں داخل ہوگا۔“

یہ سن کر حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب میں راضی ہوں۔  
کتابِ مناقب آلِ ابی طالبؓ میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے موخر کیا تھا۔

أَنْتَ أَخِي وَأَنَا أَخُوكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

”آپؐ میرے بھائی ہیں اور میں آپؐ کا دنیا اور آخرت میں بھائی ہوں۔“

حضرت علیؓ نے جب یہ سنا تو فریادِ مسرت سے رونے لگے اور آپؐ نے یہ اشعار کہے۔

أَمِيتَكَ بِنَفْسِي أَيُّهَا الْمُصْطَفَى الَّذِي	هَذَا نَا بِهِ الرَّحْمَنُ مِنْ عَمِهِ الْجَهْلُ
وَأُمْدِيكَ حَوْبَاتِي وَمَا قَدَّرَ مُهْجَتِي؟	لَيْسَ أَنْتَنِي مِنْهُ إِلَى الْفَرَعِ وَالْأَصْلُ
وَمَنْ صَبَّنِي مَدْ كُنْتُ طِفْلاً وَيَافِئاً	وَأَنْعَشَنِي بِالنَّبَرِ وَالْعَلَقِ وَالنَّهْلُ
وَمَنْ جَدَّاهُ جَدِّي وَمَنْ عَمُّهُ عَمِّي	وَمَنْ أَهْلُهُ أُمِّي وَمَنْ بَنَتْهُ أَهْلِي
وَمَنْ حِينَ أَخِي بَيْنَ مَنْ كَانَ حَافِئاً	دَعَانِ وَأَخَانِ وَبَيْنَ مَنْ قُضِلَ
لَكَ الْفَضْلُ إِنْ مَا حَيِّتُ نَشَاكِرُ	لِاتِّبَامِ مَا أَدْلَيْتُ يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ

”خدا کی پسندیدہ شخصیت، خدا نے جس کے ذریعے سے ہمیں جہالت کے گھپ اندھیروں سے بچایا ہے میں آپؐ پر اپنی جان فدا کر دوں گا۔  
میں اپنی روح آپؐ پر قربان کر دوں گا اور اُس کے سامنے میری محبت کی قدر و قیمت ہی کیا ہے جس کے فرع اور اصل کی طرف میں منسوب ہوتا ہوں۔ جس نے مجھے بچھن اور لڑکھن میں اپنے سینے سے چمٹایا ہے اور مجھ پر مسلسل اپنی نیکیوں کی برسات برساتی ہے۔“

جس کا دادا میرا دادا ہے اور جس کا چچا میرا چچا ہے، جس کے خاندان کی قرابت دار خاتون میری والدہ ہے اور جس کی صاحبزادی میری زوجہ ہے۔ میری جان اُس پر قربان، جس نے حاضرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو مجھے پکارا اور مجھے اپنا بھائی بنایا اور میری فضیلت بیان کی۔ جب تک میں زندہ رہوں گا جب تک آپ کا ہلکے گزار رہوں گا۔ اے خاتم الرسل! آپ نے انعامات کی جو تکمیل کی ہے اس کے لیے میں آپ کا ہلکے گزار رہوں گا۔“

ان کے علاوہ بھی حضرت علیؑ سے حسب ذیل اشعار بھی منقول ہیں:

أَنَا أَخُو الْمُصْطَفَى لَا شَكَّ فِي نَسَبِي

مَعَهُ رُبِّيْتُ أَسْبَطَاةً هُنَا وَلَدِي

”میں مصطفیٰ کا بھائی ہوں، میرے نسب میں کوئی شک نہیں ہے۔ میری پرورش اُن کے پاس ہوئی ہے اور اُن کے نواسے میرے فرزند ہیں۔“

آپؐ نے اس عنوان پر یہ شعر بھی فرمایا تھا۔

مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ أَخِي صَهْرِي

وَحَزَنًا سَيِّدُ الشَّهَدَاءِ عَمِي

”محمد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بھائی اور میرے شہر ہیں اور سید الشہداء

حضرت حمزہؓ میرا چچا ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اخوت نسبی نہیں، کیونکہ نبی و ولی کے والدین جدا جدا تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی اخوت کا اعلان کر کے ان کی فضیلت و منزلت پر نص فرمائی تھی اور مسلمانوں کو یہ بتایا تھا کہ علیؑ تمام مسلمانوں کے امام ہیں، لہذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کوئی اُن پر سبقت حاصل کرے یا اُن پر حکومت قائم کرے۔

حضرت علیؑ پوری زندگی نبی کے بھائی ہونے پر فخر کرتے تھے اور آپؐ اکثر یہ کہا کرتے تھے:

أَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَأَخُو رَسُولِ اللَّهِ وَأَنَا الصِّدِّيقُ الْأَكْبَرُ وَالْفَارُوقُ  
الْأَعْظَمُ لَا يَقُولُهُ غَيْرِي إِلَّا كَذَّابٌ

”میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر اور  
فاروق اعظم ہوں اگر میرے علاوہ کوئی یہ دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔“

آنحضرت ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کی اخوت کے بارے میں اتنی روایات منقول ہیں کہ  
ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ علمائے اہل سنت نے اس حدیث کی توثیق کی ہے اور ہر دور کے شعراء  
نے اس مضمون کو اپنے قصائد میں بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس حدیث کے چند مصادر  
نقل کرتے ہیں:

### حدیث اخوت کے مصادر

- |  |                                      |
|--|--------------------------------------|
| ۱ جامع الترمذی، جلد ۲/۲۱۳              | ۲ مصابیح البخاری، ج ۲/۱۹۹            |
| ۳ مستدرک حاکم، جلد ۳/۱۳                | ۴ الاستیعاب، جلد ۲/۳۶۰               |
| ۵ تیسیر الوصول، جلد ۳/۲۷۱              | ۶ مشکوٰۃ المصابیح المرقاة، جلد ۵/۵۶۹ |
| ۷ الریاض النضرۃ، جلد ۲/۱۶۷-۲۱۲         | ۸ الفصول المهمۃ، ص ۲۲-۲۹             |
| ۹ تذکرۃ سبط ابن جوزی، ص ۱۳-۱۵          | ۱۰ کفایۃ الکفی، ص ۸۲                 |
| ۱۱ السیرۃ النبویۃ ابن سید الناس، جلد ۱ | ۱۲ تاریخ ابن کثیر، جلد ۷/۳۳۵         |

ص ۲۰۰-۲۰۳

- |  |                             |
|--|-----------------------------|
| ۱۳ اعلیٰ المطالب جزئی، ص ۹                   | ۱۴ مطالب المستول، ص ۱۸      |
| ۱۵ الصواعق المحرقة، ص ۷۳-۷۵                  | ۱۶ تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۳     |
| ۱۷ الاصابہ، جلد ۲/۵۰۷                        | ۱۸ المواقف، جلد ۳/۲۷۶       |
| ۱۹ شرح مواہب، جلد ۱/۳۷۳                      | ۲۰ طبقات شعرائی، جلد ۲/۵۵   |
| ۲۱ تاریخ القرمانی بر حاشیہ الکامل، جلد ۱/۲۱۶ | ۲۲ سیرت حلبیہ، جلد ۱/۲۳-۱۰۱ |
| ۲۳ سیرت نبویہ، زینی وطان، جلد ۱/۳۲۵          | ۲۴ کفایۃ، شتیعی، ص ۳۳       |



۴۵ الامام علی بن ابی طالب، استاد عبدالفتاح ۴۶ الامام علی بن ابی طالب، استاد محمد رضا، ص ۲۱  
عبدالمتعود، ص ۷۳

- ۴۷ تاریخ ابن عساکر، جلد ۶/۲۰۱  
۴۸ کنز العمال، جلد ۶/۳۹۰  
۴۹ تاریخ ابن ہشام، جلد ۲/۱۲۳  
۵۰ الفتاویٰ الحدیثیہ، ص ۴۲  
۵۱ تاریخ خطیب، جلد ۱۲/۲۶۸  
۵۲ مستند احمد، جلد ۱/۲۳۰  
۵۳ الامتاع، مقریزی، ص ۳۳۰  
۵۴ الحسن والسادی، جلد ۱/۳۱  
۵۵ مجمع الزوائد، جلد ۹/۱۱۱  
۵۶ مناقب خوارزمی، ص ۸۷  
۵۷ فیض القدر، جلد ۱۳/۳۵۵  
۵۸ حلیۃ الاولیاء، جلد ۱/۶۷  
۵۹ مصباح المظالم، جلد ۲/۵۶  
۶۰ شرح ابن ابی الحدید، جلد ۲/۳۳۹  
۶۱ فرائد السمطين، باب اول، ص ۳۰-۵۰  
۶۲ نزہۃ المجالس، جلد ۲/۲۴۱  
۶۳ ذخائر العقبی، ص ۹۱  
۶۴ تاریخ بغداد، جلد ۱۱/۱۱۲  
۶۵ خصائص نسائی، ص ۳۲  
۶۶ سنن ابن ماجہ، جلد ۱/۵۷  
۶۷ المعتمد الفرید، ص ۲۷۵  
۶۸ تاریخ طبری، جلد ۲/۳

### سورۃ برات کی تبلیغ

جب آنحضرت ﷺ پر سورۃ توبہ (برأت) نازل ہوئی تو رسول خدا نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ یہ آیات لے کر مکہ جائیں اور حج کے اجلاس میں یہ آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سورہ کی ابتدائی دس آیات اُن کے سپرد کی تھیں۔ ان آیات میں تمام معاہدوں کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔

جب حضرت ابوبکرؓ ذی الحلیفہ (مدینہ طیبہ کا موجودہ میقات) پر پہنچے تو جبریل امینؑ نازل ہوئے تو انہوں نے آپؐ کو خدا کی طرف سے یہ پیغام سنایا کہ ان آیات کی تبلیغ آپؐ

کی طرف سے صرف علی ہی کریں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں اپنی مخصوص اونٹنی ”ہاتھ مہمباہ“ پر سوار کیا اور فرمایا: اے علی! آپ جاؤ اور ابوبکر سے ملیں اور اُن سے وہ آیات لے کر مکہ جائیں اور حج کے اجتماع میں یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تیزی سے روانہ ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے آپؓ کو دیکھا تو پریشان ہوئے اور پوچھا: اے ابوالحسن! آپؓ کیسے آئے ہیں؟ کیا آپؓ میرے ساتھ چلیں گے یا کوئی اور مقصد ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے ملوں اور آپ سے سورۃ توبہ کی آیات لے کر مکہ میں مشرکین سے کیے گئے معاہدے کے ختم ہونے کا اعلان کروں۔ رسول خداؐ نے آپؐ کو یہ اختیار دیا ہے کہ آپؐ چاہیں تو میرے ساتھ سفر کریں اور اگر نہ چاہیں تو آپؐ آنحضرتؐ کے پاس مدینہ چلے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں رسول خداؐ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ واپس آئے اور رسول خداؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے مجھے ایسے کام کا اہل سمجھا تھا جو اتنا عظیم ہے کہ اس کے حصول پر لوگوں کی گردنیں میری طرف بلند ہوئی تھیں، لیکن جب میں روانہ ہوا تو آپؐ نے مجھ سے وہ ذمہ داری واپس لے لی تو کیا میرے متعلق قرآن کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟

حبیبہ خدا ﷺ نے فرمایا: نہیں، خدا کی طرف سے جبریلؑ میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مجھے خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ اس پیغام کی تبلیغ یا تو آپؐ خود کریں یا وہ مرد کرے جو آپؐ میں سے ہو۔ علیؓ مجھ سے ہے اسی لیے میری طرف سے علیؓ ہی یہ پیغام پہنچا سکا ہے۔

مقریزی نے ”الامتاع“ میں لکھا ہے کہ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ اگر اُن کا سردار کوئی معاہدہ کرتا تو پھر معاہدہ توڑنے کا اعلان وہ خود کیا کرتا تھا یا پھر اُس کی طرف سے وہ شخص یہ اعلان کرتا تھا جو رشتہ میں اس کے انتہائی قریب ہوتا تھا۔

حضرت علیؓ نے ہی مشرکین سے معاہدہ کیا تھا، اسی لیے رسول خدا نے سورۃ برأت کی آیات انھیں دے کر بھیجا تھا۔

حافظ ابو عبد اللہ نے اپنی اسناد سے زید بن نفیع سے روایت نقل کی ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے پوچھا: آپؓ نے مکہ جا کر کون سے اعلانات کیے تھے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے چار اعلانات کے لیے بھیجا گیا تھا۔

① کوئی شخص حرمیاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

② اس سال کے بعد مسجد الحرام میں مشرکین کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

③ جس کا رسول خدا سے معاہدہ ہوا ہے تو وہ معاہدہ اس عرصہ کے لیے قابل قبول ہوگا، جتنا کہ اس کی مدت مقرر کی گئی تھی۔

④ جن قبائل کے ساتھ معاہدہ نہیں ہے تو انھیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ مکہ پہنچے اور اجتماع حج میں آپؓ نے جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تھا:

”لوگو! میں رسول خدا کا نمائندہ بن کر آیا ہوں اور اُن کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ کسی بھی کافر کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اور کوئی بھی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا، کوئی بھی شخص حرمیاں ہو کر طواف نہیں کرے گا۔“

جس کا رسول خدا سے معاہدہ ہے تو وہ معاہدہ چار ماہ بعد باقی نہیں رہے گا اور جس کا کوئی معاہدہ ہی ملے نہیں ہے تو اسے حرمت والے مہینوں کے اختتام تک کی مہلت حاصل ہوگی۔“

آپؓ نے لوگوں کے سامنے سورۃ برأت کی آیات کی تلاوت کی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؓ نے حیرہ آیات کی تلاوت کی تھی۔

روایات بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے یہ اعلان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بیزار ہے تو اس اجتماع میں موجود مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں بھی حیرے اور حیرے ابنِ م

کے معاہدے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس روایت کا دوسرا انداز

بحار الانوار میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:  
جب رسول خدا ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو سورۃ براہ کی ابتدائی آیات دے کر مکہ  
کی طرف روانہ کیا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انھوں نے کہا:  
”محمدؐ اللہ آپؐ کو حکم دے رہا ہے کہ آپؐ اُسے نہ سمجھیں، اس کے بجائے علی بن ابی طالبؑ  
کو سمجھیں اور علیؑ کے علاوہ اور کوئی بھی آپؐ کا نمائندہ بن کر پیغام نہیں پہنچا سکتا۔  
نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ آپؐ نے اُن سے ملاقات  
کی اور اُن سے وہ صحیفہ لے لیا جس میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں اور انھوں نے حضرت  
ابوبکرؓ سے کہا: آپؐ نبی اکرمؐ کے پاس واپس چلے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا میرے متعلق کوئی خاص حکم نازل ہوا ہے؟  
حضرت علیؑ نے فرمایا: رسول خدا ﷺ آپؐ کو اس سے آگاہ کریں گے۔  
حضرت ابوبکرؓ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا  
آپؐ سمجھتے ہیں کہ میں یہ پیغام نہیں پہنچا سکتا؟  
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَبَى اللَّهُ أَنْ يُؤَدِّيَهَا إِلَّا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

”علیؑ کے پہنچانے کے بغیر خدا اوروں سے انکار کرتا ہے۔“

حضرت ابوبکرؓ نے اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ سے طویل گفتگو کی۔ آپؐ نے  
فرمایا: تم اس پیغام کو کیسے پہنچا سکتے ہو جب کہ تم تو میرے رفیقِ غار ہو۔

حضرت علیؑ چلے یہاں تک کہ آپؐ مکہ آئے اور عرفات پہنچے۔ پھر وہاں سے مزدلفہ  
آئے اور وہاں سے منیٰ آئے۔ آپؐ نے رمی جمرات کے بعد قربانی کی اور سر منڈوایا۔ پھر گھائی  
کے پاس آئے، بلند جگہ پر کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے تین بار زور زور سے پکار کر یہ کہا:

”لوگو! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ میں خدا کے رسولؐ کا نمایندہ ہوں۔“  
 پھر آپؐ نے بَرَاءُ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ..... سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک کی نو آیات پڑھ کر سنائیں۔

پھر آپؐ نے اپنی تلوار کا اشارہ کیا۔ وہ آیات دوبارہ پڑھیں۔  
 لوگ کہنے لگے: یہ اعلان کون کر رہا ہے؟  
 جو آپؐ کو پہچانتے تھے انہوں نے کہا: یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔  
 یہ عمرؓ کا ابن عمؑ ہے۔ ان کے علاوہ کسی میں جرأت نہ تھی کہ وہ ایسا اعلان کرتا۔  
 آپؐ نے تشریق کے تین دن مٹی میں برکیے اور صبح و شام یہی پیغام سنایا۔  
 وہاں پر موجود مشرکین نے کہا: جب یہاں سے اپنے ابن عمؑ کے پاس جاؤ تو ہماری طرف سے انہیں پیغام دینا کہ ہماری طرف سے تمہارے لیے حیر اور تلوار کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں ہے۔

حضرت علیؑ اس کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علیؑ کے متعلق آنحضرتؐ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپؐ اتنے متکبرانہ ہوئے کہ آپؐ کے چہرے سے غم چلنے لگا تھا اور آپؐ نے اپنی ازدواج کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔  
 لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ان کی موت کی اطلاع مل چکی ہے یا پھر وہ بیمار ہیں۔

لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے کہا: تمہیں بارگاہِ نبوت میں بڑا مقام حاصل ہے اور آپؐ دیکھ رہے ہیں کہ حضورؐ بہت افسردہ ہیں، لہذا تم آنحضرتؐ سے براہِ راست گفتگو کر کے یہ معلوم کرو کہ معاملہ کیا ہے؟

حضرت ابوذر غفاریؓ نے رسولؐ خدا سے آپؐ کی پریشانی کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: نہ تو خدا کی طرف سے مجھے میری جلد موت کی اطلاع دی گئی ہے، اگرچہ مجھے بھی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور نہ ہی میں بیمار ہوں۔ میں صرف علیؑ کے متعلق پریشان ہوں۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ خدمتِ پیغمبرؐ میں پہنچے اور عرض کیا: مجھے کہیں جانا ہے، اس کے

لیے اجازت چاہتا ہوں۔

نبی اکرمؐ نے اجازت دی۔ حضرت ابوذرؓ سیدھا مکہ کے راستے کی طرف چلے گئے۔ آپؐ نے دُور سے دیکھا کہ ایک شخص اُٹنی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف چلا آ رہا ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے دل ہی دل میں کہا کہ خدا کرے کہ یہ علیؑ ہوں۔ جب ناقہ سوار قریب آیا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے۔ حضرت ابوذرؓ آپؐ سے ملے اور عرض کیا: آپؐ وہی وہی رفتار سے آئیں میں آپؐ سے پہلے جا کر رسولؐ خدا کو آپؐ کی آمد کی اطلاع دیتا ہوں۔

چنانچہ حضرت ابوذرؓ آئے اور کہا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ کو مبارک ہو۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: کس بات کی مبارک دے رہے ہو؟

حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: علیؑ پہنچ چکے ہیں اور تمھوڑی ہی دیر میں مدینہ پہنچنے والے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے حضرت ابوذرؓ کو جنت کی بشارت دی۔

نبی اکرمؐ ﷺ نے صحابہ کو ساتھ لیا اور حضرت علیؑ کا استقبال کیا۔ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی تعظیم کے لیے ناقہ سے اترے۔ الغرض بھائی نے بھائی کو گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ (حدائق الغرض الروایۃ)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: ایام حج میں حضرت علیؑ نے مکہ میں تلوار کا سہارا لے کر یہ اعلان کیا تھا:

○ کوئی بھی شخص عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

○ آئندہ کوئی بھی مشرک حج نہیں کرے گا۔

○ جس کے ساتھ معاہدہ کی مدت طے ہے تو اُس کے ساتھ طے شدہ

مدت تک معاہدہ قائم رہے گا اور جس کے ساتھ معاہدہ کی مدت طے نہیں

ہے، اسے چار ماہ کی مہلت دی جائے گی۔

مسند موصلی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے اس اعلان میں یہ بھی کہا

تھا کہ ”جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا۔“

قارئین کرام! عجیب اتفاق ہے کہ اذانِ حج حضرت ابراہیمؑ نے دی تھی جیسا کہ

قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ نَفِی النَّاسَ بِالنَّحِیِّ

”آپؐ لوگوں میں حج کی اذان دیں۔“

اور حج کی دوسری اذان وہ ہے جس کے متعلق خدا نے فرمایا:

وَإِذْ نَفِی النَّاسَ بِالنَّحِیِّ یَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ.....

”اللہ اور رسولؐ کی طرف سے حج اکبر کے دن یہ منادی کی جاتی ہے کہ اللہ

اور اُس کا رسولؐ مشرکین سے بے زار ہیں۔“

پہلی اذان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی اور دوسری اذان حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی

اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بت توڑے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی بت توڑے تھے۔

سدی، ابو مالک، امین عباس اور امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اِذَا نَفِی النَّاسَ

اللہ..... کی آیت میں لفظ ”اذان“ سے خود حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں اور آپؐ نے یہ منادی تھی۔



## علیؑ نے بت توڑ کر کعبہ کو پاک کیا

ابوبکر شیرازی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کہ مجھ سے جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے وقت ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت بیت اللہ اور اس کے گرد و پیش تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا: سب منہ کے بل زمین پر گرے۔ بیت اللہ کی چھت پر ایک ”ہبل“ نامی بڑا بت نصب تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اے علیؑ! آپ میرے کندھوں پر سوار ہو جائیں اور ان بتوں کو توڑ دیں یا میں تمہارے کندھے پر سوار ہو کر انہیں توڑتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ سوار ہو جائیں۔ جب رسول خدا سوار ہوئے تو حضرت علیؑ کو اتارنا بوجھ محسوس ہوا کہ وہ اٹھ نہ سکے۔

اس وقت آپؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سوار ہوتا ہوں۔ رسول خدا مسکرا اٹھے اور آپؑ نے اپنی پشت بھٹائی اور حضرت علیؑ سوار ہو گئے۔

حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں: اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو شکافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا۔ میں دوش نبیؑ پر سوار ہو کر اتنا بلند ہوا کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کے تارے توڑ سکتا تھا۔ میں نے کعبہ کی چھت سے ہبل کو گرایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ..... (بنی اسرائیل: آیت ۸۱)  
”حق آگیا اور باطل بھاگ گیا.....“



احمد بن حنبل اور ابو بکر خلیب نے اپنے اپنے اسناد سے حضرت علیؑ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مجھے لے کر اُمنام کے پاس آئے اور فرمایا: اے علیؑ! بیٹھ جاؤ۔ میں کعبہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

رسول اکرمؐ میرے کندھے پر سوار ہوئے پھر فرمایا: اے علیؑ! اٹھو مجھے بت کے پاس لے چلو۔ میں اٹھا لیکن آپؐ نے میری کمزوری کو بھانپ لیا تو بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں نیچے بیٹھا۔ آپؐ میرے کندھے سے اتر کر خود بیٹھ گئے اور مجھے فرمایا: اے علیؑ! اب تم میرے کندھے پر سوار ہو جاؤ۔

میں آپؐ کے کندھے پر سوار ہوا۔ آنحضرتؐ نے مجھے اٹھایا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں آسمان کے اتنا قریب ہو چکا ہوں کہ اگر چاہوں تو اُسے ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ میں کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور میں نے قریش کے بڑے بت کو زمین پر گرا دیا۔ وہ بت تانے سے بنا ہوا تھا اور زمین پر لوہے کی میخوں سے اُسے مضبوطی سے نصب کیا گیا تھا۔

### فتح مکہ سے پہلی کی بت شکنی

رسول اکرم ﷺ اور حضرت علیؑ نے اس سے پہلے بھی مکہ کی بت شکنی کی تھی۔ اس واقعہ کو اسماعیل بن محمد کوفی نے ایک طویل خبر کے ضمن میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک بت بیت اللہ کی چھت پر نصب تھا۔ ایک مرتبہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! آؤ چلیں، بیت اللہ سے اس بت کو گرا میں۔ چنانچہ دونوں بزرگوار رات کے وقت گئے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: یا علیؑ! تم میری پشت پر سوار ہو جاؤ۔

اس وقت کعبہ کی بلندی چالیس ہاتھ تھی۔ رسول خداؐ نے انھیں اٹھایا اور پوچھا: کیا آپ پہنچ گئے ہیں؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم، جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر میں اس وقت آسمان کو بھی ہاتھ لگانا چاہوں تو بھی لگا سکتا ہوں۔

جہت پر چڑھ کر حضرت علیؑ نے بت کو پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ وہ کھڑے کھڑے ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت علیؑ نے کعبے کے پرئالہ سے چٹ کر چھلانگ لگائی اور کھڑے ہو کر بنے لگے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علیؑ! ہمیشہ بچے رہو، کیوں بنے ہو؟  
حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تعجب کی وجہ سے ہنسا ہوں، میں نے اتنی بلندی سے چھلانگ لگائی، لیکن مجھے کوئی چوٹ تک نہ آئی۔  
رسول خداؐ نے فرمایا: چوٹ کیسے لگتی تھیں بلند کرنے والا محمدؐ تھا اور اُتارنے والا جبریلؑ تھا۔

علیؑ رسول خدا کو کیوں نہ اٹھا سکے؟

علل الشرائع اور جامع الاخبار میں امیر مدینہ محمد بن حرب ہلالی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:  
فرزند رسول! میرے دل میں ایک مسئلہ جھپٹا رہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپؑ سے وہ مسئلہ دریافت کروں۔

آپؑ نے فرمایا: تم اپنا سوال خود بیان کرو گے یا میں بیان کروں؟  
میں نے عرض کیا: آپؑ میرے دل کی بات کیسے جان سکتے ہیں؟  
آپؑ نے فرمایا: میں اپنی زیر کی اور فراست سے جان لیتا ہوں۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّبِينَ ○ (سورہ حجر: آیت ۷۵)

”اس میں فہم و فراست رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ

”مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ساتھ نظر کرتا ہے۔“

میں (سائل) نے کہا کہ پھر بتائیے کہ میں آپؑ سے کیا پوچھنا چاہتا ہوں؟

امام علیؑ نے فرمایا: تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ کو کیوں اٹھانہ سکے تھے جب کہ رسول اکرمؐ گدھے، گھوڑے اور اونٹ پر بھی تو سوار ہوتے تھے اور وہ جانور آپؐ کو اٹھاتے تھے۔ حضرت علیؑ تو انتہائی طاقت ور انسان تھے؟

بھراپؑ نے فرمایا: ہاؤ، تم بھی مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے؟

سائل نے کہا: جی ہاں مولانا۔ میں بھی مسئلہ دریافت کرنے کا خواہش مند تھا۔

امام علیؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ اتنے طاقتور تھے کہ انھوں نے باپ خیر اکھاڑا تھا اور اس دروازے کو پھیکا تو وہ چالیس ہاتھ کے قاصلے پر جاگرا۔ وہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ اُسے چالیس انسان بھی اٹھانے سے قاصر تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے رسولؐ کے ذریعے سے شرف حاصل کیا تھا اور انہی کے ذریعے سے ہی انھیں بلندی ملی تھی اور وہ اس قابل ہوئے تھے کہ وہ شرک کی آگ بجھائیں اور ہر معبود باطل کا قلع قمع کریں۔

اگر علیؑ نبیؐ کو اٹھا لیتے اور نبیؐ بت توڑتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبیؐ کو علیؑ سے شرف ملا ہے، جب کہ معاملہ برعکس ہے۔ اور اگر علیؑ اٹھاتے تو علیؑ افضل قرار پاتے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت علیؑ پشت نبیؐ پر چڑھے تو ان کا اپنا بیان ہے کہ مجھے اتنی بلندی ملی کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کو بھی چھو سکتا تھا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ چراغ جو کہ روشنی دیتا ہے اُس کی فرع اُس کے اصل کی ہی مرہون منت ہوتی ہے۔<sup>①</sup>

حضرت علیؑ کا فرمان ہے:

أَنَا مِنْ أَحْسَنَ كَالْقَوْدِ مِنَ الْقَوْدِ

”میرا احسن سے وہی تعلق ہے جو کہ روشنی کا روشنی سے ہوتا ہے۔“

① سادہ ترین الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اکرمؐ اپنے ہی اصل ہیں اور حضرت علیؑ اُن کی فرع ہیں۔ سہمی ہی بات ہے کہ فرع (شاخ) اصل (جڑ) کو نہیں اٹھاتی، ہمیشہ اصل ہی فرع کو اٹھایا کرتی ہے۔ (اخلاص من العرجم)

حیدر کا ”دَر“ کھلا رہا اور باقی بند کر دیے گئے

بحار الانوار کی جلد نم میں امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ جب رسول خدا ﷺ نے مدینہ میں مسجد بنائی اور اُس کے دروازے کھولے، تو مہاجرین و انصار نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد میں کھول دیے۔

خدا نے چاہا کہ لوگوں کے سامنے اپنے حبیب اور اُن کی اہل بیتؑ کی شان کو واضح کرے۔ اس کے لیے حضرت جبریلؑ خدا کی طرف سے رسول اکرمؐ کے پاس پیغام لے کر نازل ہوئے کہ آپؐ ”لوگوں سے کہہ دیں کہ اُن کے جو دروازے مسجد میں کھلتے ہیں وہ ان سب دروازوں کو بند کر دیں، ورنہ اُن پر عذاب نازل کیا جائے گا۔“

رسول خدا ﷺ نے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ خدا نے ان دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا ہے لہذا آپ اپنا دروازہ بند کر دیں۔ پیغام پہنچانے والے معاذ بن جبل تھے۔

عباسؓ نے اپنا دروازہ بند کر دیا اور مسجد میں آئے۔ آپؐ نے وہاں دیکھا کہ حضرت زہراءؑ اپنے دونوں صاحبزادوں کو لے کر بیٹھی ہیں۔ عباسؓ نے کہا: بی بیؑ ایسے دکھائی دیتی ہیں جیسے کوئی شیرنی اپنے دونوں بچوں کو ساتھ لے کر بیٹھی ہوئی ہو۔ اور کیا بی بی یہ خیال کر رہی ہیں کہ رسول خدا اپنے چچا کا دروازہ تو بند کرادیں گے اور اپنے امین عم کا دروازہ کھلا رہے دیں گے؟

کچھ دیر بعد رسول اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا: جان پدرا آپؐ اس طرح سے تیاری کی حالت میں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟ حضرت سیدہؑ نے جواب دیا کہ میں خدا کے رسولؐ کے حکم کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: اللہ نے لوگوں کو دروازے بند کرنے کا حکم دیا ہے مگر اپنے رسولؐ اور نفس رسولؐ کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے۔

یہ حکم سننے کے بعد حضرت عمرؓ آئے اور انھوں نے عرض کیا: میں آپؐ کو دیکھنے کا مشتاق ہوں، جب آپؐ اپنے مصلیٰ کی طرف جاتے ہیں لہذا مجھے ایک کھڑکی کھلی رکھنے کی

اجازت دیں، تاکہ میں آپؐ کو دیکھ سکوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا نے اس بات کی اجازت نہیں دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اگر زیادہ نہیں تو مجھے اتنا سوراخ رکھنے کی اجازت دیں جس پر میں

اپنا منہ رکھ سکوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: پھر مجھے اتنے روزانہ دیوار کی اجازت دیں جہاں آنکھ رکھ کر میں

مسجد کا اندرونی منظر دیکھ سکوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: خدا نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی ہے اور اگر تم ایک سوئی

کے سوراخ کی بھی اجازت طلب کرو گے تو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے نہ تو تمہیں مسجد

سے نکالا ہے اور نہ انھیں مسجد میں رہنے دیا ہے۔ اس کی بجائے خدا نے تمہیں نکالا ہے اور

انھیں مسجد میں داخل کیا ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: جو شخص خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ

اس مسجد میں حالتِ جنابت میں رات بسر نہ کرے، البتہ محمدؐ، علیؐ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ اور

ان کی پاکیزہ اولاد اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

حدیث سدا لبواب بالفاظ دیگر

حذیفہ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ جب اصحاب رسولؐ مدینہ آئے تو ان کے پاس

رہائش کے لیے مکانات موجود نہ تھے، اس لیے وہ مسجد میں سوتے تھے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: تم مسجد میں رات بسر نہ کیا کرو، کیونکہ تمہیں احکام بھی ہو سکتا ہے۔

اس حکم کے بعد لوگوں نے مسجد کے گردا گرد تعمیر کیے اور ان کے دروازے مسجد میں

رکھے۔

رسولؐ خدا نے دروازے بند کرنے کے لیے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ اس نے سب سے

پہلے حضرت ابوبکر کو یہ پیغام دیا کہ رسول خدا حکم دیتے ہیں کہ تم مسجد سے نکل جاؤ اور اپنا دروازہ بند کر دو۔

حضرت ابوبکر نے کہا کہ حکم سر آکھوں پر۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے مسجد کو خیر باد کہا اور اپنا دروازہ بند کر دیا۔

پھر قاصد نے یہی پیغام حضرت عمر کو پہنچایا۔ انھوں نے بھی سچ و طاعت کہا البتہ یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک کھڑکی کی اجازت مل جائے۔

معاذ نے ان کا یہ پیغام رسول خدا کو پہنچایا مگر رسول خدا نے اجازت نہ دی۔ پھر معاذ نے یہی پیغام حضرت عثمان تک پہنچایا۔ ان کے پاس ان کی بیوی رقیہ بھی موجود تھی۔ انھوں نے بھی حکم پیغمبر کی اطاعت کی اور مسجد کو چھوڑ دیا اور اپنا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد معاذ بن جبل نے یہی پیغام حضرت حمزہؓ کو پہنچایا۔ انھوں نے کہا کہ خدا و رسول کا فرمان سر آکھوں پر۔ اس اثنا میں حضرت علیؓ تذبذب میں مبتلا رہے اور انھیں علم نہ تھا کہ ان کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے گا یا نہیں؟ رسول خدا نے حضرت علیؓ کے لیے اپنے گھروں کے درمیان ایک گھر بنوایا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم طاہر و مطہر ہو کر اس گھر میں رہو۔

حضرت حمزہؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت علیؓ کا دروازہ کھلا رہنے دیا گیا ہے۔ وہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے ہمیں تو مسجد سے نکال دیا ہے لیکن بنی عبدالمطلب کے لوگوں کو ٹھہرا لیا ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں تمہیں بھی نہ نکالتا۔ یہ منزلت اسے خدا نے بخشی ہے اور خدا اور اس کے رسول کی طرف سے آپ کا انجام بھلائی پر ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کی اس بشارت کا انھیں یہ ثمر ملا کہ انھیں جنگ احد میں شہادت کا تاج عطا ہوا اور وہ اس جنگ کے سید الشہداء قرار پائے۔

بہت سے لوگوں کو حضرت علیؓ کی رہائش ناگوار محسوس ہوئی اور اس کے لیے آپس میں چمکیاؤں کرنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کے اعتراضات کا علم ہوا تو آپؐ نے مسجد

میں خطبہ دیا:

”کچھ لوگوں کو اس بات کا شکوہ ہے کہ میں نے انہیں مسجد سے نکالا ہے اور علیؑ کو مسجد میں ٹھہرایا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے انہیں نہیں نکالا اور علیؑ کو مسجد میں نہیں ٹھہرایا۔ خدا نے ہی ایسا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو وحی فرمائی تھی:

أَنْ تَبُوءَ لِقَوْمِكُنَا بِيُؤْتَا وَ اجْعَلُوا بَيْنَكُمْ قَبْلَةً وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○ (سورہ یونس: آیت ۸۷)

”ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات مہیا کرو اور اپنے مکانوں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو بشارت دو۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ مسجد میں خود ان کے اور ان کے بھائی ہارونؑ اور ان کی اولاد کے علاوہ اور کوئی رہائش اختیار نہ کرے اور نہ ہی اس میں کوئی حقوق بشریت ادا کرے۔ لوگو! آگاہ رہو، علیؑ کو مجھ سے وہی مقام حاصل ہے جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھا۔ وہ میرا بھائی ہے۔ میری اس مسجد میں کسی کے لیے بیویوں سے زنا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ علیؑ اور اس کی اولاد اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ تم میں سے جسے یہ بات پسند ہو تو وہ یہاں رہے اور جسے ناگوار گزرے تو ادھر چلا جائے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے شام کی طرف اشارہ کیا۔“

حضرت علیؑ میں متضاد صفات پائی جاتی تھیں

ابن ابی الحدید نے ایک جامع گفتگو میں آپ کے کچھ فضائل کی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے:

امیر المؤمنین علیؑ میں متضاد صفات پائی جاتی تھیں، مثلاً جو شخص جگ کا پانسہ پلٹنے والا

ہو تو وہ شخص سنگ دل، سفاک اور جابر قسم کا انسان ہوتا ہے۔

اور جو شخص دنیا سے لاتعلقی ہو اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہو اور انھیں موت یاد دلا کر برائیوں سے منع کرتا ہو تو ایسا شخص نرم مزاج اور رقیق القلب ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کی متضاد ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت علیؓ میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔

وہ افراد جو جنگی سوراہے میں ہیں اور دشمنوں کے خون کی ندیاں بہاتے ہیں تو ان میں وحشی اور درندوں کی سی اوصاف پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس تارک الدنیا اور زاہد مزاج افراد نرم مزاج ہوتے ہیں اور ان کے چہرے ہر وقت نفرت و وحشت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ سب سے بڑے بہادر تھے اور آپؐ جنگ میں خون کی ندیاں بہاتے تھے، مگر اس کے باوجود آپؐ پوری دنیا سے بڑے زاہد تھے اور دنیاوی زینوں سے دُور رہتے تھے اور آپؐ سب سے بڑے خلیق مبلغ تھے اور آپؐ سے بڑا عابد و زاہد آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود آپؐ "لطیف اخلاق کے مالک تھے۔ آپؐ کا چہرہ چودھویں کی شب کے مانند دکھتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ آپؐ میں وہ سخی اور تمکّن نہیں تھی، جو کہ خشک زاہدوں کا خاصہ ہے۔ آپؐ "ہنس مکھ انسان تھے۔ آپؐ کے دشمنوں نے آپؐ کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ آپؐ "ضرورت سے زیادہ خوش مزاج ہیں اور آپؐ میں حس مزاج پائی جاتی تھی۔"

دنیا میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو شخص اقتدار پر فائز ہو اور سردار ہو تو اس میں تکبر و عنوت آجاتی ہے اور جب کوئی شخص اعلیٰ نسب بھی رکھتا ہو تو پھر اس کے تکبر میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ امیر المومنین علیؓ کی ولادت ہی عظمت و شرف کے گمر میں ہوئی تھی۔ آپؐ کا ہر دوست و دشمن مانتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد آپؐ سے بڑھ کر کسی کو نسب کا انکار نہیں ملا۔ آپؐ کو صرف نسب کا شرف ہی حاصل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کو دیگر دینیوں شرف بھی حاصل تھے۔ ان تمام تر شرف و حکومت کے باوجود آپؐ ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے اور آپؐ "تکبر سے کوسوں دُور رہتے تھے اور عارفان حق کے سرخیل تھے۔



آپؐ کی زندگی کا ہر لمحہ منقبت سے بھرپور تھا خواہ وہ خلافت کا دور ہو یا اس سے پہلے کا زمانہ ہو۔ حکومت پا کر اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تھی اور اقتدار حکومت سے آپؐ کے اخلاق میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا تھا۔ ریاست پا کر آپؐ میں فرق کیونکر آتا؟ آپؐ تو روزِ اوّل سے ہی رئیس تھے؟ خلافت نے آپؐ کے شرف میں اضافہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ آپؐ کے لیے باعثِ زینت تھی۔

شیخ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: واضح رہے کہ ان کی تاریخ کا نام ”مستعجم“ ہے۔

شیخ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کی محفل میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کا تذکرہ ہوا۔ وہاں پر موجود افراد نے اس پر طویل گفتگو کی۔ امام احمد بن حنبل خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے، پھر انھوں نے حاضرین کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: ”تم لوگوں نے بڑی باتیں کیں۔ یاد رکھو! خلافت نے علیؓ کو زینت نہیں دی بلکہ علیؓ نے خلافت کو زینت دی تھی۔“

امام احمد کی گفتگو سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علیؓ کے علاوہ باقی جتنے بھی خلفاء آئے ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ کمی تھی، جس کی تلافی خلافت سے ہوئی تھی اور خلافت میں جو کوئی کمی تھی اس کی تلافی علیؓ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔

یاد رکھیں وہ لوگ جو بڑے دلیر ہوتے ہیں وہ رحم و درگزر سے بہت دور ہوتے ہیں، کیونکہ اُن میں قوتِ غضب بڑی شدید ہوتی ہے جب کہ امیر المومنینؓ اس لحاظ سے متضاد صفات کے مالک تھے۔ جب آپؐ رزم آرا ہوتے تو بہادریوں کے سر کاٹ کر گراتے تھے۔ جہاں چشمِ تاریخ نے آپؐ سے بڑا دلیر نہیں دیکھا وہاں آپؐ سے بڑا رحم دل اور صاف کرنے والا شخص بھی نہیں دیکھا۔ اس گفتگو کی صداقت کا ملاحظہ کرنا ہو تو دیکھیں کہ آپؐ نے جنگِ جمل فتح کرنے کے بعد لوگوں سے کس طرح کا سلوک کیا تھا؟



## علیؑ اور غدیر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا  
بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الْكَاذِبِينَ ○ (سورہ مائدہ: آیت ۶۷)

”اے رسول! جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ پر نازل کیا گیا  
ہے اُسے پہنچا دیجیے اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اللہ کا  
پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپؐ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔  
بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

ہماری آج کی گفتگو کا عنوان واقعہ غدیر ہے اور یہ عالم اسلام کا وہ واقعہ ہے جس کی  
وجہ سے خدا نے اپنے دین کو کامل کیا اور اہل اسلام پر اپنی نعمت کو تمام کیا۔ غدیر وہ عظیم دن  
ہے جب حضرت علیؑ کی خلافت عظمیٰ اور امامت کبریٰ کے لیے تاج پوشی کی گئی تھی۔

یاد رکھیں! یہ عالم اسلام کی اہم ترین بحث ہے اور ہمیں سے ہی اسلامی مذاہب ایک  
دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس عنوان پر بالخصوص امامت  
و خلافت کے عنوان پر بالعموم جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا ناممکن  
ہے اور ان کتابوں میں ہر طرح کی کتابیں شامل ہیں۔ کچھ کتابیں اثبات میں لکھی گئی ہیں اور  
کچھ تردید میں لکھی گئی ہیں اور کچھ مناظرہ اور مناقشہ کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔

چند صدیوں میں اس واقعہ اور اس کے متعلقات کے لیے عالم اسلام میں خون کے

دریا بہائے گئے ہیں اور انتہائی دردناک اور افسوس ناک واقعات کے پس منظر میں اسی واقعہ کی اثبات یا تردید شامل ہے۔

ہماری نظر میں امامت نبوت کی تالی ہے اور یہ وظیفۃ الہی ہے اور خدائی منصب ہے۔ اس میں کسی کو چناؤ یا مسترد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (سورۃ احزاب: آیت ۳۶)

”اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کریں تو انھیں اپنے معاملہ کا اختیار حاصل رہے۔“

مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے فدیر کا واقعہ بیان کیا جائے اور پھر اس کے ضمن میں اہل بیتؑ، صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین، محدثین، مفسرین اور مؤرخین، شعراء، ائمہ، اعلام و حفاظ کی گفتگو کا جائزہ لیا جائے۔

یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ کچھ نعرانیوں نے بھی اس واقعہ کو قلم و نثر میں بیان کیا ہے۔ ہم اپنی گفتگو میں اس طرف بھی مختصر سا اشارہ کریں گے۔

اس سلسلے کا سب سے تعجب خیز پہلو یہ ہے کہ کچھ علمائے کرام نے حدیث فدیر کے رجال، اسناد اور متن کے متعلق لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال اور متن میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس کے بعد انھوں نے نا انصافی کرتے ہوئے یہ لکھا: ”علی افضل تھے لیکن علی کا غیر زیادہ باصلاحیت تھا۔“

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر انصاف کا خون کیا جاسکتا ہے اور یہ وہ عجیب جملہ ہے جو کہ ہر مردہ ماں کو بھی ہنسانے کے لیے کافی ہے، کیونکہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کو گویا یہ علم ہی نہیں تھا کہ زیادہ صلاحیت رکھنے والا کون ہے؟ یا پھر اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ باصلاحیت فرد کو جانتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے غیر صلاحیت یافتہ فرد کو مقدم رکھا۔ ایسے باطل سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔

بہتر ہوگا کہ پہلے مختصر الفاظ میں واقعہ کو بیان کیا جائے، اس کے بعد پھر دیکھیں گے کہ

یہ گفتگو کہاں پر جا کر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں محدثین اور مفسرین کے بیانات میں اختصار و تفصیل کا فرق ضرور ہے، لیکن واقعہ ایک ہی ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے:

جب حبیبہؓ خدا ﷻ نے مناسک حج مکمل کر لیے اور آپؐ مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ آپؐ سفر کرتے ہوئے میقات جحفہ کے قریب مقام غدیر خم پر پہنچے۔

غدیر ایک چوراہا تھا اور یہاں سے ہی مدینہ، عراق، یمن اور مصر کے راستے جدا ہوتے تھے۔ جس دن آنحضرتؐ مقام غدیر پر پہنچے تو وہ اٹھارہ ذی الحج اور جمعرات کا دن تھا۔

جب آپؐ غدیر خم پر پہنچے تو جبریل امینؑ آپؐ پر یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ..... کی آیت لے کر نازل ہوئے اور آنحضرتؐ کو یہ پیغام پہنچایا کہ علیؑ کو لوگوں پر حجت قرار دیں اور اُن کی ولایت کا اعلان کریں اور ہر شخص پر اُن کی اطاعت کے واجب ہونے کو واضح کریں۔

اس وقت کچھ حجاج کرام آگے بڑھ کر جحفہ تک پہنچ چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جو آگے جا چکے ہیں انھیں واپس بلایا جائے اور جو پیچھے ہیں اُن کا انتظار کیا جائے۔ وہاں پر بھول کے پانچ درخت تھے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اُن کے نیچے کوئی نہ بیٹھے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو وہاں جھاڑو دیا گیا، پھر نماز ظہر کی اذان دی گئی۔

رسولؐ خدا نے اُن درختوں کے سائے میں نماز پڑھائی۔ اس دن شدید گرمی تھی اور حالت یہ تھی کہ کچھ لوگوں نے گرمی سے بچنے کے لیے اپنی چادر کا کچھ حصہ سر پر کیا تھا اور کچھ حصہ قدموں کے نیچے ڈالا ہوا تھا۔ رسولؐ خدا کے لیے ایک کیکر کے درخت پر چادر ڈال دی گئی تاکہ آپؐ سائے میں رہیں۔ آپؐ نے پالانوں کا منبر بنوایا اور بلند آواز سے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

”تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہم اُس سے مدد چاہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر توکل کرتے ہیں اور ہم اپنے نفوس کی برائیوں سے بچنے کے لیے خدا کی پناہ چاہتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے

بچنے کے لیے اسی سے درخواست کرتے ہیں۔ وہ جسے گمراہی میں چھوڑ دے اُس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے اور جسے وہ ہدایت کرے تو اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اُس کا عبد اور اس کا رسولؐ ہے۔

اما بعد! اے لوگو! مجھے لطیف و خبیر خدا نے خبر دی ہے کہ ہر آنے والا نیا سا بقعہ نیا کی آدمی عمر تک زندگی بسر کرتا ہے۔ بلاوے کا وقت قریب آن پہنچا ہے میں اس پر لبیک کہوں گا۔ مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟“

حاضرین نے کہا: ہم گواہی دین گے کہ آپؐ نے ہم تک خدا کا پیغام پہنچایا اور آپؐ نے امت کی خیر خواہی کی اور پوری جدوجہد کی۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو جزائے خیر دے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اُس کا عبد اور اُس کا رسولؐ ہے اور جنت حق ہے، دوزخ حق ہے اور موت حق ہے اور قیامت نے آنا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ اہل تقوٰہ کو دوبارہ اٹھائے گا؟

حاضرین نے کہا: جی ہاں، ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: خدایا! گواہ رہنا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: لوگو! کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟

سب نے کہا: جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: میں تم سے پہلے حوض پر پہنچوں گا اور تم میرے پاس حوض پر آؤ گے۔ میرے حوض کا عرض اتنا ہوگا جتنا کہ صنعاء اور بصرہ کا فاصلہ ہے۔ وہاں ستاروں کی تعداد کے برابر چاندی کے پیالے ہوں گے۔ دیکھنا میرے بعد تم ثقلین (دو گراں قدر) سے کیا سلوک کرتے ہو؟

ایک شخص نے پکار کر کہا: یا رسول اللہ! ثقلین کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ثقلی اکبر اللہ کی کتاب ہے۔ اُس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور

دوسرا سراجھارے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے تمسک رکھو اور گمراہی سے بچ جاؤ اور قتلِ امیر میری عزت ہے۔ لطیف و خیر خدا نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں۔ ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور اس سے دور نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد رسولِ اکرم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اُسے اتنا بلیر کیا کہ آپ کی بظلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ سب لوگوں نے اس منظر کو دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں موئین کی جان مال پر اُن سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟

سب نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَقُلْ مَوْلَاكَ

”جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔“

آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ احمد بن حنبل کے بقول آپ نے اس جملہ کو چار مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اللهم وال من والاه وعاد من عاداه واحب من احبه وابغض من ابغضه وانص من نصره واخذل من خذله وادر الحق معه حيث دار الا فليبلغ الشاهد الغائب

”خدا یا! تو اُس سے دوستی کر جو علیؑ سے دوستی کرے اور تو اُس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور تو اس سے محبت کر جو علیؑ سے محبت کرے اور تو اُس سے بغض رکھ جو علیؑ سے بغض رکھے اور تو اُس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور تو اُسے بے یار و مددگار چھوڑ جو علیؑ کو بے یار و مددگار چھوڑے اور حق کو اُس کے ساتھ پھیر جو علیؑ پھر جائے۔ جو یہاں موجود ہے وہ میرا یہ پیغام غائب تک پہنچا دے۔“

کچھ علمائے اسلام نے غدیر کے مفصل خطبہ کو بھی نقل کیا ہے جیسا کہ طبری نے اسے

احتجاج میں نقل کیا ہے جب کہ زیادہ تر محدثین نے اُسے تفصیل کے بغیر نقل کیا ہے۔  
 جب آپؐ کا خطبہ مکمل ہوا تو آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور مسلمانوں کو حکم دیا  
 کہ وہ علیؑ کی خلافت کے لیے بیعت کریں اور انھیں امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔  
 مسلمان ہر طرف سے بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ شیعین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت  
 عمرؓ) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یہ حکم آپؐ کی طرف سے  
 ہے یا خدا کی طرف سے ہے؟

آپؐ نے فرمایا: کیا یہ غیر اللہ کی طرف سے ہے؟ یہ خدا اور اس کے رسولؐ کا فرمان ہے۔  
 یہ سن کر دونوں حضرات اٹھے اور بیعت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان الفاظ سے سلام کیا:  
 السلام عليك يا امير المومنين بخ بخ لك لقد اصبحت مولای

دمولی کل مؤمن ومؤمنۃ

”امیر المومنین! آپؐ پر سلام، آپؐ کو مبارک ہو، آپؐ میرے اور ہر  
 مؤمن اور مومنہ کے حاکم و مولانا بن گئے ہیں۔“

یہ واقعہ محدثین و مفسرین اور مؤرخین میں انتہائی مشہور ہے۔ اس روایت کے تواتر کی  
 وجہ سے اسے اصح الاحادیث کا درجہ دیا جاتا ہے۔

حدیث غدیر کے گواہ صحابہؓ کے نام

جن صحابہؓ نے واقعہ غدیر کی گواہی دی تھی ان میں سے ہم ایک سو پانچ صحابہؓ کے نام  
 یہاں نقل کرتے ہیں۔

- |                           |                         |                            |
|---------------------------|-------------------------|----------------------------|
| ۱- ابو ہریرہ              | ۲- ابوطی انصاری         | ۳- ابو ذر بن عوف انصاری    |
| ۴- ابو خصالہ انصاری       | ۵- ابو قتادہ انصاری     | ۶- ابو ذر بن غویلد         |
| ۷- ابوبکر بن ابی قحافہ    | ۸- اسامہ بن زید         | ۹- اسد بن زرارہ            |
| ۱۰- ابی بن کعب انصاری     | ۱۱- اسامہ بنت عمیس      | ۱۲- اُم سلمہ زوجہ پیغمبرؐ  |
| ۱۳- اُم ہانی بنت ابوطالبؓ | ۱۴- براء بن عازب انصاری | ۱۵- ابو جہرہ انس بن مالک   |
| ۱۶- بریرہ بن خصیب         | ۱۷- جابر بن سمرہ        | ۱۸- جابر بن عبداللہ انصاری |

- ۱۹- ابو عمرو بن عمر بن محضر  
۲۰- ابوالفتح قطبی  
۲۱- ابوالشیم بن التیمان  
۲۲- ابوالعید ثابت بن ولید  
۲۳- جبلة بن عمرو انصاری  
۲۴- جبر بن عبد الله  
۲۵- جریر بن عبد الله  
۲۶- ابو زر جنب بن جنادة  
۲۷- حذیفه بن اسید  
۲۸- حذیفه بن اسید  
۲۹- حبشی بن جناد  
۳۰- حبیب بن بدیل  
۳۱- حذیفه بن الیمان  
۳۲- حذیفه بن الیمان  
۳۳- امام حسن بن علی  
۳۴- امام حسین بن علی  
۳۵- خالد بن ولید  
۳۶- خازیمه بن ثابت  
۳۷- خازیمه بن ثابت  
۳۸- خلیفه بن عمرو الخزاعی  
۳۹- خلیفه بن عمرو الخزاعی  
۴۰- رفاعه بن عبد المنذر  
۴۱- زبیر بن عوام  
۴۲- زید بن یزید بن شراشل  
۴۳- زید بن عبد الله انصاری  
۴۴- سعد بن جنادة  
۴۵- سعد بن ابی وقاص  
۴۶- سعد بن جنادة  
۴۷- سعید بن سعد بن عباد  
۴۸- سمره بن جنب  
۴۹- سلمه بن عمرو  
۵۰- سلمه بن عمرو  
۵۱- سلمه بن عمرو  
۵۲- سلمه بن عمرو  
۵۳- سهل بن سعد انصاری  
۵۴- طلحه بن عبید الله  
۵۵- حمیرة الاسدی  
۵۶- طلحه بن عبید الله  
۵۷- طوی بن عبد الله  
۵۸- طوی بن عبد الله  
۵۹- طوی بن عبد الله  
۶۰- طوی بن عبد الله  
۶۱- عائشه زوجة پیغمبر  
۶۲- عباس بن عبد المطلب  
۶۳- عبد الرحمن بن عوف  
۶۴- عبد الرحمن بن عوف  
۶۵- عبد الرحمن بن عوف  
۶۶- عبد الله بن ابی عبد الله  
۶۷- عبد الله بن ابی عبد الله  
۶۸- عبد الله بن ابی عبد الله  
۶۹- عبد الله بن ابی عبد الله  
۷۰- عبد الله بن حطب  
۷۱- عبد الله بن حطب  
۷۲- عبد الله بن حطب  
۷۳- عبد الله بن حطب  
۷۴- عبد الله بن حطب  
۷۵- عبد الله بن حطب  
۷۶- عبد الله بن حطب  
۷۷- عبد الله بن حطب  
۷۸- عبد الله بن حطب  
۷۹- عبد الله بن حطب  
۸۰- عبد الله بن حطب  
۸۱- عبد الله بن حطب  
۸۲- عبد الله بن حطب  
۸۳- عبد الله بن حطب  
۸۴- عبد الله بن حطب  
۸۵- عبد الله بن حطب  
۸۶- عبد الله بن حطب  
۸۷- عبد الله بن حطب  
۸۸- عبد الله بن حطب  
۸۹- عبد الله بن حطب  
۹۰- عبد الله بن حطب  
۹۱- عبد الله بن حطب  
۹۲- عبد الله بن حطب  
۹۳- عبد الله بن حطب  
۹۴- عبد الله بن حطب  
۹۵- عبد الله بن حطب  
۹۶- عبد الله بن حطب  
۹۷- عبد الله بن حطب  
۹۸- عبد الله بن حطب  
۹۹- عبد الله بن حطب  
۱۰۰- عبد الله بن حطب



۸۹- عمرو بن العاص	۹۰- عمرو بن مرہ	۹۱- قاطمہ زہرا
۹۲- قاطمہ بنت حذرہ	۹۳- قیس بن سعد بن عبادہ	۹۴- قیس بن ثابت
۹۵- کعب بن عجرہ	۹۶- مالک بن حویرث	۹۷- مقداد بن عمرو کنذری
۹۸- ناجیہ بن عمرو خزاعی	۹۹- ابوہریرہ فضلہ بن عتبہ	۱۰۰- نعمان بن مغلان
۱۰۱- ہاشم مرثالی	۱۰۲- وہب بن حذرہ	۱۰۳- وہب بن عبداللہ
۱۰۴- وحشی بن حرب	۱۰۵- یسلیٰ بن مرہ	

### مکمل دین

جب امیر المومنین علیؑ کی بیعت مکمل ہوگئی تو اس وقت جبریل امینؑ حضور ﷺ پر یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ  
الْإِسْلَامَ دِينًا (سورہ مائدہ: آیت ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا ہے اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کی ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔“

تمام شیعہ محدثین و مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؑ کی بیعت کے بعد نازل ہوئی۔

حسب ذیل اہل سنت کے محدثین و حفاظ نے بھی یہی لکھا ہے:

- ① محمد بن جریر طبری (کتاب الولاية)
- ② تفسیر ابن کثیر میں ابن مردودہ کے حوالے سے یہی لکھا ہوا ہے۔
- ③ حافظ ابو نعیم اسمعانی (ما نزل من القرآن فی علی)
- ④ ابو بکر خطیب بغدادی (تاریخ بغداد، جلد ۸)
- ⑤ ابو سعید جعفی (کتاب الولاية)

- ① حافظ ابوالقاسم حاکم حسکانی (دعۃ الہدایۃ الی اداء حق الموالاتۃ)
- ② حافظ ابوالقاسم بن حسا کر
- ③ ابوالحسن بن مغازی (مناقب مغازی)
- ④ اخطب خوارزمی (مناقب خوارزمی)
- ⑤ ابوالفتح نظری (الخصائص الطوبیہ)
- ⑥ ابوحامد سعد الدین صالحانی سے شہاب الدین احمد نے کتاب توفیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں نقل کیا ہے۔
- ⑦ سبط ابن جوزی نے ”مذکرہ“ میں یہ لکھا ہے۔
- ⑧ شیخ الاسلام حموی (فرائد السمعتین)
- ⑨ عماد الدین بن کثیر قرشی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔
- ⑩ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور اور اقطان میں یہ لکھا ہے۔
- ⑪ منیر محمد بدخشی (مدح النجاة)

### ولایت علیؑ کے منکر پر عذاب

اعلانِ غدیر کے بعد پورے عرب میں یہ خبر پھیلی۔ یہی خبر حارث بن نعمان فہری نے بھی سنی۔ اُسے اس کا شدید دکھ ہوا۔ وہ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر رسولِ خدا ﷺ کے پاس آیا۔ جب وہ مقامِ اُحہ پر پہنچا تو وہ اپنی ناقہ سے نیچے اُترا اور اسے اچھی طرح سے بٹھا کر آنحضرتؐ کے سامنے آیا اور اس نے آپؐ سے یہ کہا:

”میرا آپؐ نے خدا کا نمائندہ بن کر ہم سے یہ کہا کہ ہم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں۔ ہم نے آپؐ کی بات مانی۔ آپؐ نے ہمیں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، ہم نے نمازیں پڑھیں۔ آپؐ نے ہمیں ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا تو ہم نے روزے رکھے۔ آپؐ نے ہمیں حج کا حکم دیا تو ہم نے اسے بھی قبول کیا، لیکن آپؐ ان تمام باتوں پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر آپؐ نے اپنے ابنِ عم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ہم پر فضیلت دی ہے اور آپؐ

نے یہ کہا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلَيْ مَوْلَاكَ تو کیا یہ سب کچھ آپؐ نے اپنی طرف سے کہا ہے یا خدا کی طرف سے؟

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ سب کچھ میں نے خدا کی طرف سے کہا ہے۔

اس وقت حارث بن نعمان نے پشت پھیری اور اپنی ناقہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور اس نے یہ کہا: ”خدا یا! جو کچھ محمدؐ کہہ رہا ہے اگر یہ حق ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرما، یا ہم پر دردناک عذاب نازل فرما۔“

ابھی وہ اپنی ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ خدا کی طرف سے ایک پتھر آیا۔ اُس کی کھوپڑی پر لگا اور اس کی دُبر سے نکل گیا جس سے اس کی ہلاکت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللَّهِ ۝ ذَٰلِكَ النَّبَارِجُ ۝ (سورہ معارج: آیت ۳ تا ۱)

”ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا، جو واقع ہونے ہی والا ہے۔ کفار کے لیے اُسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ عروج کے مالک اللہ کی طرف سے ہے۔“

منکرِ ولایت پر نزولِ عذاب کے حوالہ جات

جملہ شیعہ محدثین و مفسرین کا اجماع ہے کہ سورہ معارج کی ابتدائی آیات کا تعلق حارث بن نعمان فہری سے ہے۔

علمائے اہل سنت کی بھی ایک کثیر تعداد نے یہ اعتراف کیا ہے کہ جب حارث بن نعمان پر خدا کا عذاب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ہم حسب ذیل علمائے اہل سنت اور اُن کی کتابوں کے نام بیان کرتے ہیں جنہوں نے یہ واقعہ لکھا ہے:

- ① حافظ الیومید ہروی (تفسیر غریب القرآن)
- ② ابوبکر نقاش مرصی (تفسیر شفاء الصدور)
- ③ ابواسحاق قسطنطینی نیشاپوری (تفسیر الکشف والبیان)
- ④ حاکم ابوالقاسم حکانی (دعاء الہدایۃ)
- ⑤ ابوبکر یحییٰ قرطبی (تفسیر قرطبی)
- ⑥ سبط ابن جوزی (تذکرۃ السیاح)
- ⑦ ابراہیم بن عبداللہ یمنی الشافعی (الاکتفاء)
- ⑧ حموی (فرائد السمطين)
- ⑨ شیخ محمد زرنقی حنفی (معارج الوصول، درر السمطين)
- ⑩ شہاب الدین احمد (ہدایۃ السعداء)
- ⑪ ابن صباغ مالکی (المفصول المهمۃ)
- ⑫ نور الدین سمہودی (جواہر المحدثین)
- ⑬ ابوالسعود الحمادی (تفسیر حمادی)
- ⑭ شمس الدین شربین الشافعی (تفسیر السراج المبر)
- ⑮ جمال الدین شیرازی (الاربعین)
- ⑯ شیخ زید الدین السنادی الشافعی (فیض القدر)
- ⑰ سید امین العبدروس الحسینی البیہقی (المحدث المحدثی والسمیر المصطفوی)
- ⑱ شیخ احمد باکثیر الشافعی (وسیلۃ المآل فی مناقب الآل)
- ⑲ شیخ عبدالرحمن صفوی (نزهۃ المجالس)
- ⑳ شیخ برہان الدین علی الحلیمی الشافعی (السیرۃ العلمیۃ)
- ㉑ سید محمود بن محمد القادری المدنی (الصراط السوی فی مناقب النبی)
- ㉒ شمس الدین البیہقی الشافعی (شرح جامع الصغیر سیوطی)
- ㉓ شیخ محمد صدر العالم سبط الشیخ ابی الرضا (معارج العلّیٰ فی مناقب المرتضیٰ)

- ۳۲ شیخ محمد محبوب العالم (تفسیر شاہی)  
 ۳۵ ابو عبد اللہ درقانی المالکی (شرح مواہب لدینیہ)  
 ۳۶ احمد بن عبد القادر الشافعی (ذخیرۃ المآل)  
 ۳۷ سید احمد بن اسماعیل یمانی (الروحۃ الندیۃ)  
 ۳۸ سید مومن شہنشی الشافعی (نور الابصار)  
 ۳۹ شیخ الاستاذ محمد عبدہ مصری (تفسیر المنار)

### لفظ مولیٰ کے معانی

اہل لغت نے لفظ ”مولیٰ“ کے بیس معانی لکھے ہیں اور یہی چیز حدیث کے مفہوم میں مناقشہ کا سبب ہے۔ چنانچہ کچھ افراد کہتے ہیں کہ لفظ مولاء کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ اس سے حضرت علیؑ کی امامت و حکومت ثابت نہیں ہوتی۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے لفظ مولاء کا خود ہی معنی واضح فرما دیا تھا۔

روایت بیان کرتی ہے کہ حضرت عمار یاسرؓ نے رسول خداؐ سے پوچھا کہ آپؐ نے فرمایا ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلَيْہُ مَوْلَاہُ تو اس مولاء کا کیا مفہوم ہے؟  
 رسول خداؐ نے فرمایا: اللہ مَوْلَاہُ ”اللہ میرا مولاء ہے۔“

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کو میری جان پر تصرف کا حق حاصل ہے۔ مجھے کوئی تصرف کا حق حاصل نہیں ہے اور اسی طرح سے اَنَا مَوْلَاہُ الْمُؤْمِنِينَ کا معنی یہ ہے کہ ”میں اہل ایمان کے جان و مال پر تصرف کا حق رکھتا ہوں۔“ میرے ہوتے ہوئے انھیں اپنی جان و مال میں تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

اور میں نے یہ کہا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاہُ جس کا میں اولیٰ بالتصرف ہوں۔ فَعَلَيْہُ مَوْلَاہُ ”تو اس کا علیؑ مولاء ہے۔“ مقصد یہ ہے کہ علیؑ اُن کے جان و مال پر خود ان سے تصرف کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب رسول خدا نے حدیث کے معانی کی اتنی طویل وضاحت کر دی تھی تو پھر کسی کو من مانی تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

کیا اس وضاحت کے بعد بھی کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟ اور کیا اس تفسیر کے باوجود کسی کے پاس کوئی حجت باقی رہ جاتی ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے سب پر حجت تمام کر دی ہے اور آپؐ نے فرمان خداوندی کو احسن اعزاز سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں مرحوم علامہ عبدالحسین شرف الدین علیہ الرحمہ نے لفظ موٹی کے متعلق بڑی خوب صورت گفتگو کی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے:

”مسلمانو! ذرا انصاف سے بتاؤ کہ اگر غیر مسلم فلاسفہ تم سے یہ پوچھ لیں کہ غدیر خم میں کیا ہوا تھا اور رسول خدا نے ہزاروں افراد کو سفر سے کیوں روکا تھا؟ بھلا تپتے ہوئے چٹیل میدان میں آنحضرتؐ نے لوگوں کو دوپہر کے وقت کیوں بٹھایا تھا؟ جو آگے چلے گئے تھے انھیں آپؐ نے واپس کیوں بلایا تھا اور آنے والوں کا انتظار کیوں کیا تھا۔ آخر یہ سارا اہتمام کس لیے ہوا تھا؟ ایسا کون سا ضروری کام تھا جس کے لیے رسول خدا نے لوگوں کو جیتی ہوئی دھوپ میں ایسی جگہ بٹھایا تھا جہاں پانی بھی وافر مقدار میں موجود نہ تھا؟

نبی اکرم ﷺ نے غدیر خم پر خطبہ دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو شخص یہاں موجود ہے وہ میرا پیغام اس تک پہنچائے جو موجود نہیں ہے؟

آخر اس پیغام کی کیا خاصیت تھی جسے آپؐ تمام لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے؟

آخر آپؐ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی کہ میرا آخری وقت آنے کو ہے؟

يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَنِي رَسُولُ لَدُنِّي فَأَجِيبُ؟

آخر آپؐ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی سوال کیا

جائے گا؟ یعنی مجھ سے میری تبلیغ اور تم سے تمہاری اطاعت کے بابت پوچھا جائے گا؟

رسول اکرم ﷺ نے لوگوں سے توحید و رسالت کی گواہی اور جنت و دوزخ اور

موت اور روز قیامت کی گواہی کا اقرار کرانے کے فوراً بعد حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند

کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ بظلوں کی سفیدی نظر آنے لگی تھی؟ اور آپؐ نے اس وقت یہ الفاظ کیوں فرمائے تھے:

اَللّٰهُ مَوْلَايَ وَاَنَا مَوْلَى السُّوْمِنِيْنَ

”اللہ میرا مولا ہے اور میں موئن کا مولا ہوں۔“

پھر آپؐ نے لفظ مولیٰ کی وضاحت ان الفاظ سے کیوں کی تھی:

اَنَا اَوَّلِيْ بِهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

”میں ان کے نفسوں پر اولویت رکھتا ہوں۔“

پھر لفظ مولیٰ کی اس تفسیر کے بعد آپؐ نے بلا فصل یہ الفاظ کیوں کہے تھے:

فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَهَذَا مَوْلَاہُ؟

”پس جس کا میں مولا ہوں اُس کا علیؑ مولا ہے۔“

یا اس کی بجائے یہ الفاظ کیوں فرمائے تھے:

مَنْ كُنْتُ وَلِيَّهٖ فَهَذَا وَلِيَّهٖ، اَللّٰهُمَّ وَاٰلِ مَنْ وَاَلَاہُ وَاَعَادِ مَنْ عَادَاہُ

وَاَنْصُرْ مَنْ نَصَرَہَا وَاُخْذِلْ مَنْ خَذَلَهَا

”خدا یا! اس سے دوستی رکھ جو علیؑ سے دوستی رکھے اور اُس سے دشمنی رکھ

جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور اُس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اُسے

بے یار و مددگار چھوڑ دے جو علیؑ کو بے یار و مددگار چھوڑے؟“

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے لیے ایسی دُعا کیوں فرمائی تھی جو کہ صرف ائمہ حق اور

سچے خلفاء کے لیے کی جاتی ہے؟

رسول اکرمؐ نے مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلِيٌّ مَوْلَاہُ یا مَنْ كُنْتُ وَلِيَّهٖ فَعَلِيٌّ وَلِيَّهٖ کے

کلمات سے قبل اپنی اولویت کا اقرار ان الفاظ سے کیوں کرایا تھا؟

اَلَسْتُ اَوَّلِيْ بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ

”کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم پر حق تصرف نہیں رکھتا؟“

اس خطبے میں رسول اکرمؐ نے اپنی عزت کو قرآن کے ساتھ کیوں شامل کیا

تھا اور انھیں اہل ایمان کا راہ نما کیوں مقرر کیا تھا؟

صاحبِ حکمت پیغمبرؐ کو اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ انھیں اہم کام کیا تھا جس کے لیے اتنے مقدمات فراہم کیے گئے تھے؟ اس عظیم اجلاس کا آخر مقصود کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَنُحَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ..... کی تہدید کی آیت کیوں نازل فرمائی تھی؟ اور وہ کون سا مسئلہ تھا جس کی ادائیگی کے لیے قدرت کی طرف سے اتنی تاکید کی گئی تھی؟

وہ کون سا معاملہ تھا جس کی وجہ سے آنحضرتؐ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟ اگر کوئی کہے کہ آپؐ کو کوئی خطرہ نہ تھا تو پھر خدا نے وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ کے الفاظ سے آنحضرتؐ کی حفاظت کا اعلان کیوں کیا تھا؟

مسلمانو! اپنے خدا کو شاہد بنا کر اپنے ضمیر کو زندہ کر کے بتائیں کہ ان سوالات کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے کہ خدا و رسولؐ کا مطلب بس اتنا سا تھا کہ لوگ حضرت علیؑ سے دوستی رکھیں!! ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس جواب پر خود تمہارا ضمیر بھی کبھی مطمئن نہیں ہوگا۔ تم اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اتنے بڑے اہتمام کا نظریہ نہ تو خدا کے لیے قبول کر سکتے ہو اور نہ ہی صاحبِ حکمت رسولؐ کے لیے اس بات کا تصور کر سکتے ہو۔

اس اعلان سے قبل بھی حضرت علیؑ مسلمانوں کے دوست تھے اور مسلمان بھی آپؐ کے دوست تھے لہذا جو چیز پہلے سے موجود تھی اس کے اعلان کے لیے اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟

ہمیں زندہ ضمیر اور منف مزاج مسلمانوں کے متعلق یقین ہے کہ وہ رسولؐ خدا کے افعال اور اقوال کو ہر حک و شے سے بلند خیال کرتے ہیں اور وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ رسولؐ سے ایسے افعال صادر ہوں جو کہ اہل عقل کی نگاہ میں بے وقعت ہوں۔

ہمارے نبی صاحبِ حکمت تھے۔ آپؐ معصوم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ۝ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ (سورہ تکوین: آیت ۱۹-۲۲)



”یقیناً یہ (قرآن) معزز فرستادہ کا قول ہے جو قوت کا مالک ہے۔  
صاحب عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے۔ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی  
ہے وہ امن ہیں اور تمہارا رفیق (محمدؐ) دیوانہ نہیں ہے۔“

ان آیات کی موجودگی میں نبی اکرم ﷺ پر یہ تہمت نہیں لگائی جاسکتی کہ آپؐ ان  
چیزوں کو بیان فرماتے تھے جو پہلے سے ہی سب کو معلوم ہوتی تھیں اور ایک واضح سی بات کی  
وضاحت کے لیے اتنی تمہیدات قائم کرتے تھے۔ خدا اور اس کا رسولؐ اس سے کہیں بلند بالا ہیں۔  
یہ تمام تر اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا قائم مقام مقرر کرنا تھا۔  
چنانچہ لفظی قرآن اور عقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو  
کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

یہ حدیث اور اس کے قرآن بتاتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے خلافت علیؑ پر ایسی واضح نص  
فرمائی تھی جس میں کسی بھی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔ یقیناً ہر بیدار مغز اور ہر صاحب انصاف  
اور ذمہ فیر شخص کا یہی فیصلہ ہے۔

لوگوں نے حدیث فدیر کا اثر کم کرنے کے لیے یہ کہا ہے کہ حضرت علیؑ یمن گئے  
تھے۔ چند لوگ ان سے ناراض ہوئے تھے اسی لیے رسولؐ خدا نے یہ اہتمام کیا، تاکہ کوئی بھی  
فحش حضرت علیؑ پر ناراض نہ رہے۔

حدیث فدیر کے پس منظر کو یوں بیان کرنا تاریخ کے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف  
ہے۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دو بار حضرت علیؑ کو یمن روانہ کیا تھا۔  
پہلی بار آپؐ ۸ ہجری میں یمن گئے تھے جہاں کچھ افراد نے آپؐ پر اعتراض کیے تھے اور  
نبی اکرمؐ کے سامنے ان کی شکایت بھی کی تھی۔ نبی اکرمؐ نے شکایت کرنے والوں کو ڈانٹ دیا  
تھا، پھر کسی کو آپؐ پر اعتراض کرنے کی جسارت نہیں ہوئی تھی۔

پھر ۱۰ ہجری میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ کو یمن بھیجا اور انھیں اپنا عمامہ  
باندھا تھا اور اپنے ہاتھ سے ان کے لیے پرچم باندھا تھا اور روانگی کے وقت فرمایا تھا کہ خدا  
کے سہارا پر چلے جاؤ اور کسی طرف التفات نہ کرو۔ آپؐ یمن گئے اور نبی اکرمؐ کے فرمان کو پورا

کیا اور حجۃ الوداع کے وقت آپؐ یمن سے واپس آئے۔ رسولؐ خدا نے اپنی قربانی میں اٹھیں شامل کیا تھا اور اس بار کسی کو بھی آپؐ سے کوئی شکوہ نہ تھا اور نہ ہی کسی نے آپؐ پر اعتراض کیا تھا۔

اگر بالفرض اس مفروضہ کو مان بھی لیا جائے تو رسولؐ خدا اس چھوٹی سی بات کے لیے اتنا اہتمام کبھی نہ کرتے اور زیادہ سے زیادہ اس طرح کلمات کہتے:

”لوگو! یہ میرا ابنِ عم ہے، میرا داماد ہے اور میرے بچوں کا والد ہے اور میرے گھرانے کا سردار ہے۔“

یقیناً اس طرح کے الفاظ سے اگر شکر رنجیاں بھی ہوتیں تو وہ دور ہو جاتیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خطبہ غدیر میں اہل بیتؑ کو مثیل قرآن قرار دیا۔ اس سے بھی ہمارے بیان کردہ مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ نے اس ذریعہ سے اپنی امت کو یہ درس دیا کہ میرے بعد ہدایت کے دو ہی ستون ہیں: ایک ستونِ ائمہؑ کی اتباع ہے جن کے مورثِ اہلِ حضرت علیؑ ہیں اور دوسرا ستون قرآن کریم ہے۔

قرآن اتنا مصوم ہے کہ باطل اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ جس طرح سے قرآن کی موجودگی میں ایسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کرنا حرام ہے، جو قرآن کے مسائل کی مخالفت کرتی ہو تو اسی طرح سے ائمہؑ عترت کے ہوتے ہوئے ایسے کسی بھی رہبر کی طرف رجوع کرنا حرام ہے جو ان سے اختلاف کرتا ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا:

إِنَّهُمْ لَنْ يَفْتَرُوا عَلَيَّ شَيْئًا يَرِدَ عَلَيَّ الْخَوْضُ

”یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، جب تک میرے پاس خوض پر نہ آجائیں۔“

حدیث کے یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن بھی قیامت تک رہے گا اور اس کا وارث امام بھی قیامت تک رہے گا۔ زمینِ ائمہؑ عترت سے کبھی خالی نہ ہوگی۔ اسی نظریہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے احمد بن حنبل نے اپنی سند میں زید

بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي تَارِكٌ فَيْكُمْ خَلِيفَتَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِثَّتِي أَهْلُ بَيْتِي فَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْخَوْضَ  
 ”میں تمہارے درمیان اپنے دو جانشین چھوڑ کر جا رہا ہوں: اللہ کی کتاب  
 یہ وہ رسی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلی ہوئی ہے اور میری  
 عزتِ اہل بیت، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، جب تک  
 میرے پاس خوض پر نہ پہنچ جائیں۔“

یہ حدیث ائمہ عزت کی خلافت کے لیے نص قطعی ہے اور اس بات سے ہر شخص  
 واقف ہے کہ اتباعِ عزت کے وجوب کی نص اتباعِ علی کے وجوب کی نص ہے، کیونکہ آپ  
 کی عزت ہی سورجِ اعلیٰ ہیں۔ لہذا غدیر اور اس جیسی باقی احادیث علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر نص  
 کا درجہ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں حدیثِ ثعلبیین میں عزت کو عدیلِ قرآن کہا گیا۔ یہ بھی عزت  
 کی امامت و خلافت کی بہترین دلیل ہے۔ (اعلیٰ کلام السید)

میں یہ کہتا ہوں کہ مسلم اور غیر مسلم شعراء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں قصائد لکھے  
 ہیں جو کہ محافل و مجالس کی زینت ہیں اور انھیں تمام ادب دوست افراد ذوق و شوق سے  
 پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی اشعار کا بڑا مجموعہ ہمارے شیخ معظم علامہ عبدالحسین امینی نے اپنی کتاب  
 ”الغدیر“ میں جمع کیا ہے اور ہماری اس گفتگو کا بڑا مصدر و منبع بھی الغدیر ہی ہے۔

واقعہ غدیر اور شعراء

واقعہ غدیر کو خود امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔  
 آپ کی اس شہرہ آفاق نظم کو ملاحظہ فرمائیں:

مُحَمَّدُ النَّبِيُّ أَخِي وَصَهْرِي	حَمَزًا سَيِّدُ الشَّهَادَةِ عَيْنِ
وَجَعْفَرُ الَّذِي يُضْحِي وَيُشِي	يَطْلُبُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ ابْنُ أُمِّ
وَبَنْتُ مُحَمَّدٍ سَكْنِي وَعِزِّي	مَنْوُظٌ لَحْنُهَا بِدَقِّ وَلَحْنِ

وَسَبَّحْتَ أَحْمَدَ وَلَدَايَ مِنْهَا فَأَيُّكُمْ لَهُ سَهْمٌ كَسَهْمِي  
سَبَّحْتُكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ طُرًّا وَمَا بَلَغْتُ أَدَانَ حُلِينِ  
فَادَّجَبَ لِي وَلَايَتَهُ عَلَيْكُمْ رَسُولُ اللَّهِ يَوْمَ غَدِيرِ خَمٍّ

”محمدؐ بغیر میرے بھائی اور میرے سر ہیں اور سید الشہداء حمزہؓ میرا چچا ہے اور جعفرؓ جو کہ صبح و شام ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہے وہ میرا ماں جانا بھائی ہے۔ محمد مصطفیٰؐ کی دختر میری زوجہ ہیں۔ اُن کا گوشت میرے خون اور گوشت سے مخلوط ہے۔ حمزہؓ کے دونوں نواسے میرے فرزند ہیں۔ تم میں کوئی ایسا ہے جسے مجھ جیسا حصہ ملا ہو؟ میں نے اسلام میں تم پر سبقت حاصل کی ہے جب کہ میں بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ رسول اکرمؐ نے غدیر خم کے دن تم پر میری ولایت واجب قرار دی ہے۔“

یہ اشعار ایک اور اعزاز سے بھی محول ہیں۔

امام علی بن احمد واحدی نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسولؐ کی جماعت جمع تھی اور وہ اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے تھے۔ اس جماعت میں ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، فضل بن عباس، عمار، عبدالرحمن بن عوف، ابوذر، مقداد، سلمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے۔ ان میں حضرت علیؑ بھی وہاں آئے۔ آپؑ نے صحابہ سے پوچھا کہ آپ حضرات کیا گفتگو کر رہے تھے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے ان مناقب کا ذکر کر رہے تھے، جو رسول خداؐ نے ہمارے لیے بیان کیے تھے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اچھا تو پھر میرے کچھ فضائل بھی سن لو۔ پھر آپؑ نے یہ

اشعار پڑھے:

لَقَدْ عَلِمَ الْآتَامُ بِأَنَّ سَهْمِي مِنَ الْإِسْلَامِ يَفْضُلُ كُلَّ سَهْمٍ  
وَأَحْمَدُ النَّبِيِّ أَيْمَنُ وَصَهْرِي عَلَيْهِ اللَّهُ صَلَّى وَابْنُ عَتِي  
وَرَأَيْ قَائِدَ لِلنَّاسِ طُرًّا إِلَى الْإِسْلَامِ مِنْ هَرَابٍ وَعَجَمٍ

وَقَاتِلْ كُلَّ مَسِيئٍ زَنِيٍّ      وَجَبَّارٍ مِنَ الْكُفَّارِ ضَخْمٍ  
 وَفِي الْقُرْآنِ أَلْزَمَهُمْ وَلَاقٍ      وَأَوْجَبَ طَاعَتِي فَرَضًا بَعِزِّ  
 كَمَا هَارُونَ مِنْ مُوسَى أَخُوهُ      كَذَلِكَ أَنَا أَخُوهُ وَذَلِكَ إِسْنِ  
 لِذَلِكَ أَقَامَتِي لَهُمْ إِمَامًا      وَأَخْبَرَهُمْ بِهِ بِغَدِيرِ خَمٍ  
 فَتَنَ مِنْكُمْ يُعَادِلُنِي بَشَرِي      وَأَسْلَمِي وَسَابِقَتِي وَرَحِي  
 فَوَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ ثُمَّ ذِي      لَنْ يَنْفِي إِلَهًا عَدَا بَطْلِي  
 وَوَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ      لِبَاجِدِ طَاعَتِي وَمُرِيدِ هَضِي  
 وَوَيْلٌ لِلَّذِي يَشْقَى سَفَاهَا      يُرِيدُ عَدَاوَتِي مِنْ غَيْرِ جُورِ

”سب انسان جانتے ہیں کہ اسلام میں میرا حصہ ہر حصے سے زیادہ ہے۔  
 احمد بن حنبل میرے بھائی اور میرے سر ہیں۔ اُن پر خدا کی طرف سے  
 درود ہو، وہ میرے امین ہیں۔ عرب و عجم میں سے جس نے بھی اسلام  
 قبول کیا ہے میں ایسے تمام انسانوں کا رب ہوں۔ میں ہر دلیر رئیس کا  
 قاتل ہوں اور بڑے بڑے کافروں پر غلبہ رکھتا ہوں۔ اللہ نے قرآن  
 میں میری ولایت کو واجب قرار دیا ہے اور میری اطاعت کو فرض قرار دیا  
 ہے۔ میری رسول خدا سے وہی نسبت ہے جو کہ ہارون کی موسیٰ سے تھی۔  
 میں بھی رسول خدا کا بھائی ہوں اور یہ میرا نام ہے۔ اس لیے رسول خدا  
 نے مجھے امام مقرر کیا ہے اور خدیجہ غم میں لوگوں کو اس کی خبر دی ہے۔ تم  
 میں سے کون ہے جو کہ میرے حصہ اور میرے اسلام، میری سبقت اور  
 میری رشتہ داری کی برابری کر سکے؟ ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے پھر  
 ہلاکت ہے اُس کے لیے جو میرا عالم بن کر خدا کے سامنے پیش ہو۔  
 ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے اُس کے لیے جو میری اطاعت  
 کا منکر ہو اور میرے حق کا قاصب ہو۔ اور اس کے لیے ہلاکت ہے جو  
 کہ اپنے پاگل پن کی وجہ سے مجھ سے باحق عداوت کا ارادہ رکھتا ہو۔“

## حسان بن ثابت کے اشعار

در بار رسالت کے شاعر حسان بن ثابت نے بھی روزِ غدیر اپنی طرف سے نظم پڑھی تھی۔

اُن کی نظم یہ ہے:

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ      بِخُتْمٍ وَاسْتَمَ بِالنَّبِيِّ مُنَادِيَا  
وَقَدْ جَاءَ جَبْرِئِيلُ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ      بِأَنَّكَ مَعْصُومٌ فَلَا تَكُ وَإِيَّا  
وَيَلْعَنُهُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ رَبُّهُمْ      إِلَيْكَ وَلَا تَخْشَى هُنَاكَ الْأَعَادِيَا  
فَقَامَ بِهِ إِذْ ذَاكَ رَافِعُ كَيْفِهِ      بِكَيْفٍ عَلَيَّ مُعَلِّنَ الصَّوْتِ عَالِيَا  
فَقَالَ: فَمَنْ مَوْلَاكُمْ وَوَلِيِّكُمْ؟      فَقَالُوا وَلَمْ يَبْدُوا هُنَاكَ لِقَامِيَا  
إِلَهُكَ مَوْلَانَا وَأَنْتَ وَلِيَّتُنَا      وَلَا تَجِدَنَّ فِينَا لَكَ الْيَوْمَ حَامِيَا  
فَقَالَ لَهُ: قُمْ يَا عَلِيُّ فَإِنِّي      رَفِئْتُكَ مِنْ بَعْدِي إِمَامًا وَهَادِيَا  
فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا وَلِيُّهُ      فَكُونُوا أَنْصَارَ صِدْقِي مُوَالِيَا  
هُنَاكَ دَعَا: أَلَلَّهُمَّ وَالِ وَلِيَّهُ      وَكُنْ لِلذِّئِ عَادُونَ عَلِيًّا مُعَادِيَا  
فَيَارَبِّ انصُرْ ناصِرِيهِ لِنَصْرِهِمْ      أَمَامَ هَذِي كَالْبَدْرِ يَجْلُو الدِّيَا جِيَا

”غدیر کے دن نبیؐ نے انھیں منادی دی اور کل کر منادی دی۔ جبرئیلؑ رب کا حکم لے کر آئے کہ آپؐ کو زوری اختیار نہ کریں، خدا آپؐ کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے جو پیغام بھیجا ہے آپؐ اس کی تبلیغ کریں اور دشمنوں سے مت ڈریں۔ پھر نبیؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور کہا کہ تمہارا مولا اور ولی کون ہے؟ وہاں انھوں نے کسی اندھے پن کا مظاہرہ کیے بغیر ہی یہ کہا کہ حیرا معبود ہمارا مولا ہے اور تُو ہمارا سرپرست ہے ہماری صفوں میں آپؐ کو کوئی نافرمان نہیں ملے گا۔

رسولؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اٹھو! میں نے تمہیں اپنے بعد امامؑ اور ہادی مقرر کیا ہے۔ جس کا میں مولا ہوں اُس کا یہ حاکم ہے۔ تم اس کے سچے دوست بن کر رہنا۔ اس وقت رسولؐ نے دُعا مانگی: خدایا! تُو بھی اس کے

دوست سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو اُس سے دشمنی رکھ۔

خدایا! علیؑ کے مددگاروں کی مدد کی وجہ سے ان کی مدد کر۔ علیؑ ہدایت کے

لیے وہ چودھویں کا چاند ہے، جو کہ اندھروں میں روشنی نکھیرتا ہے۔

جب حسان قصیدہ کہہ کر فارغ ہوئے تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

حسان! جب تک تو اپنی زبان سے ہماری تائید کرتا رہے گا تب تک روح القدس حیرا

منجید رہے گا۔

یاد رکھیں صحابہ و تابعین کے نزدیک واقعہ غدیر کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے

کہ انھوں نے قلم و نثر میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور اگر ہم الفاظ بدل دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں

کہ صحابہ کی نظر میں حضرت علیؑ کی خلافت و ولایت اس طرح سے مسلم ثابت تھی جیسا کہ

مسلمانوں کی نظر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ثابت اور مسلم ہے۔

### قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کا نذرانہ عقیدت

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کے قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ انھوں نے

جبکہ مصفین میں حضرت امیر المومنین علیؑ کے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے:

قُلْتُ لَنَا بَنَى الْعَدُوَّ عَلَيْنَا حَسْبُنَا رَبُّنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

حَسْبُنَا رَبُّنَا الَّذِي فَتَحَ الْبَصْرَةَ بِالْأَمْسِ وَالْحَدِيثُ طَوِيلُ

وَعَلَى إِمَامِنَا وَ إِمَامُ لِسَوَانِ آلِ بِهِ التَّنَزِيلُ

يَوْمَ قَالَ النَّبِيُّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَهَذَا مَوْلَاكَ خُطْبُ جَلِيلُ

إِنَّ مَا قَالَهُ النَّبِيُّ عَلَى الْأَمَّةِ خَتَمَ مَا فِيهِ قَالَ وَقِيلُ

”جب دشمن نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو میں نے کہا: ہمارے لیے

ہمارا رب کافی ہے اور وہ بہترین نگہبان ہے۔ ہمارے لیے ہمارا رب

کافی ہے جس نے کل ہمیں بصرہ کی فتح دی تھی اور واقعات بڑے طویل

ہیں۔ علیؑ ہمارے امام ہیں اور دوسروں کے بھی امام ہیں۔ اُن کی امامت

کا فیصلہ قرآن نے کیا ہے۔ جس نے نبی اکرمؐ من کُنتُ مَوْلَاہُ فَہَذَا عَلٰی مَوْلَاہُ کہا تھا۔ یہ بڑا واقعہ تھا۔ نبی اکرمؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اُمت کے لیے حتمی بات ہے۔ اس میں کسی طرح کے قیل و قال کی گنجائش نہیں ہے۔“

### عمر و بن العاص اور غدیر کی گواہی

عمر و بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان کا دست راست تھا اور امیر المومنین علیؑ کا شدید ترین دشمن تھا، لیکن خدا نے حق میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ بعض اوقات دشمن کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

”فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔“

چنانچہ خدا نے اس سے بھی کلمہ حق کھلوا دیا اور اُس نے معاویہ بن ابی سفیان کو خطاب کر کے یہ اشعار کہے تھے۔

مَعَاوِیَۃَ الْحَالِ لَا تَجْہَلِ	وَعَنْ سَبِيلِ الْحَقِّ لَا تَعْدِلِ
نَسِیتُ احْتِیَانِیْ فِیْ جُلَّتِیْ	عَلٰی اَہْلِہَا یَوْمَ لَبِیسِ الْحَبِیْ
نَصَرْنَاكَ مِنْ جَہْلِنَا یَابْنَ وَہْدِ	عَلٰی النَّبَاِ الْاَعْظَمِ الْاَفْصَلِ
وَحَیْثُ رَفَعْنَاكَ فَوْقَ الرَّؤُوسِ	نَزَلْنَا اِلٰی اَسْفَلِ السَّافِلِ
وَكَمْ قَدْ سَبَعْنَا مِنَ الْمُضْطَلِّیْ	وَصَايَا مُخَصَّصَۃٍ فِیْ عَلٰی
وَفِیْ یَوْمِ خِیمِ رَتِّیْ مِنْہَدَا	یَنْلُغُ وَالرُّكُوبِ لَمْ یَرْحَلِ
وَفِیْ کَفِّہِ کَثُہُ مُعَلِّنَا	یُنَادِیْ بِاَمْرِ الْعَزِیزِ الْجَبَلِیْ
اَلَسْتُ بِكُمْ مِنْكُمْ فِی الْفُؤُسِ	بَاوُلٰی؟ فَقَالُوا: بَلٰی فَاَفْعَلِ
فَاَنَحَلْہُ اِمْرًاۙ الْیٰمِیْنِیْنَ	مِنْ اللّٰہِ مُسْتَخْلِیْفِ الْمُنَحَلِ
وَقَالَ فَمَنْ کُنْتُ مَوْلىَ لَّہُ	فَہَذَا لَہُ الْیَوْمَ نِعَمَ الْوَلٰی



قَوَالٍ مَوَالِيَهُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَعَادِ مُعَادِيْ اَيُّ الْمُرْسَلِ  
وَلَا تَنْقُضُوا الْعَهْدَ مِنْ حَيْثُ قَطَّعْتُمْ بَيْنَ لَمْ يُؤْصَلِ۔ الی آخرہ  
داغچ رہے کہ یہ قصیدہ ۶۶ آیات پر مشتمل ہے۔

”اس کا ماحصل یہ ہے کہ اُس نے معاویہ سے کہا کہ تم جہالت کا ثبوت نہ دو اور حق کے راستے سے انحراف نہ کرو۔ تمہیں میرا وہ جیلہ بھول چکا ہے جو میں نے اس دن اپنایا تھا جب لوگ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (حضرت علیؑ نے جب اس پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے اپنا ازار کھول دیا تھا اور پشت کی طرف سے لٹک ہو گیا تھا۔ آپؑ نے ازار اوٹھ کر اُسے چھوڑ دیا اور وہ بھاگ گیا تھا)۔

فرزغر ہند! ہم نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا اور افضل ترین شخص کے خلاف تیری مدد کی۔ ہم نے تمہیں اپنے سروں پر کیا اٹھایا کہ ہم خود اسل سالطین میں چلے گئے۔ ہم نے رسول اکرمؐ سے حضرت علیؑ کے متعلق بہت سی وصیتیں سنی تھیں۔ رسول خداؐ نے قافلہ کو بٹھا کر غدیر میں منبر پر خطبہ دیا تھا۔ نبی اکرمؐ کے ہاتھ میں علیؑ کا ہاتھ تھا اور انھوں نے یہ کہا تھا کہ کیا میں تمہاری جان و مال کا متصرف نہیں ہوں؟

سب نے اقرار کیا تو نبیؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا! جو اس کا دوست ہو تو بھی اُس سے دوستی رکھ اور جو اس کا دشمن ہو تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ نبیؐ نے کیا فرمایا تھا کہ میری عزت سے قطع نہ چھوڑنا، جس نے ان سے قطع تعلقی کی تو وہ یہ سمجھے کہ اس نے مجھ سے صلہ رحمی نہیں کی۔“

شمسیت بن زید اسدی اور واقعہ غدیر

ابوالمستحل شمسیت بن زید اسدی دوسری صدی کے مشہور شاعر تھے۔ انھوں نے پوری

زندگی آلِ عمر کی شاخیں قصائد لکھے اور اخبار کی خدمت کی۔ اسی جرمِ مؤدت میں انھیں شہید کیا گیا تھا۔ واقعہ غدیر پر انھوں نے بہت سی نظمیں لکھی تھیں۔ یہاں ہم ان کے ”قصیدہ عینیہ“ کے چند اشعار نقل کرتے ہیں:

وَيَوْمَ الدَّوْحِ دَوَّمَ غَدِيرَ خَيْمٍ      أَبَانَ لَهُ الْوَلَايَةَ لَوْ أُطِيعَا  
وَلَكِنَّ الرِّجَالَ تَتَابِعُونَهَا      فَلَمْ أَرْمِثْهَا قَطْرًا مَبِيعَا  
تَنَا سَوَاحِقَهُ وَبَغَوْا عَلَيْهِ      بِلَا مِرَّةٍ وَكَانَ لَهُمْ قَرِيبَا  
”غديرِ خیم کے پالانوں کے دن کو یاد کرو جس دن رسولِ خدا نے علیؑ کی

ولایت کا اعلان کیا تھا۔ کاش! لوگ اس حکم کی اطاعت کرتے؟ لوگوں نے تکلفاً بیعت کی تھی۔ میں نے اتنے بڑے واقعہ کو یوں فراموش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کا حق بھلا دیا اور اُن کے خلاف بغاوت کی جب کہ علیؑ نے کسی کا نقصان نہیں کیا تھا۔ وہ تو ان کا راہنما تھا۔“

### سید حمیری اور واقعہ غدیر

سید اسماعیل بن محمد حمیری دوسرے مسلک کو چھوڑ کر مذہبِ اہلِ بیتؑ میں شامل ہوئے تھے۔ جب انھوں نے عقیدہ تہذیب اپنایا تو انھوں نے اپنی مشہور زمانہ تَجَعَّفَرْتُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کی نظم لکھی تھی۔ پھر انھوں نے اپنی تمام زندگی مداحیِ اہلِ بیتؑ کے لیے وقف کر دی تھی۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سید اسماعیل غدیر کو بھول جائیں؟ انھوں نے اس عنوان پر بہت سی شاہکار نظمیں لکھی ہیں۔ بطورِ محرک ان کے حسبِ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

يَا بَايَيمَ الدِّينِ بِدُنْيَا      لَيْسَ بِهَذَا أَمْرَكَ اللَّهُ  
مِنْ أَيْنَ أَبْعَثْتَ عَلِيَّ الْوَصِي      وَأَحْمَدُ قَدْ كَانَ يَرْضَا  
مَنْ الَّذِي أَحْمَدُ فِي بَيْنِهِمْ      يَوْمَ غَدِيرِ الْخَيْمِ نَادَا  
أَقَامَهُ مِنْ بَيْنِ أَصْحَابِهِ      وَهُمْ حَوَالِيهِ فَسَمَا

هَذَا عَلَى بَنِي أَبِي طَالِبٍ      مَوْلَى لِسُنِّ قَدْ كُنْتُ مَوْلَاهُ  
قَوْلٍ مِّنْ وَالَاهُ يَا ذَا الْعَلَا      وَعَادٍ مِّنْ قَدْ كَانَ عَادَاهُ

”اے دین کو دنیا کے عوض بیچنے والے! خدا نے تو مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا تھا۔ ٹو نے آخر وہی علیؑ سے لٹھ کیوں رکھا جب کہ احمد مجتہبیٰ تو انھیں پسند کرتے تھے۔ آخر وہ کون تھا جس کا اعلان رسول اکرمؐ نے غدیر خم میں کیا تھا؟ تمام اصحاب موجود تھے جب نبی اکرمؐ نے یہ کہا تھا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بلند و برتر معبود! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اُس سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اُس سے دشمنی رکھ۔“

سید حمیری نے قافیہ باء میں یہ اشعار کہے ہیں ۔

وَبِخَيْرٍ إِذْ قَالَ الْإِلَٰهُ بِحُزْمِهِ      قُمْ يَا مُحَمَّدٌ فِي الْبَرِيَّةِ فَاطْلُبِ  
وَانْصُبْ أَبَا حَسَنِ لِقَوْمِكَ إِنَّهُ      هَادٍ وَمَا بَلَغْتَ إِنْ لَّمْ تَنْصَبِ  
فَدَعَاهُ ثُمَّ دَعَا لَهُمْ فَاقَامَهُ      لَهُمْ فَبَيْنَ مُصِيبِي وَمُكْذِبِ  
جَعَلَ الْوِلَايَةَ بَعْدَهُ لِبُهْذَبٍ      مَا كَانَ يَجْعَلُهَا لِعَبْدٍ مُّهْذَبِ  
وَلَهُ مُنَاقِبٌ لَا تَرَاوُ مِثْلِي يُرَدُّ      سَامٍ تَنَازُلَ بَعْضُهَا يَتَذَبَذَبِ

”جب خدا نے اپنے حبیبؐ سے غدیر خم میں کہا: اے محمدؐ! لوگوں میں اٹھ کر خطاب کرو۔ آپؐ ابوالحسنؑ کو اپنی امت میں جانشین مقرر کریں اور اگر آپؐ نے یہ تبلیغ نہ کی تو پھر آپؐ نے رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی۔

نبیؐ نے علیؑ کو بلایا اور لوگوں کو بلا کر انھیں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ کچھ نے تصدیق کی اور کچھ نے تکذیب کی۔ رسول اکرمؐ نے اپنے بعد کی حکومت مہذب فرد کے لیے مقرر کی تھی۔ آپؐ نے کسی عمر سالہ کا تقرر نہیں کیا تھا۔ خدا نے علیؑ کو اتنے مناقب عطا کیے ہیں کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص کچھ مناقب کے پانے کی جستجو کرے تو وہ

حیران و پریشان ہو جائے گا۔

سید حمیری کا قصیدہ عینیہ بڑا معروف ہے۔ اس کا آغاز انھوں نے ”تشیب“ سے کرتے ہوئے یہ کہا ہے۔

لَا مَ عَمْرٍو بِاللَّوِي مُرَبِّعٍ طَامِسَةً أَعْلَامُهَا بَلَقَمَ

اسی قصیدہ میں آگے چل کر انھوں نے فرمایا:

عَجِبْتُ لِقَوْمٍ أَتَوْا أَحَدًا بِخُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا مَوْضِعٌ  
قَالُوا لَهُ: لَوْ شِئْتَ أَعْلَمْتَنَا إِلَى مَنِ الْغَايَةُ وَالنَّغْزَمُ  
إِذَا تَوَفَّيْتَ وَفَارَقْتَنَا وَفِيهِمْ فِي السُّلُكِ مَنْ يَطْعَمُ  
فَقَالَ لَوْ أَعْلَمْتُكُمْ مَفْزَعًا كُنْتُمْ عَسَيْتُمْ فِيهِ أَنْ تَصْنَعُوا  
صَنِيعَ أَهْلِ الْعِجْلِ إِذْ فَارَقُوا هَارُونَ فَالْتَزَمَ لَهُ أَوْسَمُ  
وَفِي الَّذِي قَالَ بَيَانُ لَمَنْ كَانَ إِذَا يَعْقِلُ أَرَيْسَتُمْ  
ثُمَّ أَتَتْهُ بَعْدَ ذَا عَزْمَةٍ مِنْ رَبِّهِ لَيْسَ لَهَا مَذْفَعُ  
يَدْلُغُ وَإِلَّا لَمْ تَكُنْ مُبِيلًا وَاللَّهُ مِنْهُمْ عَاصِمٌ يَنْتَعِمُ  
فَعِنْدَهَا قَامَ النَّبِيُّ الَّذِي كَانَ بِهَا يَأْمُرُ بِهِ وَيَصْدَمُ  
مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا لَهُ مَوْلَا فَلَمْ يَرْضُوا وَلَمْ يَقْنَعُوا

سید حمیری کا یہ قصیدہ ۵۴ آیات پر مشتمل ہے۔ مذکورہ الصدر آیات کا خلاصہ یہ ہے:

”مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو رسول اکرمؐ کے پاس آئے تھے اور کہا تھا: یا رسول اللہ! خدا خواستہ آپؐ کی وفات ہوگئی تو آپؐ کا جانشین کون ہوگا؟

حبیبؐ خدا نے فرمایا: اگر میں نے جانشین مقرر کیا اور تم نے قوم بنی اسرائیل کی طرح انکار کیا تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ پھر اللہ نے آپؐ پر سخت الفاظ کے ساتھ حکم نازل کیا اور اپنے حبیبؐ کو حکم دیا کہ آپؐ اس مسئلہ کی تلخ کریں، اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو پھر خدا کا کوئی

پیغام نہیں پہنچایا، اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔  
 پھر نبی خدا کے حکم کے تحت کھڑے ہوئے۔ آپ کے ہاتھ میں علی کا ہاتھ  
 چمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے،  
 لیکن لوگوں نے اس پر قناعت کی اور نہ ہی انکشاف کیا.....“۔

### عید غدیر

دنیا کی ہر قوم اپنے قومی اور مقامی تہوار پر بے جوش و جذبہ سے متاقی ہے اور عید کی  
 مطابقت سے رسوم کا اظہار کرتی ہے۔

خدا، رسول، اہل بیت اور مسلمانوں کی نظر میں عید غدیر کی بڑی اہمیت ہے۔ اس  
 موقع پر جبریل امین نے رسول خدا کو خدا کی طرف سے تکمیل دین کی مبارک پیش کی تھی اور وہ  
 یہ آیت لے کر نازل ہوئے تھے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَشْتَبِعُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ  
 الْاِسْلَامَ دِينًا (سورہ مائدہ: آیت ۳)

حافظ ابوسعید نے اپنی کتاب ”شرف المصطفیٰ“ میں احمد بن حنبل اور ابوسعید غدیری کے  
 حوالے سے لکھا ہے: نبی اکرمؐ نے غدیر کے دن ارشاد فرمایا تھا:  
 هَتْنُوْنِ ”مجھے مبارک باد دو“۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت اور میری اہل بیت کو امامت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اعلان  
 غدیر کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو ان الفاظ میں ہدیہ تحریک  
 پیش کیا تھا:

طُوبَى لَكَ ، يَا بَنِي بَنِي ، يَا هَنِيئًا لَكَ اَصْبَحْتَ مَوْلَايَ وَ مَوْلَى كُلِّ  
 مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ

”تمہیں مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے ہو۔“

اس مبارک بادی کو زینی و طعان نے ”الفتوحات الاسلامیہ“ میں اور دارقطنی نے اسے  
 ”شرح مواہب“ میں نقل کیا ہے۔

فراست بن ابراہیم کوئی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَوْمَ هَدَيْتُمْ خُمَ أَفْضَلُ أَحْيَادٍ أُمَّتِي وَهُوَ الْيَوْمَ الَّذِي أَمَرَنِي اللَّهُ  
بِنَصْبِ أَخِي عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْنَا لِأُمَّتِي يَهْتَدُونَ بِهِ مِنْ بَعْدِي  
وَهُوَ الْيَوْمَ الَّذِي أَكْمَلَ فِيهِ الدِّينَ وَأَتَمَّ عَلَى أُمَّتِي فِيهِ النِّعْمَةَ  
وَرَضِيَ لَهُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

”قدرِ خُم کا دن میری امت کے لیے افضل ترین عید ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے مجھے میرے بھائی علی بن ابی طالبؑ کے لیے حکم دیا تھا کہ انھیں اپنی امت کا رہنما مقرر کروں۔ میرے بعد لوگ اُن سے ہدایت حاصل کریں گے اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے دین کو مکمل کیا اور میری امت پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور اُن کے لیے دین اسلام پر راضی ہوا۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ائمہ طاہرین علیہم السلام نے مکمل اجماع کیا تھا اور انھوں نے اس کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ فرات بن اخف سے یہ بیان معقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا تھا: فرزند رسول! کیا اسلام میں عید الفطر، عید قربان، روزِ جمعہ اور روزِ عرفہ سے کوئی افضل عید بھی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ایک دن ان سب سے افضل، اعظم اور خدا کے ہاں سب سے زیادہ قابلِ عزت ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنے حبیبؐ پر الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا کی آیت نازل فرمائی۔

میں نے عرض کیا: وہ کون سا دن ہے؟

آپؐ نے فرمایا: انبیائے بنی اسرائیل میں سے جو بھی اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کرتا تو بنی اسرائیل اُس دن کو اپنے لیے عید کا دن قرار دیتے تھے۔

امت اسلامیہ کی سب سے بڑی عید وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کیا تھا اور اہل ایمان پر اپنی نعمت تمام کی تھی۔

میں نے عرض کیا: وہ سال کا کون سا دن ہے؟

آپؐ نے فرمایا: دن آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں چنانچہ عید کا وہ دن کبھی جمعہ کو آ جاتا ہے، کبھی ہفتہ اور کبھی اتوار اور کبھی دوسرے دنوں میں آتا رہتا ہے۔

میں نے کہا: ہمیں اس دن کیا کرنا چاہیے؟

آپؐ نے فرمایا: اس دن عبادت کرنی چاہیے اور نماز شکرانہ ادا کرنی چاہیے اور خدا کی حمد کرنی چاہیے کہ اُس نے تم پر ہماری ولایت کا احسان کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس دن روزہ رکھو۔

الغرض اس سلسلہ کی روایات بہت زیادہ ہیں اور عراق، ایران، ہندوستان، پاکستان، شام اور لبنان وغیرہ میں رہنے والا شیعہ حضرات اس دن بھرپور طریقے سے عید مناتے ہیں۔ اس طرح سے اور یسوی اور قاطمی حکومت کے ایام میں یہ عید پوری شان و شوکت سے منائی جاتی تھی، لیکن حالات کی تبدیلی اور حکومتوں کے سقوط کی وجہ سے کچھ افریقی عرب ممالک میں یہ عید لوگوں کو فراموش ہو گئی ہے۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ باقی عیدوں سے بڑھ چڑھ کر ہمیں اس عید کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس مناسبت سے ہمیں عید غدیر کی محافل منعقد کرنی چاہئیں۔

یاد رکھیں! غدیر کو مت بھولیں، یہ انتہائی اہم اور فیصلہ کن دن ہے۔ اس دن کو ہر قیمت پر زندہ رکھنا چاہیے۔



## وفاتِ رسول اور علیؑ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○ (سورہ آل عمران: آیت ۱۴۴)

”محمدؐ بس اللہ کے رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزرے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ جو بھی اُلٹے پاؤں پھرے تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو بہتر بدلہ دے گا۔“

ہم نے گزشتہ راتوں میں رسول اکرم ﷺ سے حضرت علیؑ کے اختصاص کا تذکرہ کیا تھا اور اس ضمن میں ہم نے اُن کی پرورش، تربیت، اخوت اور حضرتؑ کے نفسانی خصائص پر گفتگو کی ہے اور اس گفتگو میں حدیث طبر اور دروازہ کھلا رہنے جیسی احادیث پر بھی کچھ نہ کچھ باتیں ہوئی تھیں۔

آج رات کی گفتگو کا تعلق رسول اکرم ﷺ کی وفات اور حضرت امام علیؑ کے تاثرات سے ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ جان کریں گے کہ اس مصیبت کو حضرتؑ نے کیسے جھیلا تھا۔ تربیہ برس کی عمر میں آنحضرتؑ بیمار ہوئے۔ آنحضرتؑ اپنی بیماری سے قبل اپنے اصحاب، ازواج اور اہل بیتؑ کو اپنی موت کے متعلق آگاہ کر چکے تھے۔ اور آپؑ نے اپنے تمام متعلقین سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ سال آپؑ کی زندگی کا آخری سال ہوگا اور یہ کہ آپؑ کی زندگی



کا سورج غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس قیمتی وفات کو مد نظر رکھ کر ہی آپؐ نے اپنے جانشین و قائم مقام کا اعلان کیا تھا۔

شریعت طاہرہ نے حکم دیا ہے کہ آدمی کو جب اپنی وفات کا احساس ہو تو اسے اپنے معاملات کے متعلق وصیت کرنی چاہیے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحْضَرْتُمْ أَحَدَكُمُ الْمَوْتَ أَنْ تَرَكَ خَلْفَكُمُ الْوَصِيَّةَ.....  
 ”تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آئے تو وہ وصیت  
 کرے۔“

ذرا سوچئے کہ کیا اسلامی شریعت کا سربراہ اور کائنات کا مبرا عظم وصیت کیے بغیر دنیا سے چلا گیا ہوگا؟

کیا یہ بات ممکن بھی ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی امت کو تو وصیت کا حکم دیا ہو اور خود اس پر عمل نہ کیا ہو؟ جب کہ رسولؐ کا عمل مسلمانوں کے لیے سنت اور حجت کا درجہ رکھتا ہے؟  
 ادھر یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا:

مَنْ مَاتَ بِلَا وَصِيَّةٍ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً

”جو وصیت کیے بغیر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

نبی اکرمؐ کی وصیت کی روایات و قصص انتہائی تواتر سے ثابت ہیں، لیکن اس کے باوجود کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے کوئی وصیت نہیں کی تھی۔

اس طرح کے افراد کا مقصد صرف چند افراد کی غلطیوں پر پردہ ڈالنا ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ اس سے نبیؐ کی توہین ہوتی ہے۔

مرحوم سید عبدالحسین شرف الدین نے اس عنوان پر انتہائی خوب صورت گفتگو کی ہے۔ ہم اس میں سے بقدر ضرورت اقتباس نقل کرتے ہیں:

امہٗ حضرت سے وصیت کی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ طریق عامہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کی گردن سے پکڑ کر فرمایا:

هَذَا اَمْرٌ وَوَصِيَّتِي وَخَلِيفَتِي فَيُكْمَلُ فَاَسْبِعُوا لَهُ وَاَطِيعُوا  
 ”پہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے اس کے فرمان  
 کو سنا اور اطاعت کرنا۔“

محمد بن حمید رازی نے رسول خدا سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:  
 لِكُلِّ نَبِيٍّ وَصِيٌّ وَوَارِثٌ وَاِنَّ وَصِيَّتِي وَوَارِثِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ  
 ”ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور میرا وصی اور وارث علی بن ابی  
 طالب ہے۔“

طبرانی نے کبیر میں اپنی استاد کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ سے نقل کیا کہ رسول  
 اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ وَصِيَّتِي وَمَوْضِعَ سِرِّي وَخِيَرَتِي مَنْ اَتْرَكَ بَعْدِي يُنْجِزُ عِدَّتِي  
 وَيَقْضِي دِينِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ  
 ”یقیناً میرا وصی اور میرے نازوں کا مقام اور جنس میں اپنے بعد چھوڑ کر  
 چارہا ہوں، ان سب سے بہتر اور میرے وعدہ کو پورا کرنے والا اور میرا  
 قرض اُتارنے والا علی بن ابی طالب ہے۔“

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے پر نص قطعی ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ  
 نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ حضرت علیؓ بعد از رسول تمام لوگوں سے افضل ہیں اور اس حدیث  
 میں حضرت علیؓ کی خلافت اور وجوب اطاعت پر التزامی دلالت بھی پائی جاتی ہے۔  
 حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اس سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا نے مجھ سے فرمایا:  
 ”اے اس! اس دروازے میں سے جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ امام المسکین  
 سید المسکین ہوگا۔“

اس کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انھیں دیکھ کر رسول خدا  
 کا چہرہ کھل اٹھا اور انھیں اپنے گلے سے لگایا اور فرمایا:  
 ”اے علی! میری طرف سے امانگی کرو گے اور آپ لوگوں تک میری

آواز پہنچاؤ گے اور لوگوں کے سامنے ان باتوں کو واضح کر دے جس کے متعلق وہ میرے بعد اختلاف کریں گے۔“

طبرانی، کبیر میں لکھتے ہیں کہ ابوالیوب انصاریؒ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ، أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ إِطْلَمَ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ  
فَاخْتَارَ مِنْهُمْ أَبَاكَ فَبَعَثَهُ نَبِيًّا ثُمَّ إِطْلَمَ الثَّانِيَةَ فَاخْتَارَ بَعْلُكَ  
فَأَوْسَىٰ إِلَيْكَ فَانْكَحْتَهُ وَاتَّخَذْتَهُ وَصِيًّا

”اے فاطمہ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر دوڑائی تو اُن میں سے تیرے والد کا انتخاب کیا اور اُسے نبی مقرر کیا۔ پھر دوبارہ اہل زمین پر نظر کی تو تیرے شوہر کا انتخاب کیا۔ پھر مجھے وحی کی کہ میں نے اس سے تیرا نکاح کیا ہے اور اسے وحی بتایا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین میں سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انتخاب کیا۔ ان کے بعد خدا نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا اور پھر خدا نے اپنے نبیؐ کو یہ وحی کی کہ وہ علیؓ کو اپنا داماد بنائیں اور اپنا وصی مقرر کریں۔

اس سے قبل اوصیاء ہی انبیاء کے خلیفہ ہوتے تھے۔ ذرا سوچئے جسے خدا نے چنا ہو اسے مؤخر کر کے کسی غیر منتخب فرد کو اُن پر سبقت دی جائے تو کیا یہ بہتر ہے؟

کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نبیؐ کے مقرر کردہ وصی کو اپنی رعایا کا فرد بنائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا نے جس شخص کو نبیؐ کا وصی مقرر کر دیا ہو اُس پر کسی اور کی اطاعت واجب ہو؟ کیا مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خدا اور اُس کے رسولؐ کے فیصلے کے بعد اپنے اختیارات استعمال کریں؟ جب کہ قرآن مجید میں تو خدا نے اُس کی ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ

ضَلَّالًا مُّبِينًا ۝ (سورۃ احزاب: آیت ۳۶)

”کسی مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو انھیں اپنے معاملات کا اختیار حاصل ہو اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریحاً گمراہ ہے۔“

روایات بتاتی ہیں کہ جب حاسد اور منافق افراد کو علم ہوا کہ رسول خدا عنقریب اپنی صاحب زادی حضرت زہرا علیہا السلام کا حضرت علی علیہ السلام سے نکاح کرنے والے ہیں (حاسد افراد جانتے تھے کہ حضرت زہرا حضرت مریم کی مثل ہیں اور اہل جنت خواتین کی سردار ہیں) تو انھیں اس بات سے بہت ہی ڈکھ ہوا۔ ان میں سے کچھ افراد نے جسارت کرتے ہوئے رسول خدا سے بی بیؑ کے رشتہ کی درخواست بھی کی تھی، لیکن انھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ داماد نبیؐ بنا علیؑ کا مقدر بن چکا ہے اور وہ حضرت علیؑ کی یہ فضیلت برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اسی لیے انھوں نے مکاری اور چال بازی کی اور اپنے خاعمان کی عورتوں کو حضرت زہراؑ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے جا کر حضرت سیدہؑ سے کہا: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپؑ کے والد ماجد آپؑ کا نکاح علیؑ سے کرنا چاہتے ہیں جب کہ علیؑ مالی طور پر نہایت ہی مفلس ہیں۔

سیدہ علیہا السلام ان خود ساختہ ہمدرد عورتوں کے مقاصد کو جانتی تھیں۔ اس کے باوجود آپؑ نے کمال تحمل سے کام لیتے ہوئے ان عورتوں کو کچھ نہ کہا۔ اور جب حضرت علیؑ کے عقد کا وقت آیا تو حضرت سیدہؑ نے چاہا کہ خود ساختہ ہمدرد عورتوں اور ان کے سرپرستوں کو زبان رسالت سے جواب دلایا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔

چنانچہ حضرت سیدہؑ نے اپنے والد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: بابا جان! آپؑ میرا رشتہ اس انسان سے کر رہے ہیں جس کے پاس مال نام کی کوئی چیز نہیں ہے؟  
اس کے جواب میں رسول خداؐ نے جو کچھ فرمایا آپؑ نے ملاحظہ فرمایا۔  
کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ نَشْرَ فَضِيلَةٍ طَوَّيْتُ أَتَانَهَا لَهَا لِسَانٌ حَسُودٌ

”جب اللہ کسی انسان کی پوشیدہ فضیلت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو

اس کا ذریعہ حاسد کی زبان کو بنا دیتا ہے۔“

خلیب نے محترمہ کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے

حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے شادی کی تو بی بیؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ نے

میری شادی ایک مفلس انسان سے کی ہے، جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا تَرْضَيْنَ أَنَّ اللَّهَ اخْتَارَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبُوكِ

وَالْآخَرُ بَعْلُكَ

”کیا آپؐ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ارض میں

سے دو مردوں کا انتخاب کیا ہے، اُن میں سے ایک آپؐ کا والد ہے اور

دوسرا آپؐ کا شوہر ہے۔“

حاکم نے مستدرک کی جلد سوم، ص ۱۲۹ پر لکھا ہے:

عن سريتم بن يونس عن ابي حفص الابرار عن الاعشى عن ابي

صالح عن ابي هريرة قال قالت فاطمة يا رسول الله زوجتني من

علي وهو فقير لا مال له

قال ﷺ يا فاطمة أما تَرْضَيْنَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ اِطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ

الْأَرْضِ فَاخْتَارَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبُوكِ وَالْآخَرُ بَعْلُكَ

”حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے علیؓ سے میری

شادی کی ہے جب کہ اس کے پاس مال نہیں ہے؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ خدا نے اہل ارض

پر نگاہ ڈالی تو اس نے دو مردوں کا انتخاب کیا۔ اُن میں سے ایک آپؐ کا

والد ہے اور دوسرا آپؐ کا شوہر۔“

ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت زہراؓ سے فرمایا:

أَمَّا تَرْضَيْنَ إِيَّيَ زَوْجَتِكَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ إِسْلَامًا وَأَعْلَنَتْهُمْ جِلْمًا  
وَأَنَّكَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أُمَّتِي كَمَا سَادَتْ مَرْيَمُ نِسَاءَ قَوْمِهَا - أَمَّا  
تَرْضَيْنَ يَا فَاطِمَةُ إِنَّ اللَّهَ إِطْلَعَهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَاخْتَارَ مِنْهُمْ  
رَجُلَيْنِ فَجَعَلَ أَحَدَهُمَا أَبَاكَ وَالْآخَرَ بَعْلَكَ

”کیا آپؓ راضی نہیں ہیں کہ میں نے آپؓ کا نکاح اس شخص سے کیا ہے  
جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا جو سب سے بڑا عالم ہے اور آپؓ  
میری امت کی خواتین کی سردار ہو جیسا کہ مریمؑ اپنی قوم کی عورتوں کی  
سردار تھی۔ اللہ نے اہل زمین پر نظر کی تو اُن میں سے دو مردوں کا انتخاب  
کیا۔ اُن میں سے ایک کو تمہارا والد بنایا اور دوسرے کو تمہارا شوہر بنایا۔“

جب بھی حضرت زہراؓ پر غلی ترقی آتی تو رسول خدا انھیں خدا کی یہ نعمت یاد دلاتے  
تھے کہ اُن کا شوہر امت کا افضل ترین فرد ہے۔

اس یاد دہانی کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بی بیؓ کو سکون اور تسلی محسوس ہو۔ اس امر کی گواہی  
اس روایت سے ملتی ہے جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند کی جلد پنجم کے ص ۲۶ پر معتزل بن یسارؒ کی  
ذہانی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں۔ رسول اکرمؐ اُن کی عیادت کے لیے  
گئے۔ آپؐ نے حضرت سیدہؓ سے پوچھا کہ آپؐ اپنے آپؐ کو کیسا محسوس کرتی ہیں؟

بی بیؓ نے جواب دیا: بابا جان! میں اپنے آپؐ کو سخت غم اور سخت فقر میں پاتی ہوں اور  
میری بیماری طویل ہو چکی ہے۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا تَرْضَيْنَ إِيَّيَ زَوْجَتِكَ أَقْدَمُ أُمَّتِي سِلْمًا وَأَكْثَرُهُمْ عِلْمًا  
وَأَعْلَنَتْهُمْ جِلْمًا

”کیا آپؓ اس پر راضی نہیں ہیں کہ میں نے آپؓ کی شادی اَوَّلِ الْمُسْلِمِينَ  
سے کی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور جو سب سے بڑا بڑوار ہے۔“

## ایک اور طرح سے وصیت کا اثبات

کوئی بھی ہاشور اور صاحب علم رسول خدا کی اس وصیت سے انکار نہیں کر سکتا کہ رسول اکرم ﷺ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے علم اور اپنی حکمت کا وارث بنا چکے تو آپ نے انھیں یہ وصیت کی تھی کہ وہ آپ کو غسل دیں، کفن پہنائیں اور دفن کریں اور آپ کے قرض کو ادا کریں اور آپ کے وعدوں کو پورا کریں اور لحد میں انھیں اتاریں۔

دیلی نے اس کی روایت کی ہے۔ یہ حدیث کنز العمال کی چھٹی جلد میں موجود ہے اور حدیث کا نمبر ۲۵۸۳ ہے۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یا علی! آپ مجھے غسل دیں گے اور مجھے دفن کریں گے۔

یہ حدیث کنز العمال کی جلد ششم، ص ۳۹۳ میں مرقوم ہے۔ علاوہ ازین مستاحم، جلد ہفتم، ص ۴۵ میں مرقوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ مجھے علیؓ کی وجہ سے پانچ چیزیں ایسی ملی ہیں جو کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ وہ میرا قرض ادا کرے گا اور مجھے دفن کرے گا.....

کنز العمال، جلد ششم، ص ۴۰۳ میں مرقوم ہے کہ جب رسول خدا کے جسد اطہر کو چارپائی پر رکھا گیا اور لوگوں نے چاہا کہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی جائے تو اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا: رسول خدا کے جنازے کا کوئی بھی امام نہ ہوگا۔ آپ زندگی میں بھی ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی ہمارے امام ہیں۔

اس کے بعد لوگ صف در صف آتے رہے اور جنازہ پڑھتے رہے۔ ان کا کوئی امام نہیں تھا۔ وہ بگبیر کہتے تھے اور حضرت علیؓ و رسول خدا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کہتے تھے:

سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْهَدُ  
اَنْ قَدْ بَدَلْتُمْ مَا اَنْزَلْتُمْ اِلَيْهِ وَنَضَمَ لَامَتِهِ وَجَاهَدَنِي سَبِيلَ اللَّهِ حَتَّى  
اَعَزَّ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ وَبَيْنَهُ وَتَكْتُ كَلِمَةً اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْنَا مِنْ يَتِيْمِكَ مَا

أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْهِ وَثَبَّتْنَا بَعْدَكَ وَاجْتَمَعُ بَيْنُنَا وَيُؤْتِنَهُ

”اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔ خدایا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ نبی اکرمؐ پر جو کچھ ٹوٹے نازل کیا تھا انھوں نے اس کی تبلیغ کی تھی اور حیرت انگیز راہ میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو عزت عطا کی اور اپنا فرمان پورا کیا۔ خدایا! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو نبیؐ پر نازل ہونے والی تعلیمات کی اتباع کرتے ہیں اور ہمیں ان کے بعد ثابت قدم رکھ اور ہمیں اور انھیں یکجا کر۔“

اس دعا پر لوگ آمین آمین کہتے تھے۔

اس طرح سے جنازہ ہوا، اور مردوں نے آپؐ کا جنازہ پڑھا۔ پھر عورتوں نے پھر پچوں نے آپؐ کا جنازہ پڑھا۔

ہم نے یہ ساری روایت طبقات ابن سعد سے غسلِ نبیؐ و دفنِ نبیؐ کے باب سے نقل کی ہے۔ اس دن حبیبؑ خدا کے جنازہ کے لیے سب سے پہلے بنی ہاشم آئے۔ پھر مہاجرین آئے، پھر انصار آئے۔ پھر دوسرے لوگ آئے۔

رسولؐ خدا کی سب سے پہلے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ دونوں صف بنا کر کھڑے ہوئے اور پانچ تکبیرات کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھی۔ (اصحیٰ کلام سیدنا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ)





## وصیت کے متعلق چند نصوص

امیر المومنین حضرت علیؑ کی وصایت کے متعلق قرن اول کے مہاجرین، انصار اور تابعین کے جن شعراء نے اپنی نظموں میں اظہار خیال کیا ہے ہم انہیں اس وقت نہیں لانا چاہتے۔ اب ہم وہاں پیغمبرؐ کا تذکرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے آپؐ کی وصیتوں پر کیسے عمل کیا۔

ہم نے سابقہ بیانات میں عرض کیا ہے کہ حضرت علیؑ بختہ نبویہ کے روزہ اول سے لے کر رسولؐ خدا کی زندگی کے آخری لمحات تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے ہیں۔

کتاب ابی اسحاق میں مرقوم ہے کہ رسولؐ خدا کی طبیعت انتہائی نفیس تھی کہ حضرت ابوبکرؓ آئے اور کہا: یا رسول اللہ! موت کب ہے؟  
آپؐ نے فرمایا: بس آنے کو ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اللہ البستعان علی ذلک۔ پھر آپؐ کہاں جا میں گئے؟  
رسولؐ اکرمؐ نے فرمایا: میں سورۃ النہل، جنت المادئی، رفیق اعلیٰ کے پاس جاؤں گا اور پرمسرت زندگی گزاروں گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: آپؐ کو غسل کون دے گا؟  
رسولؐ اکرمؐ نے فرمایا: میرے خاندان کے افراد قریب سے قریب تر افراد مجھے غسل دیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ہم آپؐ کو کس چیز کا کفن پہنائیں؟  
رسولؐ اکرمؐ نے فرمایا: میں نے جو کپڑے پہن رکھے ہیں یا پھر یمانی حلتہ یا پھر مصر

کے سفید کپڑے کا کفن دینا۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا: آپؐ پر نماز کیسے پڑھی جائے؟ اس وقت گریہ کی آوازوں سے زمین لرز اٹھی۔

نبی اکرمؐ نے رونے والوں سے فرمایا: صبر کرو، خدا تمہیں معاف کرے۔  
جب میرا غسل و کفن مکمل ہو جائے تو پھر اسی گھر میں میری قبر کے کنارے چار پانی پر مجھے لٹا دینا، تم سب یہاں سے چلے جانا، سب سے پہلے میرا خدا مجھ پر درود بھیجے گا۔ پھر ملائکہ کو میرے جنازہ کی اجازت دی جائے گی۔ سب سے پہلے جبریل ائین نازل ہوں گے، پھر اسرائیل، پھر میکائیل، پھر ملک الموت ملائکہ کے بہت سے لشکروں کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اس کے بعد تم گروہ در گروہ میرے پاس آنا اور مجھ پر صلوات و سلام پڑھنا اور مجھے اذیت نہ دینا۔ میرے جنازہ کی انتہا وہ کرے جو میرا سب سے زیادہ قربت دار ہو، پھر ترتیب وار میرے اہل بیتؑ میرا جنازہ پڑھیں، پھر عورتیں اور بچے۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا: آپؐ کی قبر میں کون داخل ہو؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے قربت دار ملائکہ کے ساتھ داخل ہوں گے، جو تمہیں دکھائی نہ دیں گے۔ تم اٹھو اور ان لوگوں کو میرے پاس آنے دو، جو تمہارے پیچھے ہیں۔  
راوی کا بیان ہے کہ میں نے حرث بن نمرہ سے کہا: تجھ سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟

اُس نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن مسعود نے بیان کی ہے۔

حضرت علیؓ سے متحول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جب رسولؐ خدا مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس عرصہ میں ہر رات اور ہر دن جبریلؑ آنحضرتؐ پر نازل ہوتے تھے اور کہتے تھے: السلام علیک ”آپؐ کا رب آپؐ پر سلام بھیج رہا ہے“ اور خدا پوچھ رہا ہے کہ آپؐ اپنے آپؐ کو کیسا پارہے ہیں؟ جب کہ خدا آپؐ کی حالت کو آپؐ سے بھی پتہ جاتا ہے۔ اس ذریعہ سے وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آپؐ کی عظمت اور شرف میں اضافہ کرے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اس طرح سے مریض کی عیادت کو

آپ کی اُمت میں سنت کا درجہ حاصل ہو۔

اگر نبی اکرمؐ تکلیف محسوس کر رہے ہوتے تھے تو آپؐ جبرئیلؑ سے فرماتے تھے: میں درد محسوس کر رہا ہوں۔“

اس وقت جبرئیلؑ یہ کہتے تھے کہ محمدؐ! آپؐ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ نے آپؐ پر کوئی سختی نہیں کی اور اس کی تمام مخلوق میں آپؐ سے زیادہ اُسے اور کوئی پیارا نہیں ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ وہ آپؐ کے کراہنے کی آواز سنے اور آپؐ کی دعاؤں کو سنے، تاکہ جب آپؐ کی اس سے ملاقات ہو تو اس درجہ اور ثواب کے مکمل اہل ہوں جو کہ اس نے آپؐ کے لیے آمادہ کیا ہے۔

اگر نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ سے یہ کہتے کہ میں سکون اور راحت محسوس کر رہا ہوں تو جبرئیلؑ یہ کہتے تھے کہ آپؐ اس پر خدا کی حمد بجالائیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ آپؐ اس کی حمد بجالائیں اور اس کا شکر ادا کریں، تاکہ وہ اپنی عطائیں اور اضافہ کرے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی حمد کی جائے اور شکر کرنے والے کو مزید نعمات سے نوازے۔

حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ جب جبرئیلؑ آتے تو ہم اُن کی آمد کو محسوس کر لیتے تھے۔ میرے علاوہ گھر کے تمام افراد گھر سے نکل جاتے تھے۔ جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا:

محمدؐ! آپؐ کا رب آپؐ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ آپؐ کو جاننے کے باوجود آپؐ سے پوچھتا ہے کہ آپؐ اپنے آپؐ کو کیسا پارہے ہیں؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں اپنے آپؐ کو ٹھنڈا پارہا ہوں۔

جبرئیلؑ نے کہا: محمدؐ! مبارک ہو اس تکلیف کے ذریعے سے خدا یہ چاہتا ہے کہ آپؐ کی عظمت و مقام میں اضافہ ہو۔

نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک الموت نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے، میں نے اُسے اجازت دی ہے۔ وہ داخل ہوا تو میں نے اُس سے کہا کہ وہ تیری آمد کا انتظار کرے۔

جبرئیلؑ نے کہا: محمدؐ! آپؐ کا رب آپؐ کا مشتاق ہے۔ آج تک آپؐ سے پہلے ملک الموت نے کسی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ ہی آپؐ کے بعد وہ کسی سے اجازت طلب کرے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جبرئیل! اس کے آنے تک آپ کہیں نہ جانا۔  
پھر عورتوں کو اندر آنے کی اجازت دی گئی تو عورتیں اندر آئیں۔ آپ نے اپنی بیٹی  
فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا: آپ میرے قریب آجائیں۔

بی بی ﷺ اپنے بابا پر جھک گئیں۔ آپ نے اپنی بیٹی سے سرگوشی کی۔ بی بی نے سر  
اٹھایا تو آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔ پھر آنحضرتؐ نے بیٹی کو قریب آنے کا حکم  
دیا۔ بی بی اپنے بابا پر جھک گئیں۔ آپ نے بیٹی سے سرگوشی میں کچھ باتیں کہیں۔

اب کی بار حضرت سیدہؓ نے سر اٹھایا تو آپ مسکرا رہی تھیں۔ ہمیں اس پر تعجب ہوا۔  
ہم نے بی بی سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ پہلی بار میرے والد محترم نے مجھے  
اپنی موت کی خبر دی تھی، اس لیے میں رونے لگی تھی۔

دوسری بار میرے والد محترم نے فرمایا: بیٹی! جزع فزع نہ کرو، میں نے خدا سے سوال  
کیا ہے کہ میرے اہل بیتؑ میں سے سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملو۔ خدا نے میری یہ دعا  
سن لی ہے۔ جب رسول خداؐ نے مجھے میری جلد وفات کی خبر دی تو میں ہنسنے لگی۔ پھر رسول خدا  
نے حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور انھیں پیار کیا۔ ان کی خوشبو سونگھی۔ دونوں بھائی رو رہے تھے۔  
رسول خداؐ نے ان کے آنسو پونچھے۔

علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؐ نے اپنے آبائے  
طاہرین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو  
آپؐ نے اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب اور امیر المومنین علیؑ کو بلایا۔ پھر آپؐ نے عباسؓ  
سے فرمایا: اے عم محمد! کیا آپ اس شرط پر میری میراث حاصل کریں گے کہ آپ کو میرے  
قرض ادا کرنا ہوں گے اور میرے وعدے وفا کرنا ہوں گے؟

عباسؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کثیر العیال اور بوڑھا شخص ہوں اور میں قلیل  
حال رکھتا ہوں۔ آپ تو ہوا کا جود و سخاوت میں مقابلہ کرتے ہیں، لہذا میں یہ ذمہ داری نہیں  
نبھا سکتا۔

رسول خداؐ نے یہی پیش کش دوسری بار دہرائی۔ عباسؓ نے وہی پہلے والا جواب دیا۔

اس وقت رسول خداؐ نے فرمایا: میں اپنی میراث اس کے حوالے کروں گا جو اس کا حق ادا کرے گا۔

پھر رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! اے برادرِ محمدؐ! کیا تو محمدؐ کے وعدے پورے کرے گا اور کیا تو اس کا قرض ادا کر کے اس کی میراث حاصل کرے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنی انگشتی اتاری اور فرمایا: آپؐ اسے میری زندگی میں پہن لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ انگشتی اپنی انگلی میں پہنی۔ پھر رسول خداؐ نے آواز دے کر بلالؓ کو بلایا اور اس سے فرمایا: میری زرہ، خود، پرچم اور میری تلوار ذو الفقار لاؤ اور اس کے ساتھ میرا عمامہ، صحاب، چادر، لوٹا اور عصا لے کر آؤ۔

پھر آپؐ نے فرمایا: علیؓ! جبرئیلؑ میرے پاس یہ چیزیں لائے تھے اور کہا تھا: محمدؐ! انھیں زرہ کے حلقہ میں داخل کرو۔

پھر آپؐ نے اپنی نعلین کے دو جوڑے منگوائے۔ ایک گاٹھی ہوئی تھی اور دوسری گاٹھی ہوئی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ وہ قمیص بھی تھی جس میں آپؐ کو معراج نصیب ہوئی تھی اور وہ قمیص بھی تھی جسے آپؐ نے جنگِ احد میں زیب تن کیا تھا اور اس کے ساتھ آپؐ کی تین ٹوپیاں بھی تھیں۔ ایک سفر کی ٹوپی تھی، ایک عیدین کی ٹوپی تھی اور ایک عموٰی استعمال کے لیے تھی۔

پھر نبی اکرمؐ نے بلالؓ سے فرمایا: میرے دو فخرِ صہباء، ذلال اور میری دو اونٹنیاں، عضباء اور صہباء لاؤ اور اس کے ساتھ میرے دو گھوڑے لاؤ۔

واضح رہے کہ ایک گھوڑے کا نام ”جناح“ تھا وہ مسجد کے دروازے پر بندھا رہتا تھا۔ رسول خداؐ نے کسی کو کسی کے پاس قاصد بنا کر بھیجنا ہوتا تھا تو آپؐ اُسے جناح پر سوار کر کے بھیجا کرتے تھے۔

دوسرے گھوڑے کا نام حمزم تھا جسے آپؐ اپنے پاس بلاتے تو فرماتے تھے:  
اقْدِمْ حَيْزُومَ "حمزم آگے آؤ۔"

الغرض حضرت بلالؓ نے دونوں گھوڑے پیش کیے۔ آپؐ کا ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔ حضرت بلالؓ اُسے بھی لے آئے۔

پھر رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے علیؓ! یہ تمام چیزیں میری زندگی میں لے لو، تاکہ میرے بعد آپؐ سے کوئی ان کے لیے جھگڑانہ کرے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنی مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، اپنے شوہر کو پیغام بھیجو کہ وہ میرے پاس آئیں۔

حضرت زہراؓ نے اپنے فرزند حسینؓ سے فرمایا: آپؐ جا میں اور اپنے بابا جان سے کہیں کہ میرے نانا جان آپؐ کو بلا رہے ہیں۔

حسینؓ بن علیؓ گئے اور اپنے والد کو لائے۔ حضرت علیؓ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ اپنے والد ماجد کے پاس بیٹھ کر بین کر رہی تھیں:

بابا جان! آپؐ کی تکلیف ہمارے لیے باعثِ رنج ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: بیٹی! آج کے بعد تیرے والد پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: فاطمہؓ! نبیؐ کی وفات پر گریبان چاک نہیں کیا جاتا اور چہرے کو خراشدار نہیں کیا جاتا اور ہلاکت جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے۔ اس کے بجائے وہی الفاظ کہیں جو کہ میں نے اپنے فرزند ابراہیمؑ کی موت کے موقع پر کہے تھے۔ میں نے کہا تھا: ”آنکھیں برس رہی ہیں اور دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔“ لیکن ہم ایسی بات نہیں کہتے جو ہمارے رب کو ناراض کر دے۔ ”ابراہیمؑ! حمیری وجہ سے ہم مغموم ہیں۔“ ”اگر ابراہیمؑ زندہ رہتا تو وہ نبیؐ ہوتا۔“

پھر آپؐ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے علیؓ! میرے قریب آؤ اور اپنا کان میرے منہ پر رکھو۔ حضرت علیؓ نے ایسا ہی کیا۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: بھائی! کیا آپؐ نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا:

إِنَّ الدِّينَ أَمَنُؤَا وَعَبِلُوا الصَّلٰحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُم خَيْرُ النَّبَرِيَّةِ ۝

”بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو وہ بہترین خلقت

ہیں۔“ (سورۃ بینہ: آیت ۷)

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! رسول خداؐ نے فرمایا: وہ آپؐ اور آپؐ کے شیعہ ہیں، جو قیامت کے دن روشن چہروں کے ساتھ آئیں گے اور وہ سیر و میراب ہوں گے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی:  
 اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشٰكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ  
 خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ۝ (سورۃ بینہ: آیت ۶)  
 ”بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے شرک کیا ہے  
 وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں ہوں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔“

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! رسول خداؐ نے فرمایا: وہ حیرے دشمن اور اُن کے پیروکار ہیں۔ وہ قیامت کے دن بھوکے پیاسے ہوں گے۔ بد بخت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے، کفار و منافق ہوں گے۔  
 اے علیؑ! پہلی آیت حیرے اور حیرے شیعوں کے لیے ہے اور دوسری آیت حیرے دشمنوں اور اُن کے پیروکاروں کے لیے ہے۔

جب رحلت کی گھڑی قریب آئی تو امیر المومنینؑ آنحضرت ﷺ کے پاس موجود تھے اور جب روح کی پرواز کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا:

اے علیؑ! میرا سراپنی آغوش میں رکھ لو، خدا کا فرمان پہنچ چکا ہے۔ جب میری جان نکلے تو اپنے ہاتھ کو میرے منہ کے قریب کرنا اور پھر اپنے چہرے کو مس کر لینا۔ بعد ازاں مجھے قبلہ رخ کر دینا اور میرے معاملات سنبھال لینا اور تمام لوگوں سے پہلے مجھ پر نماز جنازہ پڑھنا اور لحد میں دفن کرنے سے قبل مجھ سے جدا نہ ہونا اور خدا سے مدد طلب کرنا۔

حضرت علیؑ نے آپؐ کا سر اٹھ کر اپنی گود میں رکھا۔ آنحضرتؐ بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت حضرت زہراءؑ آپؐ کے چہرے کو دیکھ کر گریں اور رورور کر یہ اشعار پڑھے:

وابيض يستسقى الغمام لوجهه شمال اليتامى عصمة للارامل

”وہ سفید چہرے والا جس کے چہرے کو بادل دیکھیں تو برس پڑیں۔ وہ

یتامی کی پناہ گاہ اور یتیم گاہ کا سہارا ہے۔“

رسول خدا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور نہایت ہی نحیف آواز میں فرمایا: بیٹی! یہ تمہارے چچا ابوطالب کا شعر ہے۔ اس وقت یہ شعر نہ پڑھیں۔ اس کے بجائے یہ آیت پڑھیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ

قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (سورہ آل عمران: آیت ۱۴۴)

”محمدؐ بس ایک رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر

محمدؐ مر جائے یا قتل ہو جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟“

یہ سنا تو حضرت سیدہؓ دیر تک روتی رہیں۔ بعد ازاں رسول خدا نے بی بی کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ بی بی قریب ہوئیں۔ رسول خدا نے اُن سے کوئی سرگوشی کی جس کی وجہ سے بی بی کا چہرہ چمکنے لگا۔ پھر آنحضرتؐ کی وفات ہو گئی۔ اس وقت امیر المومنین علیؓ کا ہاتھ آپؐ کی ٹھوڑی کے نیچے تھا۔ جیسے ہی آپؐ کی روح نے پرواز کیا تو حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ کو چہرے کی طرف کیا اور اسے اپنے چہرے پر پھیرا۔ بعد ازاں حضرت علیؓ نے سید العالمین صلوات اللہ علیہ کو سیدہا لٹایا اور آپؐ کے جسم اطہر پر چادر ڈالی اور آنحضرتؐ کے جمیز و مخفین کے معاملات میں مصروف ہو گئے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: رسول خدا ﷺ نے حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ آپؐ کے علاوہ مجھے کوئی اور غسل نہ دے۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا: مجھے پانی کون پکڑائے گا؟ آپؐ وزنی جسم کے مالک ہیں، میں آپؐ کا پلو تہہ دل نہیں کر سکتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کام میں جبریلؑ آپؐ کی مدد کرے گا اور فضل بن عباس آپؐ کو پانی دے گا۔ آپؐ اس سے یہ کہتا کہ وہ میرے غسل کے وقت اپنی آنکھوں کو



بندر رکھے، کیونکہ آپؐ کے علاوہ اگر کسی نے میری شرم گاہ پر نظر ڈالی تو وہ اندھا ہو جائے گا۔ چنانچہ غسل کے وقت فضل پانی دیتے رہے اور جبریلؑ آپؐ کی مدد کرتے رہے اور حضرت علیؑ غسل دیتے رہے۔

پھر جب غسل و کفن کا مرحلہ مکمل ہو گیا تو رسولؐ خدا کے چچا عباسؑ آئے اور حضرت علیؑ سے کہا: لوگوں کی خواہش ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو بقیع میں دفن کیا جائے اور ایک شخص آپؐ کی نماز جنازہ کی امامت کرائے۔

حضرت علیؑ گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا: لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ رسولؐ خدا زندگی میں بھی ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی آپؐ ہمارے امام ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسولؐ خدا نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو قبروں کو مصلیٰ بناتے ہیں؟ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود بنائیں؟ اور اس طرح سے آپؐ نے ان پر لعنت کی تھی، جنہوں نے آپؐ کے دندان مبارک شہید کیے تھے اور آپؐ کے مسوڑھوں کو چیرا تھا؟

لوگوں نے کہا: معاملہ آپؐ کے ہاتھ میں ہے، آپؐ جو چاہیں کریں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: میں رسولؐ خدا کو اسی جگہ دفن کروں گا جہاں ان کی وفات ہوئی ہے۔ پھر حضرت علیؑ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے آنحضرتؐ کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: دس دس افراد ٹولی بنا کر آئیں اور آنحضرتؐ پر نماز پڑھ کر باہر نکل جائیں۔

جب امیر المومنین علیؑ نے رسولؐ مقبول ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فضل بن عباسؑ کو بلایا اور ان سے فرمایا: آنکھوں پر پٹی باندھ لو اور مجھے پانی پکڑاتے رہو۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ خدا کی قمیص کو گریبان سے پھاڑا اور ناف تک لے گئے اور یوں آپؐ نے آنحضرتؐ کو غسل دیا اور حوط کیا اور کفن پہنایا۔ اس سارے کام میں فضل بن عباسؑ آپؐ کی مدد کرتے رہے۔ جب آپؐ ان امور سے فارغ ہوئے تو آپؐ اکیلے کھڑے ہوئے اور تن تنہا آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی۔ نماز جنازہ میں آپؐ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں تھا۔

اس وقت مسلمان مسجد میں جمع تھے اور باہمی صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ آنحضرتؐ کی نماز جنازہ کی امامت کون کرائے اور آپؐ کو کہاں دفن کیا جائے؟

حضرت علیؑ علیہ السلام لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا:

رسولؐ خدا اپنی زندگی میں بھی ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی آپؐ ہی ہمارے امام ہیں۔ تم میں سے لوگ گروہوں کی شکل میں جائیں اور امام کے بغیر نماز جنازہ پڑھیں اور باہر آجائیں۔ خدا جس جگہ پر نبیؐ کی روح قبض کرتا ہے اسی جگہ کفن کی قبر کے لیے پسند کرتا ہے۔ میں رسولؐ خدا کو اسی جگہ دفن کروں گا جہاں آپؐ کی وفات ہوئی ہے۔

تمام لوگوں نے حضرتؑ کی باتوں سے اتفاق کیا۔ جب مسلمان جنازہ پڑھ چکے تو عباسؑ نے ایک شخص کو ابوعبیدہ بن جراح کو بلانے کے لیے بھیجا۔ وہ اہل مکہ کے لیے قبریں کھودا کرتے تھے اور گڑھے نما قبر بناتے تھے۔ مکہ میں اسی طرح کی قبر کا رواج پایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ انھوں نے ایک اور شخص کو زید بن کھل کے پاس بھیجا۔ وہ اہل مدینہ کے لیے قبریں کھودا کرتے تھے اور وہ قبر میں لحد بناتے تھے۔ پھر انھوں نے دعا مانگی: پروردگار! تجھے اپنے حبیبؐ کے لیے جیسی قبر پسند ہو اس طرح کی قبر کھودنے والے کو پہلے یہاں لے آ۔

ابوطالب انصاری پہلے آئے۔ اس سے کہا گیا کہ تم رسولؐ خدا کی قبر کھودو۔ اس نے لحد والی قبر تیار کی۔ پھر علیؑ، عباسؑ، فضل بن عباسؑ اور اسامہ بن زیدؓ رسولؐ خدا کو دفن کرنے کے لیے آگے بڑھے۔

اس وقت انصار نے چیخ کر کہا: اے علیؑ! تجھے خدا کا واسطہ ہمیں اس طرح سے نظر انداز نہ کریں۔ اس کا رخیر میں ہمیں بھی شریک کریں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اس کام میں ہم اس بن خوی کو اپنے ساتھ شامل کرتے ہیں۔ (واضح رہے کہ اس بن خوی بدری صحابی تھے اور قبیلہ خزرج کی شاخ بنی عوف کے صاحبِ فضیلت انسان تھے)

اس بن خوی آئے۔ حضرت علیؑ نے اُن سے فرمایا: آپؐ قبر میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ وہ قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ اقدس کا جنازہ اٹھایا اور اُس کی طرف

بڑھایا۔ پھر جب آپ کا جسم نازنین پوری طرح سے زمین پر آ گیا تو حضرت علیؑ نے اس بن خولی سے فرمایا: اب تم اوپر آ جاؤ۔ پھر حضرت علیؑ قبر میں اترے اور آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور داہنا رخسار زمین پر زو قبلہ کر کے رکھا۔ پھر اینٹیں رکھی گئیں اور اوپر مٹی ڈال دی گئی۔  
حضرت علیؑ رسول خدا ﷺ کا مرفیہ پڑھتے تھے اور یہ کہتے تھے:

اَلْمَوْتُ لَا وَالِدًا يُبْقِي وَلَا وَلَدًا  
هَذَا السَّبِيلُ اِلَى اَنْ لَا تَرَى اَحَدًا  
هَذَا النَّبِيُّ لَمْ يَخْلُدْ لِامَّتِهِ  
لَوْ خَلَدَ اللهُ خَلْقًا قَبْلَهُ خَلَدًا  
لِلْمَوْتِ فِينَا سِهَامٌ غَيْرُ خَاطِئَةٍ  
مَنْ فَاتَهُ الْيَوْمَ سَهْمٌ لَمْ يَفْتِهِ غَدًا

”موت نہ تو والد کو چھوڑتی ہے اور نہ ہی اولاد کو بچاتی ہے۔ یہ راستہ یوں ہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ کوئی بھی نہیں رہے گا۔ یہ نیا اپنی اُمت کے لیے ہمیشہ نہیں رہا۔ اگر ان سے پہلے کوئی ہمیشہ رہا ہوتا تو یہ بھی ہمیشہ ہی رہتے۔ ہمارے لیے موت کے پاس ایسے حیر ہیں جو کبھی خطا نہیں کرتے۔ اگر آج کوئی اس حیر سے بچ گیا تو کل نہیں بچے گا۔“

حضرت علیؑ نے پہلے سے قبر رسولؐ کو درست کیا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات ۱۰ ہجری ۲۸ صفر کو ہوئی تھی۔ یہی چیز اہل بیتؑ میں مشہور ہے۔<sup>①</sup>



① یہاں پر مولف کو تسامع ہوا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات ۱۰ ہجری میں نہیں بلکہ ۱۱ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔

## وفاتِ رسولؐ کے بعد وفاتِ زہراؑ کا صدمہ

وفاتِ پیغمبرؐ حضرت علیؑ کے لیے مصائب کا پہاڑ تھی۔ یہ حضرت علیؑ کا ایمان اور آپؐ کا صبر ہی تھا کہ آپؐ نے اتنے بڑے صدمہ کو برداشت کیا تھا۔ اور اگر آپؐ کے پاس صبر کی دولت نہ ہوتی تو آپؐ دنیا میں زندہ ہی نہ رہتے۔ اسی صدمہ کی وجہ سے آپؐ کی ریش مبارک جلد سفید ہو گئی تھی۔

کسی نے آپؐ سے کہا: امیر المومنینؑ! کاش آپؐ مخضاب کر کے اپنے بڑھاپے کو چھپا لیتے!

آپؐ نے فرمایا: مخضاب زینت ہے اور ہم لوگ معصیت میں گرفتار ہیں۔ اس سے آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ ہم پر وفاتِ رسولؐ کی شکل میں مصائب کا پہاڑ ٹوٹ چکا ہے۔ اسی لیے ہمیں مخضاب زیب نہیں دیتا۔

حضرت علیؑ نے پوری زندگی مخضاب نہیں کیا تھا اور مخضاب نہ کرنے کی دو وجوہات تھیں:

- ① وفاتِ رسولؐ کا غم تھا جس کی وجہ سے آپؐ مخضاب نہیں کرتے تھے۔
- ② رسول اکرم ﷺ نے آپؐ کو ایک اور مخضاب کی خبر دی تھی جیسا کہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نے امیر المومنین علیؑ سے عرض کیا: آپؐ مخضاب کیوں نہیں کرتے جب کہ رسول خدا ﷺ مخضاب کیا کرتے تھے؟

آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے کائنات کے سب سے بڑے بد بخت کا اظہار ہے، جو کہ میری داڑھی کو میرے سر کے خون سے مخضاب کرے گا۔ اس کی خبر مجھے رسول خدا ﷺ نے دی ہے۔

رسول خدا ابھی دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ لوگ سقیفہ میں جمع ہوئے جہاں سعد بن عبادہ نے اپنے آپ کو خلافت رسول کے لیے پیش کیا۔ موصوف قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور ان کے مقابلے میں اسید بن حصین یا بشیر بن سعد نے بھی اپنے آپ کو خلافت کے لیے پیش کیا۔ یہ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ دونوں قبیلوں میں قدیم الایام سے محاصرت چلی آرہی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی اس احتجاج میں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی اور لوگوں سے کہا کہ خلافت قریش کا حق ہے، لہذا تم لوگ عمرؓ یا ابوعبیدہؓ میں سے کسی کی بیعت کرلو۔

حضرت عمرؓ نے کہا: آپ کی موجودگی میں ہمیں یہ منصب زیب نہیں دیتا۔ آپ غارِ رقیق ہیں۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار میں سخت تلخ کلامی ہوئی اور معاملہ کالم گلوچ اور دھمکیوں تک جا پہنچا۔

قبیلہ اوس کے سردار نے دیکھا کہ اگر خلافت سعد کو مل گئی تو یہ ان کی شکست متصور ہوگی، اسی لیے اس نے موقع کو قیمت جانا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کی ہمنوائی اختیار کر لی۔

جب قبیلہ اوس نے دیکھا کہ ان کا سردار مہاجرین کی تائید کر چکا ہے تو انھوں نے بھی قبیلہ خزرج کی مخالفت میں مہاجرین کا ساتھ دیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اور سعد بن عبادہ پامال ہوتے ہوئے بچے۔

انھوں نے چخ کر کہا: تم نے تو مجھے مار ڈالا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: سعد کو قتل کرو خدا اُسے قتل کرے۔

اس طرح سے خلافت کا فیصلہ ہوا اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ نامزد ہوئے اور پیغمبر اکرمؐ نے خلافت کے متعلق جتنی بھی جدوجہد کی تھی اس تمام تر جدوجہد کو سقیفہ کی آندھی لے اڑی۔

رحلت رسولؐ کے بعد بہت سے المناک حوادث پیش آئے۔ ہم یہاں ان کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے اور کسی کا دل دکھانا پسند نہیں کرتے۔ ان حوادث سے کتبہ حدیث و تاریخ ہماری پڑی ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت کو ان کا علم ہے۔

ان ایام میں حضرت علیؑ کے موقف کو ہم اختصار سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جب لوگوں کی اکثریت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر چکی تو اہل اقتدار علیؑ کے دروازے پر جمع ہوئے، تاکہ انھیں گھر سے نکال کر ان سے بیعت لی جائے۔ حضرت فاطمہؑ زہراؑ علیہما السلام نے لوگوں کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہ دی۔

پھر یہ لوگ جہوم کر کے حملہ آور ہوئے اور حضرت علیؑ سے ہتھیار چھین کر انھیں مسجد میں لے گئے۔ حضرت فاطمہؑ زہراؑ چلائی ہوئی پیچھے دوڑیں اور آپؑ یہ فرما رہی تھیں:

”لوگو! میرے ابن عم کو چھوڑ دو، میرے شوہر کو چھوڑ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں بال کھول کر اپنے والد کی قمیص سر پر رکھ کر تمہیں بددعا دوں گی۔“

آپؑ مسجد کے دروازے پر پہنچیں۔ آپؑ نے وہاں دردناک منظر دیکھا، جسے ہم بیان نہیں کر سکتے، البتہ آپؑ اپنے شوہر کو چھڑانے اور بیعت سے بچانے میں کامیاب ہوئی تھیں اور پھر وہاں سے اپنے شوہر کو چھڑا کر گھر میں لے آئیں۔

حضرت علیؑ کی نظر میں دنیا تاریک ہو چکی تھی اور اپنی فراخی کے باوجود زمین آپؑ پر تلگ ہو چکی تھی کیونکہ رسول خدا کی وفات نے آپؑ سے ہر خوشی چھین لی تھی۔ ابھی رحلت رسولؐ کا غم بدستور قائم تھا کہ آپؑ کو دوسرا بڑا صدمہ اٹھانا پڑا۔ آپؑ کے گھر میں غموں نے ڈیرے ڈال دیے اور آپؑ کا گھر عملی طور پر عزاخانہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔

حضرت زہراؑ علیہا السلام دن رات اپنے والد کے فراق میں روتی تھیں اور آپؑ کو تسلی دینے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت سیدہ کو قیمتی کا صدمہ تھا اور اس صدمہ میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب اہل حکومت نے آپؑ سے رسول خدا کی مہر کردہ جائیداد فدک کو چھین لیا اور آپؑ کے تمام مالی وسائل پر حکومت نے قبضہ کر لیا اور آپؑ کے دعویٰ کو سرعام جھٹلایا گیا۔

ان تمام واقعات کا آپؑ کی جسمانی صحت پر منفی اثر پڑا۔ آپؑ بیمار ہو گئیں اور روز بروز آپؑ کی بیماری میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپؑ دن رات روتی تھیں۔ لوگوں نے آپؑ کو رونے سے روکا۔ اس کے بعد آپؑ کبھی سید الشہداء حضرت حمزہؑ کی قبر پر جاتی تھیں اور کبھی جنت البقیع میں اور اپنے والد کے غم میں بچن کرتی تھیں۔

حضرت علیؓ نے آپؐ کے رونے کے لیے مدینہ سے باہر ایک گھر بنایا جس کا نام بیت الاحزان رکھا۔ رسولؐ کی دکھیا بیٹیؓ سیدہ فاطمہؓ غم مٹانے کے لیے بیت الاحزان جاتی تھیں۔ والد کی وفات کے بعد کسی نے بھی حضرت سیدہ فاطمہؓ کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک دن حضرت علیؓ گھر میں آئے تو آپؐ نے دیکھا کہ جناب سیدہؓ اپنی اولاد کے سر اور اُن کے کپڑے دھو رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ذہرا! ایک وقت ایسا کام کیوں کر رہی ہیں؟ حضرت سیدہؓ نے عرض کیا: مجھے میری موت کی خبر مل چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں چند دنوں بعد یہ دنیا چھوڑ دوں گی۔ میرے دل میں چند باتیں ہیں۔ یا علیؓ! میں آپؐ کو ان کی وصیت کرنا چاہتی ہوں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: دخترِ رسولؐ! آپؐ جو چاہیں وصیت فرمائیں۔ حضرت علیؓ آپؐ کے سر ہاتھ دھو گئے اور گھر کے تمام افراد کو حجرے سے باہر روانہ کیا، اس کے بعد حضرت سیدہؓ نے عرض کیا: فرزندِ غم! آپؐ نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے اور خیانت کرتے ہوئے نہیں پایا ہے اور جب سے میری ڈولی آپؐ کے گھر میں آئی ہے میں نے آپؐ کے فرمان کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: معاذ اللہ! آپؐ خدا کی ذات کی عالمہ ہیں اور آپؐ کا مقام کتنا بلند و بالا ہے کہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپؐ نے کبھی میری مخالفت کی ہو۔ آپؐ کی جدائی میرے لیے انتہائی شاق ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ یہ مصیبت بڑی تلخ اور دردناک ہے۔ خدا کی قسم! یہ وہ مصیبت ہے جس سے تسلی حاصل کرنا مشکل ہے اور یہ ناقابلِ فراموش المیہ ہے۔

پھر علیؓ و بتولؓ دونوں ہی رونے لگے۔ امیرِ کائنات نے سیدہؓ کا سر پکڑ کر اپنے سینہ سے ملایا اور فرمایا: آپؐ جو چاہیں مجھے وصیت کریں، آپؐ مجھے اپنا وقار پارہیں گی۔ میں آپؐ کی ہر وصیت کو پورا کروں گا۔

حضرت سیدہؓ نے عرض کیا: خدا میری طرف سے آپؐ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میری پہلی وصیت یہ ہے کہ میری وفات کے بعد آپؐ میری بھانجی ”امامہؓ“ سے شادی

کریں۔ وہ میری اولاد سے مجھ جیسا سلوک کرے گی۔ ویسے بھی مرد کے لیے بیوی کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

میری دوسری وصیت یہ ہے کہ آپؐ میرے لیے جنازے کا تابوت بنوائیں۔ ملائکہ نے مجھے اس کی تصویر دکھائی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: آپؐ اس کی شکل و صورت بیان کریں۔

بی بیؑ نے اس تابوت کی شکل و صورت بیان کی۔ حضرت علیؑ نے اسی انداز کا تابوت

تیار کرایا۔

پھر حضرت سیدہؑ نے عرض کیا: میری آپؐ سے یہ وصیت ہے کہ میرے جنازہ میں وہ لوگ شامل نہ ہوں، جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ وہ لوگ میرے اور میرے والد بزرگوار کے دشمن ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص میری نماز جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

یا علیؑ! جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے وہ بھی میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں اور جو ان کے بدکار ہیں وہ بھی میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ جب لوگ سو جائیں تو مجھے رات کی تاریکی میں دفن کرنا۔ اس کے بعد آپؐ کی روح پرواز کر گئی۔

جیسے ہی آپؐ کی وفات کی خبر عام ہوئی تو اہل بیتؑ میں چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ بنی ہاشم کی خواتین آپؐ کے گھر میں جمع ہوئیں اور ان کی آہ و بکا سے شہر مدینہ لرز اٹھا۔

اہل مدینہ سیدہؑ کے جنازہ میں شرکت کی غرض سے حضرت علیؑ کے دروازے پر جمع ہوئے اور جنازہ اٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اعلان کیا کہ آپؐ لوگ واپس چلے جائیں، جنازہ میں تاخیر کر دی گئی ہے۔

اس اعلان کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ جب رات چھا گئی اور اس کا کچھ حصہ گزرا تو حضرت علیؑ نے سیدہؑ کو کپڑوں کے اوپر سے غسل دیا اور رسولؐ خدا کے بچے ہوئے کا نور سے انھیں حوط کیا اور انھیں کفن پہنایا۔ پھر آپؐ نے عمارؓ، مقدادؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ، حمیلؓ، زبیرؓ، بریدہؓ اور بنی ہاشم کے کچھ افراد کو طلب کیا۔

جب وہ حضرات آگئے تو حضرت علیؑ نے سیدہؑ کی نماز جنازہ پڑھی اور انھیں تاریکی شب



میں دفن کیا۔ اس وقت کوئی بھی شخص حتی طور پر نہیں جانتا تھا کہ بی بیؑ کی قبر کہاں واقع ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بی بیؑ کی قبر بقیع میں ہے اور اکثر محدثین کہتے ہیں کہ بی بیؑ کی قبر قبر رسولؐ اور منبر رسولؐ کے درمیان ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ بی بیؑ کی قبر کہاں واقع ہے اور روز قیامت تک سیدہؑ کی قبر نامعلوم ہی رہے گی۔

شہید ملت سید محسن علی نقویؒ نے کیا خوب کہا تھا:

اے شہر مدینہ تیری گلیوں میں ابھی تک  
ہم بیت پیغمبرؐ کی لحد ڈھونڈ رہے ہیں

بی بیؑ کی قبر کے مخفی رہنے میں شاید بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ ان روح فرسا حالات کو یاد کریں جن کا مقابلہ سیدہ زہراؑ کو کرنا پڑا تھا۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات حسرت آیات کے بعد رسولؐ زادی کتنے دن زندہ رہی تھیں اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپؐ اپنے والد کی وفات کے بعد چالیس دن زندہ رہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپؐ پچھتر دن زندہ رہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آپؐ پچانوے دن زندہ رہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ آپؐ چھ ماہ زندہ رہیں۔

ان تمام اقوال کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اہل بیتؑ پیغمبرؐ میں سے سب سے پہلے سیدہؑ کی وفات ہوئی تھی۔ حضرت سیدہؑ کی وفات سے حضرت علیؑ کے مصائب دگنا ہو گئے۔ آپؑ کے لیے اپنے چار بچوں حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور شاہزادی زینبؑ و ام کلثومؑ کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ بچوں نے اپنے نانا کی موت کا شدید صدمہ اٹھایا تھا اور ابھی اس صدمہ سے جانبر نہ ہوئے تھے کہ انھیں والدہ کی رحلت کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اسی طرح سے حضرت سیدہؑ کی تجہیز و تکفین اور خفیہ تدفین بھی حضرتؑ کے لیے کسی بھی قیامت صغریٰ سے کم نہ تھی۔

حضرت سیدہؑ کی وفات ہوئی اور انھیں حالات کی سنگینی کی وجہ سے یوں دفن کیا گیا جیسا کہ وہ کوئی لاوارث خاتون ہوں اور گویا کہ وہ رسولؐ خدا کی پیاری اور اکلوتی بیٹی تک نہ ہوں۔

امیر کائنات نے حضرت سیدہ کو خاموشی سے لہ کے سپرد کیا، تاکہ اُن کی وصیت پر عمل ہو سکے۔ ان تمام مراحل کو آپؐ نے مردانہ وار طے کیا، لیکن جب حضرت سیدہ کو دفن کر چکے تو پھر غم کے طوفان کو نہ روک سکے اور ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھریاں سی لگ گئیں اور آنسو تھے کہ تمہیں کا نام نہیں لیتے تھے۔ اس وقت آپؐ کا چہرہ قبرِ بغیر کی طرف پھر گیا اور آپؐ نے بارگاہِ رسولؐ میں عرض کیا:

السلام عليك يا رسول الله عنى وعن ابنتك النازلة في جوارك  
والسريعة للحاق بك قل يا رسول الله عن صفيتك صبرى ورق  
عنها تجلدى الا ان لى فى التأسى بعظم فرقتك وفادى مصيبتك  
موضع تعز - فلقد وسدتك فى ملحودة تبرك وفاضت بين نهرى  
وصدرى نفسك - انا لله وانا اليه راجعون - فلقد استرجعت  
الوديعة واخذت الرهينة - اما حزنى فسرمد واما ليلى ففسهد  
الى ان يختار الله لى دارك التى انت بها مقيم ، وستنبئك  
ابنتك بتقامز أمتك على هضها فأحفظها السؤال  
واستخبرها الحال ، هذا دلم يطل العهد ولم يخل منك  
الذكر والسلام عليكما سلام مودع لا قال ولا سم فان انصرف  
فلا عن ملالة وان اقم فلا عن سؤ ظن بما وعد الله الصابرين

”یا رسول اللہ! آپؐ کو میری جانب سے اور آپؐ کے پڑوس میں اُترنے والی اور آپؐ سے جلد ملحق ہونے والی آپؐ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یا رسول اللہ! آپؐ کی برگزیدہ (بیٹی کی رحلت) سے میرا صبر و کلیب جاتا رہا۔ میری ہمت و توانائی نے ساتھ چھوڑ دیا، لیکن آپؐ کی مفارقت کے حادثہ عظمیٰ اور آپؐ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر و کلیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا، جبکہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپؐ کو قبر کی لحد میں اتارا اور اس عالم میں آپؐ کی روح

نے پرواز کی کہ آپ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا تھا۔ اِنَّ  
 اللَّهُ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اب یہ امامت پلانٹ کی گئی، گردی رکھی ہوئی چیز چھڑوالی گئی لیکن میرا غم  
 بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی، یہاں تک کہ خداوند عالم  
 میرے لیے بھی اسی گھر کو منتخب کرے، جس میں آپ رونق افروز ہیں۔ وہ  
 وقت آگیا ہے کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائیں کہ کس طرح آپ کی امت  
 نے اُن پر ظلم ڈھانے کے لیے ایکا کر لیا۔ آپ ان سے پورے طور پر  
 پچھیں اور تمام احوال اور واردات دریافت کریں۔ یہ ساری مصیبتیں اُن  
 پر بیت گئیں حالانکہ آپ کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور  
 نہ آپ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی تھیں۔ آپ دونوں پر میرا سلام  
 رخصتی ہو، نہ ایسا سلام جو کسی طول و تنگ دل کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب  
 اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپ سے میرا دل  
 بھر گیا ہے اور اگر ظہر رہوں تو اس لیے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدعن  
 ہوں جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے۔“

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

اَرَى عِلَلِ الدُّنْيَا عَلَيَّ كَثِيرَةً      وَصَاحِبُهَا حَتَّى النِّسَاءِ غَلِيْلٌ  
 لِكُلِّ اجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِيْلِيْنَ فُرْقَةٌ      وَكُلُّ الَّذِي دُونَ انْفِرَاقٍ قَلِيْلٌ  
 وَ اِنَّ اِفْتِقَادِيْ فَاطِمًا بَعْدَ اَحْمَدٍ      ذَلِيْلٌ عَلَيَّ اَنْ لَا يَذُوْمَ خَلِيْلٌ

”میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھ پر دنیا کی تکالیف بہت زیادہ ہیں اور مرتے دم  
 تک میں تو غلیل ہی رہوں گا۔“

ہر دو ساتھی ایک دن جدا ہوں گے اور فراق سے پہلے کی مصیبتیں قلیل  
 ہیں۔ احمد مجھے پہلے ہو گا، بعد فاطمہ کی جدائی اس بات کی دلیل ہے کہ  
 کوئی بھی دوست ہمیشہ باقی نہیں رہے گا۔“

حسبِ ذیل دو بیت بھی آپؐ کی طرف منسوب ہیں:

نَفْسٍ عَلَى ذَمِّهَا مَحْبُوسَةٌ      يَا لَيْتَهَا خَرَجَتْ مَعَ الزَّمَرَاتِ  
لَا خَيْرَ بَعْدَكَ فِي الْحَيَاةِ وَآئِنَّا      أَبْكِي مَخَافَةَ أَنْ تَكُونِ حَيَاتِي

”آہوں اور سسکیوں کے ساتھ میری روح قید میں ہے، کاش وہ ان

آہوں کے ساتھ ہی نکل جاتی۔ آپؐ کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں

ہے۔ میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں میری زندگی لمبی نہ ہو جائے۔“



## بتولؑ کے بعد امیر کائنات کی شادی

سیدہ زہراؑ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کے لیے ضروری تھا کہ آپؑ شادی کریں تاکہ آنے والی بیوی معصوم یتیم بچوں کو سنبھال سکے۔ اس وقت حضرت امام حسنؑ کی کل عمر سات برس اور چند ماہ تھی اور حضرت امام حسینؑ اپنے بڑے بھائی سے چھ ماہ اور چند دن عمر میں چھوٹے تھے۔ اسی طرح سے حضرت زہراؑ کی شاہزادیاں بھی چھوٹی تھیں۔ حضرت علیؑ نے حضرت سیدہ زہراؑ کی وصیت پر عمل کیا اور ان کی وفات کے نو دن بعد آپؑ نے امامہ بنت ابوالحارث سے شادی کی۔

یہ واقعہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی نویں جلد میں تحریر کیا ہے اور انھوں نے یہ روایت شیخ مفیدؒ کے حوالے سے لکھی ہے۔

### علیؑ کی ازواج و اولاد

مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر امیر المومنینؑ کی ازواج اور آپؑ کی اولاد کے متعلق مختصر سا اشارہ کیا جائے۔

امیر المومنینؑ کی چھ بیویاں تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① امام حسنؑ ② امام حسینؑ ③ زینب کبریٰؑ ④ زینب صغریٰؑ ⑤ محمد بن حنفیہ

ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جفر تھا۔ ⑥ عمر ⑦ رقیہ۔ یہ دونوں جڑواں بھائی بہن تھے۔

ان کی والدہ کا نام ”صہباء“ تھا۔ ایک قول کے مطابق اس کا نام ”ام حبیبہ“ تھا۔

① جن کی کنیت ام کلثوم تھی۔ ان سب کی والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ تھیں۔

۸ تا ۱۱ ابو الفضل العباسؑ، جعفرؑ، عثمانؑ اور عبداللہؑ۔ ان چاروں بھائیوں کی والدہ کا نام فاطمہ ام العسینؑ بنت حزام بن خالد کلابیہ تھا۔ یہ چاروں بھائی روز عاشورا شہید ہوئے تھے۔  
 ۱۲ و ۱۳ یحییٰ و حنونؑ۔ ان دونوں کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس خثعمیہ تھا۔ ۱۴ و ۱۵ محمد الاصغرؑ کنیت ابو بکر، عبید اللہؑ۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تھا۔ دونوں بھائی نصرت حسینؑ میں شہید ہوئے تھے۔

۱۶ تا ۱۹ خدیجہؑ، ام ہانیؑ، میمونہؑ، فاطمہؑ۔ ان چار بیٹیوں کی والدہ ام ولد کنیز تھیں۔  
 ۲۰ و ۲۱ ام الحسنؑ، رملہؑ۔ ان کی والدہ کا نام ام شعیب دارمیہ تھا۔ اس کے علاوہ کچھ حضرات نے ان کا نام ام سعید اور کچھ نے ام مسعود مخزومیہ لکھا ہے۔  
 ۲۲ تا ۲۶ نفیہؑ، زینب الصغریٰؑ، ام سلمہؑ، ام الکرام اور جمانہ مختلف ماؤں سے پیدا ہوئی تھیں۔

آپؐ کی اولاد صرف حسب ذیل پانچ بیٹوں سے چلی:

① امام حسنؑ ② امام حسینؑ ③ محمد بن حنفیہؑ ④ ابو الفضل العباسؑ ⑤ عمرؑ۔  
 جب تک حضرت فاطمہ زہراؑ زعمہ رہیں تب تک حضرت علیؑ نے کوئی اور شادی نہیں کی تھی۔ اس سے قبل رسولؐ خدا نے بھی حضرت خدیجہؑ کی زندگی میں کوئی اور شادی نہیں کی تھی۔  
 حضرت علیؑ کو رسولؐ خدا کے اس فرمان کا پاس تھا:

مَنْ أَذَاهَا فَقَدْ أَذَانِي

”جس نے فاطمہؑ کو اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔“

حضرت علیؑ حضرت زہراؑ کی زندگی میں دوسرا عقد کر کے انھیں اذیت نہیں دینا چاہتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے حعلق یہ مشہور ہے کہ آپؐ نے چار آزاد عورتوں اور دس کنیزوں سے شادی کی تھی۔

مناقب میں شیخ مفیدؒ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ آپؐ کی جملہ اولاد کی تعداد پچیس افراد پر مشتمل ہے، جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ کی اولاد کی تعداد پینتیس تھی۔



## مجلس شوریٰ اور حضرت عثمانؓ

ہم نے گذشتہ صفحات میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا تھا جن کی وجہ سے امیر المومنین علیؓ کو گوشہ نشینی اختیار کرنا پڑی تھی۔ اس گوشہ نشینی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی اور سقیانی حکومت قائم ہوئی۔

جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے دس برس اور چند ماہ حکومت کی۔ ان پر حملہ ہوا اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ اب وہ حریہ زندہ نہیں رہ سکتے تو انھوں نے خلافت کے لیے شوریٰ قائم کی۔ یہ شوریٰ چھ افراد پر مشتمل تھی اور انھوں نے یہ حکم دیا تھا کہ انھی چھ افراد میں سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

جب خلیفہ ثانی نے یہ دیکھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو انھوں نے خلیفہ کی تعیین کے لیے لوگوں سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا: آپ اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کو خلافت کے لیے نامزد کریں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: خدا کی پناہ، خطاب کی اولاد میں سے دو افراد حاکم نہیں بنیں گے۔ عمر نے جو بوجھ اٹھایا ہے بس وہی کافی ہے۔ میں زندگی اور موت میں اس کا بوجھ نہیں اٹھانا چاہتا۔

پھر انھوں نے کہا: جب رسول خدا کی وفات ہوئی تھی تو آپ قریش کے ان چھ افراد میں سے راضی تھے لہذا ان افراد کو ہی خلافت کے لیے نامزد کرتا ہوں اور وہ افراد یہ ہیں:

① علیؓ ② عثمانؓ ③ طلحہؓ ④ زبیرؓ ⑤ سعد بن ابی وقاصؓ ⑥ عبدالرحمن بن عوفؓ۔

میں جیسے کئی خوردگی بناتا ہوں یہ لوگ اپنے میں سے ایک شخص کا انتخاب کریں گے۔  
پھر حضرت عمرؓ نے مذکورہ جیسے افراد میں سے کہا: کیا تم میں سے ہر شخص خلافت کا متنبی ہے؟ یہ سن کر سب خاموش رہے۔

حضرت عمرؓ نے یہی سوال دوبارہ کیا تو اس کے جواب میں ان سب نے کہا: ہمارے اندر کیا خرابی ہے؟ آپ بھی تو حاکم رہے ہیں۔ ہم قریش میں آپ سے کم تر درجہ کے حامل تو نہیں ہیں۔ ہم تو سبقت اسلام میں آپ سے کم ہیں اور نہ ہی قرابت رسولؐ میں آپ سے کم ہیں۔  
حضرت عمرؓ نے کہا: کیا میں تمہیں تمہاری اصلیت نہ بتاؤں؟

سب نے کہا: جی ہاں، اگر ہم نے یہ کہا کہ آپ کچھ نہ کہیں پھر بھی آپ ضرور بات کریں گے، لہذا آپ نے جو کہنا ہے وہ کہہ دیں۔

حضرت عمرؓ نے زہیر کی طرف دیکھا اور اس کے فرائض بیان کیے۔ پھر طلحہ کی طرف دیکھا اور اسے اس کا سیاہ ماضی یاد دلایا۔ پھر انھوں نے سعد بن ابی وقاص کی طرف رخ کیا اور اسے اس کے فرائض یاد دلانے۔ پھر وہ عبدالرحمن بن عوف کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ تو محض ایک عاجز انسان ہے تو اپنی قوم سے محبت رکھتا ہے

اس کے بعد خلیفہ ثانی حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا:  
یا علی! اگر تمام اہل ارض کے ایمان کے ساتھ آپ کے ایمان کا موازنہ کیا جائے تو آپ کا پلڑا جھکا ہوا ہوگا۔

حضرت علیؓ نے اپنے متعلق ان کا یہ تبصرہ سنا تو آپ اٹھ کر باہر آ گئے۔  
حضرت علیؓ کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے حاضرین سے کہا: میں ایک ایسے شخص کو بچھانتا ہوں کہ اگر اسے حکمت دے دی جائے تو وہ تم سب کو سیدھے راستے پر چلا سکتا ہے۔  
حاضرین نے کہا: وہ شخص کون ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا: وہ شخص وہی ہے جو ابھی اٹھ کر باہر گیا ہے۔

حاضرین نے کہا: پھر آپ کو کون سی بات مانع ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔



ابن ابی الہدیہ لکھتے ہیں: پھر خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: خدا کی قسم! تو خلافت کی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔ کاش کہ تجھ میں حراج کی حادث نہ ہوتی۔ خدا کی قسم! اگر آپ حاکم بن گئے تو آپ لوگوں کو سیدھی اور واضح شاہراہ پر چلا میں گئے۔

پھر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا: عثمان! تیری بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ تجھ سے تو جانور کی "لیڈ" بھی بہتر ہے۔

حضرات! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ وہ بھی افراد تھے جن سے رسول خدا راضی تھے۔ ہم نے اس موضوع پر بیچ البلاغہ کی پہلی جلد میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا: ابوظہر انصاری کو بلایا جائے۔ ابوظہر حاضر ہوئے اور خلیفہ نے اس سے کہا: ابوظہر! جب تم میری تدفین سے فارغ ہو جاؤ تو انصار کے بچپاس مسلح افراد کو ساتھ لے لینا اور ان بھی افراد کو ایک گھر میں جمع کرنا اور ان کے باہر پہرہ دینا۔ دیکھو اگر پانچ کی رائے اور ہو اور ایک کی رائے اور ہو تو پھر اختلاف کرنے والے فرد کو قتل کر دینا۔ اور اگر چار ایک طرف ہوں اور دو ایک طرف ہوں تو پھر دو افراد کو قتل کر دینا۔ اور اگر تین افراد ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف ہوں تو جن میں عبدالرحمن بن عوف شامل ہو انھیں کچھ نہ کہنا اور جن میں عبدالرحمن شامل نہ ہو تو ان پر زور دینا کہ وہ عبدالرحمن کے فیصلہ کو تسلیم کریں اور اگر وہ پھر بھی ہنڈ ر ہیں تو ان تین افراد کو قتل کر دینا۔

اور اگر تین دن گزر جائیں اور یہ کسی کا انتخاب نہ کر سکیں تو ان سب کو قتل کر دینا اور مسلمانوں سے کہنا کہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔

جن بھی افراد پر رسول خدا راضی تھے خلیفہ کی طرف سے ان کی یہ عزت افزائی ہوئی تھی۔ الغرض حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی۔ خلافت کے بھی امیدوار بی بی عائشہؓ کے حجرے میں جمع ہوئے اور باہر ابوظہر اپنے بچپاس مسلح ساتھی لے کر کھڑے ہو گئے۔

جب خلافت کے امیدوار جمع ہوئے تو عمار یاسرؓ نے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر یہ آواز دی: اگر تم نے علیؓ کا انتخاب کیا تو ہم ان کا حکم بھی مانیں گے اور اطاعت بھی کریں گے اور اگر تم نے عثمانؓ کا انتخاب کیا تو ہم حکم عدولی کریں گے۔

ولید بن عقبہ نے آواز دی: اگر تم نے عثمانؓ کا انتخاب کیا تو ہم حکم بھی نہیں گے اور اطاعت بھی کریں گے اور اگر تم نے علیؓ کا انتخاب کیا تو ہم نافرمانی کریں گے۔  
عمار یاسرؓ نے اُسے ڈانٹ کر کہا: اے قاسم! تیرا مسلمانوں کے معاملات میں کیا عمل دخل ہے؟

اس پر دونوں لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسرے لوگوں نے انہیں چھڑایا۔  
مقدادؓ نے دعوائے کے باہر آواز دی: مسلمانو! تم جس کسی کو بنانا چاہو تو تم آزاد ہو لیکن خدا را اُسے خلیفہ نہ بنانا جو بدر میں موجود نہ تھا، جو احد کی جنگ میں بھاگا تھا اور جو بیعت رضوان میں شریک نہ تھا اور جس دن دو گروہ لڑے تو وہ بھاگ گیا تھا۔  
عثمانؓ نے یہ آواز سن کر کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے حکومت مل گئی تو میں تجھے تیرے پہانے ٹھکانے (ربذہ) کی طرف جلا وطن کر دوں گا۔

اب آگے کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔ طلحہ جانتا تھا کہ علیؓ و عثمانؓ کی موجودگی میں اُسے خلافت کا عہدہ نہیں ملے گا۔ اسی لیے اس نے اجلاس میں کہا کہ میں اپنا ووٹ عثمانؓ کے حق میں استعمال کرتا ہوں۔

زبیر حضرت علیؓ کی پھوپھی کا فرزند تھا۔ جب اُس نے طلحہ کا کردار دیکھا تو اُس نے کہا: میں اپنا ووٹ علیؓ کے حق میں استعمال کرتا ہوں۔ اب دونوں فریق مساوی پوزیشن پر آ گئے۔ ایک ووٹ عثمانؓ کے پاس تھا اور ایک ووٹ حضرت علیؓ کے پاس تھا۔

عبدالرحمنؓ اور سعد باقی تھے۔ سعد نے اپنا ووٹ عبدالرحمنؓ کے حق میں استعمال کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سعد جانتے تھے کہ خلافت کا عہدہ ان کے بس میں نہیں ہے۔ عبدالرحمنؓ نے عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے کہا: تم میں سے ایک فرد دستبردار ہو جائے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی دستبردار نہیں ہوا۔

عبدالرحمنؓ نے کہا: اچھا گواہ رہنا کہ میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور تم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کروں گا۔

اس نے ابتدا حضرت علیؓ سے کی اور کہا کہ میں آپؓ کی بیعت کرتا ہوں، اس کے لیے

آپ کو تین شرائط پر عمل کرنا ہوگا:

- ① آپ اللہ کی کتاب پر عمل کریں گے۔
- ② آپ سنت رسول پر عمل کریں گے۔
- ③ آپ ابو بکرؓ اور عمرؓ کی سیرت پر عمل کریں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور اپنے ذاتی اجتہاد پر عمل کروں گا۔

اس کے بعد عبدالرحمن نے حضرت عثمانؓ کی طرف رخ کیا اور یہی تینوں شرائط اُن کے سامنے پیش کیں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے تینوں شرائط منظور ہیں۔

عبدالرحمن نے دوبارہ حضرت علیؓ کے سامنے اپنی شرائط دہرائیں۔ حضرت علیؓ نے پہلے والا جواب دیا۔ الغرض اس نے تین مرتبہ اپنی شرائط دہرائیں۔ ہر مرتبہ آپؓ نے سیرتِ شیعین کی نفی کی۔

اس کے بعد عبدالرحمن نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور کہا: السلام علیک یا امیر المؤمنین!

حضرت علیؓ نے فرمایا: تو نے اسی کی اس طرح سے بیعت کی ہے جیسا کہ خلیفہ دوم نے سقیفہ میں خلیفہ اول کی بیعت کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ آج میں اس کی بیعت کروں تاکہ وہ اپنے بعد مجھے خلافت کا منصب عطا کرے اور تیرا ارادہ بھی یہی ہے کہ ان کے بعد تجھے خلافت ملے۔

حضرت امیر المؤمنین علیؓ کا شورٹلی میں احتجاج اور اپنے فضائل کا اظہار

جب امیر المؤمنین علیؓ نے دیکھا کہ ارکانِ شورٹلی حضرت عثمانؓ کی بیعت پر آمادہ ہیں تو آپؓ نے اتمامِ حجت کے لیے اُن کے سامنے اپنے حق کے لیے احتجاج کیا۔ چنانچہ آپؓ نے شورٹلی کے ارکان کو خطاب کیا اور فرمایا: تم میری باتیں سنو اگر حق پر مبنی ہوں تو قبول کرلو

اور اگر باطل پر مبنی ہوں تو انکار کر دو۔

میں تمہیں اُس خدا کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں جو کہ تمہاری سچائی اور کذب سچائی سے آگاہ ہے:

① مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولِ خدا کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

② کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھوں پر دو ہتھیں (بیعتِ فتح، بیعتِ رضوان) کی ہوں؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

③ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کا ایسا بھائی بھی ہے جسے خدا نے پُر عطا کیے ہوں اور وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

④ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کا چچا سید الشہد ا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی زوجہ کو رسولِ خدا ﷺ نے ”سیدۃ النساء العالمین“ کا لقب دیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑥ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے بیٹوں کو خدا نے رسولِ خدا کے بیٹے کہا ہو اور وہ جوانانِ جنت کے سردار ہوں؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

⑦ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو قرآن کے تمام نسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

- ⑧ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑨ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے جبریلؑ کو وحیِ کلی کی شکل میں دیکھا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑩ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے حالتِ رکوع میں رکوعِ دی ہوا اور  
خدا نے اِنَّا وَلَّيْكُمْ اللّٰهَ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الَّذِيْنَ يٰقِيْنُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ  
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ ذٰكِرُوْنَ کی آیت نازل کی ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑪ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کی آنکھوں پر رسولؐ خدا نے لحابہ دہن  
لگایا ہو اور پھر اُسے اسلام کا پرچم دے کر یثربِ خیر کے مقابلہ میں بھیجا ہو اور اُس نے  
خیبر فتح کیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑫ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی ولایت کا اعلان رسولؐ خدا نے  
خدیجہؓ میں کیا ہو اور مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلِيَ مَوْلَاً..... فرمایا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑬ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے اپنا بھائی قرار دیا ہو اور  
وہ ہمیشہ آنحضرتؐ کا رفیق سفر رہا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑭ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے جنگِ احزاب میں عمرو بن عبدود  
کو قتل کیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔
- ⑮ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو کہ  
اَنْتَ مِيْنِيْ بِسَبْزِلَةٍ هٰذَا دُوْنِ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنْتَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۶) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے خدا نے قرآن کی دس آیات میں

لفظ ”مومن“ کے لقب سے یاد کیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۷) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے جنگِ اُحد میں میرے علاوہ

استقامت دکھائی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۸) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولِ اکرمؐ کا قرض ادا کیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۹) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے رسولِ خداؐ کو غسل و کفن دے کر

انھیں لحد کے سپرد کیا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۰) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولِ خداؐ کے ہتھیار پر چم اور

انگشتی ملی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۱) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے دوشِ رسولؐ پر سوار ہو کر کعبہ

کے بت توڑے ہوں؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۲) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے نام کی منادی آسمان سے آئی ہو

اور ہاتھ نے لَاقَتْسِ اِلَّا عَلٰی لَا سَيْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَارِ کی صدا دی ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۳) کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے لیے پیغمبرؐ خدا نے یہ دُعا کی ہو کہ

خدا یا! اپنا محبوب ترین بندہ بھیج جو میرے ساتھ مل کر یہ بُھٹا ہوا پرندہ کھائے؟ کیا

میرے علاوہ کوئی بھی دُعا کا شر بن کر وہاں پہنچا تھا؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۳ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے آیتِ نبویؐ پر عمل کیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۴ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولِ خداؐ نے اپنا بھائی قرار دیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۵ ایک بار رسولِ خداؐ بھوکے تھے تو کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے ایک سو ڈول پانی کے عوض ایک سو کجوریں حاصل کر کے آنحضرتؐ کو کھلائی ہوں؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۶ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس پر جبریلؑ و میکائیلؑ اور اسرائیلؑ نے عین ہزار ملائکہ کے ساتھ مل کر سلام کیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۷ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے توحید پروردگار کا اقرار کیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۸ کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو میدانِ مہلبہ میں اسلام کی صداقت کا گواہ بن کر گیا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۱۹ کیا میرے اور میرے خاندان کے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جن کے ایثار کو دیکھ کر خدا نے سورۃ دھر نازل کی ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۲۰ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے حلقِ خدا نے أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجَةِ وَجِبَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ..... کی آیت نازل فرمائی ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۶ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے ساتھ رسول خدا نے روزِ طائف سرگوشی کی ہو اور جب سرگوشی طویل ہوئی تو ابو بکرؓ و عمرؓ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں چھوڑ کر علیؓ سے سرگوشی کی ہے؟ رسول خدا نے جواب میں فرمایا: میں نے علیؓ سے سرگوشی نہیں کی بلکہ خدا نے اس سے سرگوشی کی ہے۔  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۷ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسول نے ایک ہزار کلمات تعلیم دیے ہوں پھر ایک کلمہ ایک ہزار کلمات کی کلید بنا ہو؟  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۳۸ خدا کا واسطہ بتاؤ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لیے رسول خدا نے یہ فرمایا ہو:  
أَنْتَ أَقْرَبُ الْخَلْقِ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْخُلُ بِشَفَاعَتِكَ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ

”روزِ قیامت تمام مخلوقات کی بہ نسبت تو مجھ سے زیادہ قریب ہوگا۔ تیری شفاعت کی وجہ سے قبیلہ ربیعہ و قبیلہ مضر کے افراد سے بھی زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے؟“  
حاضرین نے کہا: یہ شرف صرف آپ کے لیے ہے۔

۳۹ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے لیے رسول خدا نے یہ فرمایا ہو:  
يَا عَلِي! أَنْتَ تُكَلِّسُ حَيْثُ أُنْكِسُ ”اے علی! جب مجھے جنت کا لباس پہنایا جائے گا تو اُس وقت تجھے بھی لباسِ جنت پہنایا جائے گا؟“  
حاضرین نے کہا: نہیں۔

۴۰ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسول خدا نے فرمایا ہو:  
يَا عَلِي! أَنْتَ وَشِيعَتُكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟  
”اے علی! قیامت کے دن تو اور تیرے شیعہ کامیاب ہوں گے۔“

الغرض جب ارکانِ شوریٰ نے آپ کے تمام فضائل کا انکار نہ کر سکے تو پھر آپ نے اُن سے فرمایا: ”جب تمہیں میری باتوں کی صداقت کا یقین ہے تو پھر خدا سے ڈرو اور



اس کی نافرمانی نہ کرو اور حق دار کو اس کا حق دو۔“

حاضرین نے ایک دوسرے کو اشارے کیے اور کہا: علیؑ تجھے ہیں اور یہ دوسروں کی نسبت خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، لیکن اگر حکومت اُن کے سپرد کر دی جائے تو یہ مساوات قائم کریں گے اور ہمارے تمام تر امتیازات کو ختم کر دیں گے۔ لہذا انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو عالم اسلام کے کلیدی جہدوں پر سرفراز کیا تھا جہاں انھوں نے خوب گل چمرے اُڑائے اور بیت المال کو لوٹا اور نشہ کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی اور محراب مسجد میں اُٹے کی تو اس سے ساری شراب مسجد میں پھیل گئی۔

آپ بڑے سخی تھے اور انتہائی دریا دل تھے لیکن آپ کی یہ سخاوت اور دریا دلی صرف بنی امیہ کے لیے مخصوص تھی۔ آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے ۳،۳۱۰،۰۰۰ دینار اور پھر ۱۲۶،۷۷۰،۰۰۰ دینار کی رقم فرزند زرقا مروان بن الحکم اور اپنے دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم کی تھی۔

ان کے انجی اعمال کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی اور آپ پر تنقید کرنے والوں میں بی بی عائشہؓ، طلحہ اور زہیر پیش پیش تھے۔ حضرت عائشہؓ حوام کو خلیفہ کے خلاف بھڑکاتی تھیں۔ انھوں نے کئی بار رسول خدا کا قمیص نکال کر لوگوں کو دکھایا اور کہا: مسلمانو! ابھی تمہارے نبی کا پیرا بن بوسیدہ نہیں ہوا لیکن عثمانؓ نے ان کی سنت کو بوسیدہ کر دیا ہے۔

بنی امیہ کے ہاتھوں سے ستائے ہوئے مسلمان کوفہ، بصرہ اور مصر سے نکلے اور وہ گفتگو کے لیے مدینہ آئے، جہاں مروان نے اُن کا سامنا کیا اور انھیں دھمکیاں دیں۔ مقابلہ میں انھوں نے بھی گالیاں دیں۔

جب قصر خلافت کی طرف سے اُن کی آشک شوئی نہ ہوئی تو انھوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ انہی دنوں حضرت بی بی عائشہؓ حج کے لیے روانہ ہوئیں اور لوگوں سے کہا: تم نعل کو قتل کرو، خدا اُسے مارے یہ کافر ہو چکا ہے۔

حضرت علیؑ نے خلیفہ اور اختلاہیوں میں کئی بار مصالحت کی کوششیں کراہیں لیکن

ہر شب تجویز کو مردان سیدنا ذکر کرتا رہا۔ پھر اہل مصر سے سب سے بڑی زیادتی یہ ہوئی کہ اُن سے کہا گیا کہ تمہارے مطالبات خلیفہ نے مان لیے ہیں اور تمہاری مرضی کے گورنر کے نام سرکاری حکم نامہ لکھ دیا گیا ہے، لہذا تم لوگ اطمینان و سکون سے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ اہل مصر مدینہ سے روانہ ہوئے، راستے میں انھیں ایک مشکوک شخص دکھائی دیا جس کا رخ مصر کی طرف تھا۔ ان لوگوں نے اُسے پکڑ لیا۔ وہ خلیفہ کا غلام تھا اور اس کے پاس خلیفہ کا ایک خط تھا جس پر خلیفہ کی ہر خلافت بھی لگی ہوئی تھی۔ اسی خط میں خلیفہ نے اپنے قریبی عزیز گورنر مصر کو لکھا تھا کہ بلوائی لوگ آرہے ہیں۔ ان کے جتنے سرغنے دکھائی دیں ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دو، تاکہ اس کے بعد کسی کو احتجاج کرنے کی جرأت نہ ہو۔

جب انقلابی افراد نے یہ رنگ دیکھا تو اُن کے حصہ کی انتہا نہ رہی اور وہ راستے سے ہی واپس مدینہ آگئے اور انھوں نے خلیفہ کے محل کا محاصرہ شروع کیا اور لوگوں کے آنے جانے پر پابندی عائد کر دی۔ خلیفہ کو شے کی چھت پر چڑھے اور آواز دے کر کہا کہ کوئی علیٰ تنہا میرا یہ پیغام پہنچائے کہ وہ ہمارے پاس پانی بھیجیں۔

یہ اطلاع حضرت علیؓ تک پہنچی تو آپؓ نے اپنے دونوں فرزندوں حسنؓ و حسینؓ علیہ السلام اور اپنے غلام قنبرؓ کو پانی کی مشکیں دے کر روانہ کیا۔ پہلے تو انقلابیوں نے اُن حضرات کو روکا، لیکن بعد ازاں رسول خداؐ سے اُن کی رشتہ داری کو دیکھ کر انھیں اندر جانے کی اجازت دی۔ حضرت امیر مہدیؑ نے حسینؓ کو حکم دیا کہ وہ خلیفہ کے صدر دروازے پر کھڑے ہو جائیں اور کسی بھی مخالف کو اندر نہ گھسنے دیں۔

آخر میں محاصرہ کاروں کو اور راستہ مل گیا۔ وہ قصر خلافت کے قریبی گھر پر چڑھ گئے اور وہاں سے قصر خلافت میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں کی قیادت حضرت ابو بکرؓ کے فرزند محمدؓ کر رہے تھے۔

الفرخ ان لوگوں نے خلیفہ کو ان کے گھر میں قتل کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اس سارے عرصہ میں حضرت علیؓ نے صلح کار کا کردار ادا کیا تھا اور آپؓ نے خلیفہ کو اُن کی ناپسندیدہ حرکات سے بھی باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

آخر میں حضرت علیؓ کی سفارت کاری کام آئی اور آپؓ نے خلیفہ اور انھلاہوں میں مصالحت بھی کرا دی تھی اور تمام فریق مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کا خفیہ خط پکڑا گیا تو اس سے مصالحت کی فضا درہم برہم ہو گئی اور مخالف افراد واپس مدینہ آ گئے۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ آپؓ ان لوگوں سے طیس اور ان سے پوچھیں کہ ہم نے تو ان کے مطالبات بھی مان لیے تھے انھیں واپس آنے کی کیا پڑی تھی؟ حضرت علیؓ نے حاضرین سے گفت و شنید کی تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کا خط اور ان کا فلام اور بیت المال کا آؤٹ پیش کیا۔

حضرت علیؓ نے یہی بات خلیفہ سے کہی تو خلیفہ نے کہا کہ یہ بالکل سچ ہے کہ اس پر میری ہر غیبت ہے اور یہ فلام بھی میرا ہی ہے اور رسم الخط میرے کاتب کا ہے، لیکن میں نے یہ خط نہیں لکھوایا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: تو پھر تمہاری نظر میں اس کا مجرم کون ہے؟

خلیفہ نے کہا: میری نظر میں آپؓ اور میرا کاتب ہی مجرم ہیں!!

حضرت علیؓ ناراض ہو کر اٹھے اور فرمایا: یہ سب کچھ ٹو نے ہی کیا ہے۔ حضرت علیؓ تمام معاملات سے الگ تھلگ ہو گئے، البتہ جب خلیفہ نے پانی طلب کیا تو آپؓ نے جہانان جنت کے سرداروں کے ہاتھوں پانی بھجوایا اور دونوں شاہزادوں نے خلیفہ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش بھی کی تھی۔

حضرت علیؓ کے اس شفاف کردار کے باوجود دشمنان علیؓ نے فتنہ عثمانؓ کا الزام حضرت علیؓ پر عائد کیا تھا اور آپؓ سے انتقام کا مطالبہ کیا تھا۔ پھر وہ اودھم مچا کہ خدا کی پناہ۔ جریرۃ العرب بالخصوص عراق و شام میں خون کے دریا بہائے گئے اور مؤرخین کے بقول اس خانہ جنگی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار انسان قتل ہوئے۔

ان واقعات کا جائزہ آگلی رات کے خطاب میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

## حق بہ حقدار رسید اور جنگ جمل

ہماری کل کی گفتگو خلیفہ ثالث کی وفات پر تمام ہوئی تھی۔ ان کی مدتِ خلافت گیارہ برس گیارہ مہینے اور اٹھارہ دن تھی۔ خلیفہ کے قتل کے بعد مسلمان مسجد نبویؐ میں جمع ہوئے اور امرِ خلافت کے متعلق باہمی مشاورت کرنے لگے۔ وہاں پر موجود عمار یا سر، ابوالیوب انصاریؓ اور ابوالوشم بن تیہان جیسے اکابر نے کہا کہ ہمیں حضرت علیؓ کی بیعت کرنی چاہیے۔ انھوں نے آپؐ کے فضائل و مناقب بیان کیے۔ وہاں پر موجود تمام افراد نے اُن کی تجویز سے اتفاق کیا۔

اس کے بعد ان اکابرین نے مسجد میں خطبات دیے۔ کسی نے کہا کہ علیؓ اس وقت کے تمام مسلمانوں سے افضل ہیں تو کسی نے کہا کہ علیؓ جملہ فرزندانِ اسلام سے افضل ہیں۔ چنانچہ لوگ بڑی تعداد میں جمع ہو کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپؐ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

دَعُونِي وَالتَّبَسُّوا غَيْرِي فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْرًا لَهُ وَجُوهٌ وَلَهُ أَلْوَانٌ  
لَّا تَقْوَمُ لَهُ الْقُلُوبُ

”مجھے چھوڑ دو میرے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو۔ ہمارے سامنے ایسا معاملہ درپیش ہے جو کہ انتہائی پُر پیچ ہے۔ لوگوں کے دل اس میں قائم نہیں رہیں گے۔“

حاضرین نے آپؐ سے کہا کہ خدا را آپؐ عالمِ اسلام پر رحم کھائیے۔ کیا آپؐ حالاتِ حاضرہ کو نہیں دیکھ رہے؟ کیا ہمارے حالات آپؐ سے پوشیدہ ہیں؟ کیا آپؐ فتنہ و آزمائش کو

ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں؟ کیا آپ کو خوفِ خدا نہیں ہے؟

شعبی بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کے لیے اُن کے پاس آئے اور انھوں نے آپؐ کے ہاتھ کو پھیلایا تو آپؐ نے ہاتھ سمیٹ لیا اور آخر کار بڑی مشکل سے حضرتؐ اپنی بیعت پر راضی ہوئے۔ آپؐ نے تمام بیعت کرنے والوں سے فرمایا: مجھے تمھاری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم جسے منتخب کرو میں اس پر راضی ہوں۔ لوگوں نے کہا: آپؐ کے علاوہ ہم کسی اور کو منتخب نہیں کرتے اور ہم بیعت کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

آپؐ نے فرمایا: اگر تمہیں اتنا ہی اصرار ہے تو میری بیعت کسی غصیہ مقام پر نہیں ہوگی۔ میری بیعت مسجد نبویؐ میں ہوگی۔ پھر آپؐ اپنے گھر سے برآمد ہوئے۔ آپؐ نے خذ کی قمیص اور عمامہ پہنا ہوا تھا۔ نعلین ہاتھ میں تھی اور کمان کا سہارا لیا ہوا تھا۔ لوگ آئے اور آپؐ کی سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد زبیر نے بیعت کی۔ ان کے بعد تمام مہاجرین و انصار اور دیگر مسلمانوں نے بیعت کی۔

جب طلحہ و زبیر بیعت کے لیے آگے بڑھے تو آپؐ نے فرمایا: تم دونوں چاہو تو میری بیعت کر لو اور اگر تم مجھ سے اپنے لیے بیعت لینا چاہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپؐ کی بیعت کریں گے۔

لوگ مسجد بن ابی وقاص کو لائے اور اُن سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ سعد نے کہا کہ جب تک اور لوگ بیعت نہ کر لیں تب تک میں بیعت نہیں کروں گا۔ البتہ میں آپؐ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: میں تم پر کوئی جبر نہیں کرتا۔ پھر آپؐ سے فرمایا کہ اسے جانے دیا جائے۔

لوگ عبداللہ بن عمرو کو بیعت کے لیے لائے تو اس نے کہا: جب تک تمام مسلمان بیعت نہ کریں تب تک میں بھی بیعت نہیں کروں گا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: کوئی ضامن پیش کرو۔

عبداللہ نے کہا: مجھے اس وقت کوئی ضامن نہیں دکھائی دیتا۔  
اشتر نے کہا: میں اسے قتل کر دیتا ہوں۔

امام علیؓ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو میں خود اس کا ضامن ہوں۔

الغرض آپؐ کی بیعت جمعہ کے لیے لوگوں کا اتنا بڑا اثر و حام تھا کہ لوگوں کو کچلے جانے کا خوف تھا۔ آپؐ کی بیعت جمعہ کے دن اٹھارہ ماہ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو مکمل ہوئی۔ جیسے ہی بیعت مکمل ہوئی تو آپؐ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ آپؐ نے برسرِ اقتدار آکر پہلا کام یہ کیا کہ آپؐ نے معاشی طبقاتی نظام کو ختم کر کے عدل و مساوات کو قائم کیا۔ آپؐ نے اپنی بیعت کے دوسرے دن بیت المال کے تقسیم کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

”لوگو! جب رسول خدا ﷺ کی وفات ہوئی تو لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ پھر ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اپنا خلیفہ بنایا اور عمرؓ نے اپنے طریقہ پر عمل کیا، پھر اس نے شوریٰ بنائی جس کے نتیجے میں حکومت عثمان کو منتقل ہوئی۔ اس نے کچھ اچھے کام کیے اور کچھ غلط کام کیے۔ نتیجے میں ان کا محاصرہ ہوا اور انھیں قتل کیا گیا۔ اس کے بعد تم لوگ میرے پاس آئے جب کہ مجھے اس عہدہ کی کوئی تمنا ہی نہیں تھی۔ میں بھی قانون سے بلند نہیں ہوں اور تم بھی قانون سے بلند نہیں ہو.....“

پھر آپؐ نے دائیں بائیں دیکھا اور فرمایا:

”میرے متعلق کسی بھی شخص کو یہ موقع نہیں ملے گا کہ وہ یہ کہے کہ انھوں نے جائیدادیں بنائیں اور ان میں نہریں بنائیں اور قیمتی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے غلوت کدہ کو حسین و جمیل کنیزوں سے سجایا۔ میں تمہارے بیت المال کا مالک نہیں ہوں بلکہ امین ہوں اور میں کسی کو بھی اس کے حقوق سے محروم نہیں رکھوں گا۔

جو بھی شخص خدا و رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے اور ہماری امت کی تصدیق کرتا

ہے اور ہمارے دین میں داخل ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ اسلام کے حطا کردہ تمام حقوق میں برابر کا حصہ دار ہے۔ تم خدا کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا ہے۔ اس مال کو برابر اور مساوات کے اصول کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ اس میں کسی کو کسی دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں دی جائے گی جب کہ اہل تقویٰ کو خدا اپنی نوازشات سے قیامت کے دن نوازے گا۔

لوگو! کل آنا۔ ہم یہ مال تقسیم کریں گے۔ کوئی بھی شخص خواہ عربی ہے یا عجمی، وہ تقسیم کے وقت پیچھے نہ رہے۔ کل کے اجتماع میں ہر آزاد مسلمان کو حاضر ہونا چاہیے۔ میں اپنے لیے اور تم سب کے لیے خدا کے حضور مغفرت کا طلب گار ہوں۔“

عمار یاسرؓ اور ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب آپؐ ”منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپؐ نے ہم سے کہا کہ اٹھو اور صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ کہو: کیا تم میں سے کسی کو مساویانہ تقسیم پر اعتراض ہے؟

تمام حاضرین نے بلند آواز سے کہا: ہم سب راضی ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے عمار یاسرؓ سے فرمایا: عمارؓ! اٹھو اور ہر شخص کو تین دینار اور مجھے بھی تین دینار دو۔

اس حکم کے بعد عمارؓ، ابوالہثمؓ اور مسلمانوں کی ایک جماعت بیت المال کی رقم تقسیم کرنے لگی اور آپؐ مسجد قبا میں تشریف لائے، جہاں آپؐ نے نماز پڑھی۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ خزانے میں تین لاکھ دینار تھے اور حاضرین کی تعداد ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھی اور یوں ہر شخص کے حصہ میں تین تین دینار آئے۔

جب تقسیم مکمل ہو گئی تو عمارؓ نے کہا: لوگو! علیؓ کی رقم کی تعداد کا علم نہیں تھا اور یہ علم بھی نہ تھا کہ لوگوں کی تعداد کیا ہے، مگر اس کے باوجود انھوں نے تین تین دینار کا حکم دیا، جسے خدا نے پورا کر دیا۔ یہ خدا کی طرف سے امامت علیؓ کی صداقت کی نشانی ہے اور اس نشانی کا تقاضا

یہ ہے کہ تم ان کی اطاعت کو خدائی فریضہ سمجھ کر قبول کرو۔

آپؐ کی اس مساویانہ تقسیم پر غریب مسلمان بے حد خوش ہوئے، لیکن مراعات یافتہ اشرافیہ طبقہ اس تقسیم پر ناراض ہوا۔ چنانچہ کل بن حنیف آئے اور انھوں نے کہا:

امیر المؤمنین! یہ شخص کل تک میرا غلام تھا۔ میں نے اُسے آج آزاد کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اسے بھی بیت المال سے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا تجھے ملے گا۔ آپؐ نے حکم دیا تھا کہ مال تقسیم کرنے کی ابتدا مہاجرین سے کی جائے گی، پھر انصار کو وظائف دیئے جائیں۔ اس کے بعد علمائے المسلمین کو وظیفہ دیا جائے۔

اس تقسیم میں طلحہ، ذبیر، عبداللہ بن عمر، سعید بن العاص، مروان اور قریش کے کچھ افراد شامل نہیں ہوئے تھے۔

اس مساویانہ تقسیم کی وجہ سے اشرافیہ طبقہ آپؐ کے خلاف بھڑک اٹھا اور اس گروہ نے آپؐ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور یہی سے فتنہ کا آغاز ہوا۔ یہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے اور امام علیؑ کے پاس نہ بیٹھے۔ پھر ولید بن عقبہ امام علیؑ کے سامنے آیا اور اس نے آپؐ سے کہا: ابوالحسن! تو ہمارا قدیمی دشمن ہے۔ تُو نے جنگ بدر میں میرے باپ کو قتل کیا تھا اور میرے بھائی (عثمان) کو تُو نے بے یار و مددگار چھوڑا ہے۔ سعید کا باپ قریش کا پہلوان تھا اُسے تُو نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا اور جب عثمان نے مروان اور اس کے باپ کی سرپرستی کی تو تُو نے مروان اور اس کے باپ کی بے عزتی کی۔ ہم بھی آپؐ کی طرح سے عبد مناف کی نسل ہیں۔ ہم آج اس شرط پر تیری بیعت کریں گے کہ ہم نے آج تک جو دولت جمع کی ہے تو ہم سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا اور عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل کرے گا اور اگر ہمیں تجھ سے خوف محسوس ہوا تو ہم شام چلے جائیں گے۔

امیر المؤمنین علیؑ نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی ذاتی خصامت نہیں ہے، لیکن تم نے ہمیشہ حق کی مخالفت کی ہے اور حق کو اپنا مخالف بنایا ہے۔ میں وہ تم جیسا نہیں معاف نہیں کروں گا جو تم نے بیت المال سے چرائی ہوگی۔ قاتلین عثمانؓ کے مسئلہ پر توجہ دی جائے گی اور اگر تمہیں مجھ سے کوئی خوف ہے تو پھر بے خوف ہو جاؤ۔ میں ناحق کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔ البتہ



اگر مجھے محسوس ہوا کہ تم حالات خراب کر رہے ہو تو پھر میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔  
 ولید یہ جواب سن کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں حضرت کا جواب سنایا جس  
 سے اُن کے غم و غصہ میں حرید اضافہ ہوا۔ حضرت علیؓ و عاتقؓ کی تقسیم کا حکم دے کر مسجد قبا گئے،  
 پھر وہاں سے بیچے اور کدال اٹھا کر اپنے کنوئیں کی کھدائی کے لیے روانہ ہوئے۔  
 آپ کے حکم کے تحت عمارؓ اور عبداللہ بن رافعؓ نے عاتقؓ تقسیم کیے۔ یہ دونوں  
 حضرات عاتقؓ لے کر زبیر، طلحہ اور عبداللہ بن عمر کے پاس گئے لیکن انہوں نے عاتقؓ  
 لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ عاتقؓ تم دے رہے ہو یا تمہارے ساتھی کا بھی حکم ہے؟  
 انہوں نے کہا: یہ اُن کا حکم ہے۔ ہم تو ان کے فرمان کی تعمیل کر رہے ہیں۔  
 ان لوگوں نے کہا ہم اُن سے ملنا چاہتے ہیں تم اُن سے جا کر ہمارے لیے اجازت  
 طلب کرو۔

عمارؓ نے کہا: اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ امیر المومنینؓ کنوئیں پر گئے ہوئے  
 ہیں اور وہاں کام کاج کر رہے ہیں۔

حضرتؓ کے یہ سیاسی حریف سوار یوں پر بیٹھے اور حضرتؓ کے پاس پہنچ گئے۔ اس  
 وقت آپؓ دھوپ میں کام کر رہے تھے اور آپؓ کے پاس ایک مزدور بھی موجود تھا۔  
 ان لوگوں نے کہا: یہاں بہت دھوپ ہے۔ آپ ہمارے پاس سائے میں آجائیں۔  
 آپؓ اُن کے پاس درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے آپؓ سے کہا: ہم نبی اکرمؐ کے قربت دار ہیں اور ہمیں اسلام میں سبقت  
 اور جہاد کا شرف حاصل ہے، لیکن آپؓ نے بیت المال میں ہمیں برابر کا حصہ دیا ہے، جب کہ  
 آپؓ سے پہلے عمرؓ اور عثمانؓ ہمیں دوسروں پر فضیلت دیتے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ ابوبکرؓ کی تقسیم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ  
 اللہ کی کتاب قرآن کریم تمہارے سامنے موجود ہے، تمہیں اس میں جو اضافہ حق و کھائی  
 دے وہ شوق سے حاصل کرو۔

ان دونوں نے کہا: ہماری سبقت اسلام کہاں جائے گی؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: کیا تم دونوں مجھ سے بھی سبقت رکھتے ہو؟

ان دونوں نے کہا: ہنسی سے ہماری قرابت کہاں جائے گی؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے بھی زیادہ آنحضرتؐ کے قرابت دار ہو؟

ان دونوں نے کہا: تو پھر ہمارا جہاد کہاں جائے گا؟

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: کیا جہاد کے لیے تمہاری خدمات مجھ سے زیادہ ہیں؟

پھر امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: سنو! بیت المال کی رقم سے میرے اس مزدور کو بھی تین

دینار ملے ہیں اور مجھے بھی تین دینار ہی ملے ہیں۔

دوسرا دن ہوا طلحہ و زہیر آئے اور مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس دوران

مردان بن الحکم، سعید بن العاص اور عبداللہ بن زبیر بھی مسجد میں آئے اور طلحہ و زہیر کے پاس بیٹھ گئے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بیت المال سے وظائف لینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ لوگ

امیر المومنینؑ پر اعتراض کرنے لگے۔ عمار بن یاسرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آؤ سامنے کچھ

افراد بیٹھے ہیں ان سے چل کر مذاکرات کریں۔

چنانچہ حضرت عمارؓ اور ان کے ساتھی ناراض افراد کے پاس آئے۔ ابوالہیثم نے ان

دونوں کو مخاطب کر کے کہا: آپ لوگوں کو اسلام میں سبقت کا شرف حاصل ہے اور آپ لوگ

امیر المومنینؑ کے قرابت دار ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ امیر المومنینؑ کے خلاف

اعتراض کر رہے ہیں۔ اگر تمہیں ان سے ذاتی پر خاش ہے تو تم جانو اور امیر المومنینؑ

جانیں۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ امیر المومنینؑ نے کوئی غلطی کی ہے تو آپ ہمیں ان کی غلطی سے

آگاہ کریں۔ اگر آپ کی بات معقول ہوئی تو ہم لوگ بھی آپ کی مدد کریں گے، لیکن تم دونوں

یہ بات یاد رکھنا کہ بنی امیہ تمہارے غلط نہیں ہو سکتے۔ وہ تمہیں حنان کا قاتل سمجھتے ہیں۔

زہیر خاموش رہے اور طلحہ نے بلند آواز سے کہا: آپ لوگ صرف تقریریں کرنے آئے

ہیں۔ عمارؓ نے مداخلت کی اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں ابن زبیر نے تند و تلخ

باتیں کیں۔ عمارؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اسے مسجد سے نکال دو۔

ذہیر کو اس سے تکلیف محسوس ہوئی تھی، وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ مسجد سے نکل گیا۔  
 عمارؓ نے کہا کہ اگر تمام لوگ علیؓ بن ابی طالبؓ کو چھوڑ جائیں تو بھی میں ان کا وفادار  
 رہوں گا اور ہمیشہ ان کا مددگار رہوں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؓ روزِ اوّل سے ہی حق کے  
 محافظ رہے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اُمت میں کوئی بھی علیؓ سے افضل نہیں ہے۔  
 عمارؓ اور اُن کے ساتھی امیر المومنینؓ کے پاس گئے اور عرض کیا: یہ لوگ آپؐ کی مخالفت  
 کا مکمل کر اظہار کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو آپؐ کے عدل و مساوات کے خلاف ہیں۔  
 امیر المومنینؓ مسجد میں آئے اور منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا:  
 اے گروہِ مہاجرین و انصار! کیا تم لوگ اپنے اسلام کا خدا اور اُس کے رسولؐ پر  
 احسان جنکاتے ہو؟ جب کہ خدائے مہربان پر اپنا احسان جنکاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت  
 کی ہے۔ سنو! میں ابوالحسن ہوں۔

(آپؐ یہ جملہ اس وقت کہتے تھے جب آپؐ ضحہ میں ہوتے تھے)۔  
 آج تم جس دنیا پر مر رہے ہو اور جس کی تم رغبت کر رہے ہو وہ تمہارا گھر نہیں ہے اور  
 تمہیں اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ جہاں تک بیت المال کی رقم کا تعلق ہے تو اس کی تقسیم کا  
 طریق کار خدا نے خود مقرر کیا ہے۔

لوگو! یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی میرت  
 بھی ہمارے سامنے ہے جسے ہماری تقسیم پسند نہیں ہے وہ کسی اور کو اپنا حاکم بنا لے جو مال اللہ  
 کی اطاعت کرتا ہے وہ کسی سے بھی نہیں گھبراتا۔

پھر آپؐ منبر سے نیچے اترے اور عمارؓ کو بھیج کر طلحہ و ذہیر کو اپنے پاس آنے کو کہا۔  
 دونوں آئے اور امیر المومنین علیؓ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

امام علیؓ نے ان دونوں سے فرمایا: میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر تم سے یہ پوچھتا  
 ہوں کہ کیا تم دونوں میرے پاس بیعت کے لیے نہیں آئے تھے اور اس کام پر تمہیں کسی  
 نے مجبور نہیں کیا تھا؟ اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم دونوں نے کسی مجبوری کے بغیر میری  
 بیعت کی تھی؟

دونوں نے کہا: جی ہاں، یہ درست ہے۔

امام علیؑ نے فرمایا: اب تم دونوں یہ کیا حرکات کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا کہ ہم نے آپؐ کی بیعت اس لیے کی تھی کہ آپؐ تمام معاملات میں ہم سے مشاورت کریں گے۔ آپؐ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم دوسرے لوگوں سے افضل ہیں، لیکن آپؐ نے اپنی مرضی سے بیت المال کی رقم تقسیم کی ہے اور ہماری مشاورت کے بغیر آپؐ نے یہ تمام فیصلے کیے ہیں۔

امام علیؑ نے فرمایا: تم نے چھوٹی سی بات پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ تم خدا سے مغفرت طلب کرو۔ وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ مجھے بتاؤ کہ میں نے تمہارے کون سے حق کو غصب کیا ہے؟

دونوں نے کہا: معاذ اللہ ایسا معاملہ نہیں ہے۔

امام علیؑ نے فرمایا: کیا میں نے بیت المال سے زیادہ حصہ لیا ہے؟

دونوں نے کہا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا اسلام میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی مجھے خبر نہ ہو اور میں نے اپنی طرف سے فیصلہ کیا ہو اور تم سے مشاورت نہ کی ہو؟

دونوں نے کہا: ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

امام علیؑ نے فرمایا: پھر مجھے وہ وجہ بتاؤ جس کی وجہ سے تم نے میری مخالفت کی ہے؟

دونوں نے کہا: آپؐ نے بیت المال کی تقسیم میں عمر بن الخطابؓ کے رویے کی مخالفت کی ہے۔ آپؐ نے ہمیں اتنا ہی حصہ دیا جتنا کہ آپؐ نے ہر ایرے غیرے کو دیا۔ ہم نے اپنے نیزوں اور تلواروں سے علاقے فتح کیے اور ہماری تلواروں کو دیکھ کر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے آج ان کا حصہ بھی ہمارے برابر ہے۔

امام علیؑ نے فرمایا: تم نے جس مشاورت کی بات کی ہے تو تم یہ بات جانتے ہو کہ مجھے حکومت کی کوئی رغبت نہیں تھی۔ تم نے مجھے اس کی دعوت دی۔ میں نے امت کو فتنہ سے بچانے کے لیے حکومت کا بوجھ اٹھایا۔

اب جب کہ حکومت میرے ہاتھ میں آگئی ہے تو میں نے کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا اور کتاب و سنت نے مجھے جو راستہ دکھایا ہے میں نے اس راستے پر عمل کیا ہے۔ اس کے لیے مجھے تمھاری اور کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہاں، البتہ اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش آتا جس کی وضاحت کتاب و سنت میں نہ ہوتی اور مشاورت کی احتیاج ہوتی تو میں تم سے ضرور مشاورت کرتا۔

جہاں تک رقم کی تقسیم کا معاملہ ہے تو یہ مساوات کا رویہ میرا اختراع کردہ نہیں ہے، یہ طریقہ تو رسول اکرمؐ کا ہے اور یہی فیصلہ کتاب اللہ کا ہے، اور قرآن وہ عظیم کتاب ہے کہ اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا اور نہ ہی اس کے پیچھے سے اس پر حملہ کر سکتا ہے۔

تم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تم سابق الاسلام ہو اور میں نے بیت المال کی تقسیم میں تمھیں اور نو مسلم افراد کو برابر کا حصہ دیا ہے۔ اس کے لیے تمھیں سنت رسولؐ پر نظر کرنی چاہیے۔ رسولؐ خدا سابق الاسلام اور نو مسلم افراد کو برابری کی سطح پر عطیات دیا کرتے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ سابقین کو آخرت میں بہت زیادہ جزائے خیر دے گا، جب کہ دنیاوی وظائف میں سارے مسلمان یکساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو حق پر ثابت رکھے اور ہمیں صبر و استقامت عطا فرمائے۔ خدا اس شخص پر رحم کرے جو حق دیکھ کر اس کی مدد کرے اور ظلم دیکھ کر اس کی مخالفت کرے اور مخالفین حق سے ساز باز نہ کرے۔

طلحہ و زبیر آپؐ کی کھری کھری باتیں سن کر ناراض ہوئے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر دونوں کے بعد آئے اور انھوں نے آپؐ سے کہا:

آپؐ جانتے ہیں کہ گردش روزگار کی وجہ سے ہمارے اقتصادی حالات خراب ہو چکے ہیں۔ ہم آپؐ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپؐ ہماری مدد کریں تاکہ ہم اپنے حالات درست کر سکیں اور اپنے قرض کو چکا سکیں۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ ”ہنج“ کے مقام پر میری کچھ جائیداد واقع ہے۔ اگر آپؐ ضرورت مند ہیں تو میں اس جائیداد کا کچھ حصہ تمھارے نام کرنے پر آمادہ ہوں۔ انھوں نے کہا: ہمیں آپؐ کی جائیداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: اب بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟  
انھوں نے کہا: آپؑ بیت المال سے ہمیں اتنی دولت دے دیں جس سے ہماری حالت  
بہتر ہو سکے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: بیت المال میں میرا کیا عمل دخل ہے۔ وہ تو تمام مسلمانوں  
کا مال ہے۔ میں تو مسلمانوں کا خازن اور امین ہوں۔ البتہ اگر تم اتنے ہی حاجت مند ہو تو پھر  
مجھے اجازت دیں میں منبر پر بیٹھ کر تمہارے لیے مسلمانوں سے چندہ اکٹھا کرتا ہوں۔  
اور اگر چاہو تو میں مسلمانوں سے یہ درخواست بھی کروں گا کہ وہ بیت المال میں سے  
تمہیں زیادہ حصہ دینے کی اجازت دے دیں، لیکن اس میں یہ پریشانی ہے کہ بیت المال تمام  
مسلمانوں کا ہے۔ اس میں اہل مدینہ بھی شامل ہیں اور مدینہ سے باہر کے افراد بھی شامل ہیں۔  
طلحہ و زبیر نے کہا: آپؑ یہ کام نہ کریں، اگر بالفرض آپؑ نے ہمارے لیے مسلمانوں  
سے درخواست بھی کی تو بھی وہ نہیں مانیں گے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اب آپؑ ہی بتائیں میں آپؑ کی اور کیا خدمت کر سکتا ہوں؟  
دونوں نے کہا: بس بس ہم نے آپؑ کی باتیں سن لی ہیں۔ اس کے بعد جب یہ دونوں  
بیت المال کی رقم بنورنے سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے یہ سوچا کہ وہ کسی طرح سے مدینہ  
چھوڑ کر مکہ میں بی بی عائشہؓ کے پاس پہنچیں۔

آخر کار وہ امیر المومنین علیؑ کے پاس آئے اور آپؑ سے یہ کہا کہ ہم آپؑ سے مکہ  
جانے کی اجازت طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں اور وہاں جا کر عمرہ کریں گے۔  
ہمیں عمرہ کے لیے طویل عرصہ گزر چکا ہے۔

آپؑ نے دونوں کے چہروں کو دیکھا تو آپؑ کو غداری کے آثار دکھائی دیئے۔ آپؑ  
نے ان سے فرمایا: خدا کی قسم! تم عمرہ کرنا نہیں چاہتے تم غداری کرنا چاہتے ہو، تم بصرہ جانا  
چاہتے ہو؟

ان دونوں نے کہا: خدا گواہ ہے ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔  
آپؑ نے فرمایا: تم خداوند عظیم کی قسم کھا کر کہو کہ تم مسلمانوں کے معاملات میں کوئی

غلل نہ ڈالو گے اور میری بیعت نہیں توڑو گے اور کوئی فتنہ پانہیں کرو گے۔  
 ان دونوں نے موکد قسمیں کھائیں جس پر آپؐ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔  
 ابن عباسؓ نے ان دونوں سے کہا: کیا امیر المومنینؑ نے تمہیں جانے کی اجازت دی ہے؟  
 انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

ابن عباسؓ امام علیؑ کے پاس آئے تو آپؐ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نئی خبر ہے؟

ابن عباسؓ نے کہا: ابھی ابھی طلحہ و زبیر سے میری ملاقات ہوئی ہے۔  
 امیر المومنینؑ نے فرمایا: انہوں نے مجھ سے عمرہ کی اجازت طلب کی ہے۔ میں نے  
 ان سے قسم لی ہے کہ وہ بیعت فکفی نہ کریں گے اور کوئی فساد برپا نہیں کریں گے، لیکن میں یہ  
 جانتا ہوں کہ ان کی نیت فساد برپا کرنے کی ہے۔ یہ مکہ اس لیے جا رہے ہیں تاکہ یہ مجھ سے  
 جنگ کر سکیں کیونکہ خائن مصلیٰ بن مہرق اور قاری کے بیت المال کی رقم لوٹ کر مکہ آچکا ہے  
 اور وہ اس دولت سے انہیں اپنے ساتھ شامل کرے گا اور یہ دونوں میری مخالفت پر کمر بستہ  
 ہو جائیں گے اور اس طرح سے یہ لوگ میرے محبوں اور پیروکاروں کا خون بہائیں گے۔  
 ابن عباسؓ نے تعجب سے کہا: امیر المومنینؑ! جب آپؐ ان کی سفارش کو جانتے ہیں تو  
 پھر انہیں جانے کی اجازت کیوں دی؟ حق تو یہ تھا کہ آپؐ انہیں قید کر لیتے اور مسلمانوں کو ان  
 کے فتنہ سے محفوظ رکھتے؟

امیر المومنینؑ نے تعجب سے کہا: ابن عباسؓ! کیا تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ ظلم کی ابتدا  
 میری طرف سے ہو؟ اور کیا میں محض گمان اور تہمت پر لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دوں؟ اور  
 جرم سے پہلے لوگوں کو سزا دیں دوں؟

خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ خدا نے مجھے عدل کا حکم دیا ہے۔  
 ابن عباسؓ! سنو! انہوں نے محکم قسمیں کھائی ہیں جس پر میں نے انہیں جانے کی  
 اجازت دی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم! یہ دونوں  
 مارے جائیں گے اور ان کی مراد کبھی پوری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظلم پر ان کا مواخذہ

کرے گا۔

الغرض یہ دونوں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں بنی امیہ اور قریش کے منافقین حضرت بی بی عائشہؓ کے گرد جمع ہو چکے تھے اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب اور اس کا بھائی عبید اللہ، مروان بن الحکم اور عثمانؓ کی اولاد اور اس کے قریبی رشتہ دار سب کے سب بی بی عائشہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ بی بی عائشہؓ نے حضرتؓ کے تمام دشمنوں کو اپنے ہاں پناہ دی اور اس جماعت نے حضرتؓ کے خلاف سازشوں کا جال بٹنا شروع کر دیا۔

بی بی عائشہؓ نے حضرت علیؓ کی مخالفت میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ وہ قاتلین عثمانؓ سے بیزار ہیں اور علیؓ نے ہی عثمانؓ کو قتل کرایا ہے اور ہمیں علیؓ سے عثمانؓ کے خون ناحق کا بدلہ لینا ہے۔

بی بی عائشہؓ جب مکہ پہنچیں اور مناسک حج سے فارغ ہوئیں تو انھیں قتل عثمانؓ کی خبر ملی۔ بی بی یہ خبر سن کر بے حد خوش ہوئیں اور خبر دینے والے سے کہا کہ عثمانؓ کو اس کے اعمال نے قتل کیا ہے۔ اس نے اللہ کی کتاب کو جلایا تھا اور سنت رسولؐ کی مخالفت کی تھی، اسی لیے خدا نے اُسے قتل کیا ہے۔

اس کے بعد بی بی نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ عثمانؓ کے بعد لوگوں نے کس کی بیعت کی ہے؟ خبر لانے والے نے کہا: بی بی! مجھے زیادہ علم نہیں ہے، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ طلحہ بن عبید اللہ نے عثمانؓ کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اس نے بیت المال کے دروازوں کی چابیاں بنانے کا حکم دیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے طلحہ کی بیعت کر لی ہوگی۔

حضرت بی بی عائشہؓ نے پرمسرت لہجے میں کہا کہ خدا نعل کو برباد کرے اور تہاہ کرے۔ اے ابوہریرہ! اے ذی الاصعہ! میرے بچا کے نرزدہ مرحبا! طلحہ! تو زندہ و سلامت رہے۔ لوگوں نے آخر کار یہ جان ہی لیا ہے کہ طلحہ ہی خلافت کے لائق ہے۔ اب میں مطمئن ہوں، میری سواری تیار کرو، میں مدینہ جانا چاہتی ہوں۔ میں نے حج و عمرہ کے مناسک ادا کر لیے ہیں۔ اب میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔



چنانچہ حضرت بی بی عائشہؓ مکہ سے چل پڑیں۔ ابھی وہ مکہ سے نکل کر مقام ”شرفاء“ پر پہنچی تھیں کہ ایک شخص نے اُن سے ملاقات کی، جس کا نام عبید اللہ بن اُم کلاب تھا۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے اس سے پوچھا: حالات کیسے ہیں؟ اس شخص نے کہا: عثمانؓ قتل ہو گیا ہے۔

بی بی نے کہا: نعل مارا گیا۔ اب مجھے بتاؤ کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ اس شخص نے کہا کہ جب لوگوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کیا تو اُس وقت طلحہ کی پوزیشن مستحکم تھی اور اُس نے بیت المال کے تالوں کی نئی چابیاں بھی بنوائی تھیں اور وہ خلافت حاصل کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہو گیا تھا، لیکن جب عثمانؓ قتل ہوئے تو لوگوں کا رجوع علیؓ بن ابی طالبؓ کی طرف ہو گیا اور کسی نے طلحہ یا کسی دوسرے فرد کی طرف توجہ نہیں دی۔ پھر اشترؓ، محمد بن ابی بکر اور عمار یا سرؓ لوگوں کا ہجوم بنا کر حضرت علیؓ کے دروازے پر گئے اور اُن سے کہا کہ آپؓ ہم سے اطاعت کی شرط پر بیعت لیں۔

اس موقع پر اشترؓ نے کہا: یا علیؓ! لوگوں کی نظر میں کوئی بھی آپؓ کا ہمسر نہیں ہے، لہذا اس سے قتل کہ لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آجائے آپؓ ان سے بیعت لیں۔

اس جماعت میں طلحہ و زبیر شامل تھے۔ میرا یہ خیال تھا کہ علیؓ اور طلحہ و زبیر کی پہلے گفتگو ہوئی ہوگی۔ میں نے پھر یہ دیکھا کہ طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے علیؓ کی بیعت کی۔

پھر حضرت علیؓ منبر پر آئے اور انھوں نے ایک خطبہ دیا۔ مجھے ان کا خطبہ یاد نہیں ہے، البتہ میں نے یہ ضرور دیکھا ہے کہ لوگ مسلسل تین دن تک علیؓ کی بیعت کرتے رہے۔ اس کے بعد میں مدینہ سے چلا آیا۔ اس کے بعد کے حالات کی مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔

جیسے ہی بی بی نے واقعات کو سنا تو کہا: اے کاش! آسمان زمین پر گر پڑتا۔

پھر بی بی نے کہا: بھائی صحیح صحیح حال بیان کرو۔

اس شخص نے کہا: حالات وہی ہیں جو میں نے آپؓ سے بیان کیے ہیں۔

بی بی نے کہا: انا اللہ، طلحہ کو بیعت پر مجبور کیا گیا اور خلیفہ خدا کو حالت مظلومیت میں قتل کیا گیا ہے۔ میرا غمؓ مکہ کی طرف لے جاؤ۔ اب میں مدینہ نہیں جانا چاہتی۔

اس شخص نے تعجب سے کہا: اُم المومنین! آپ کیوں پریشان ہو گئی ہیں؟ اس وقت روئے زمین پر علیؑ سے زیادہ خلافت کا کوئی حق دار نہیں ہے۔ آپ کو علیؑ سے کیا حاصت ہے؟ بی بی نے کوئی جواب نہ دیا اور مکہ واپسی کا فیصلہ کیا۔ بی بی مکہ آ رہی تھیں کہ راستے میں قیس بن حازم ملا۔ بی بی حمل میں بیٹہ کراہنے آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھیں کہ لوگوں نے ابنِ عفان کو حالتِ مظلومیت میں قتل کیا ہے۔

قیس نے کہا: اُم المومنین! ابھی آپ کی زبان سے میں نے یہ الفاظ سنے کہ اللہ ابنِ عفان کو اپنی رحمت سے دُور رکھے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ ہی عثمانؓ کی مخالفت کیا کرتی تھیں، لیکن آپ نے اپنی پالیسی بدل دی ہے؟

بی بی نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔ لوگوں نے عثمانؓ سے توبہ کرائی تھی۔ اس نے توبہ کر لی تھی اور سابقہ غلطیوں سے پاک ہو گیا تھا۔ وہ بے چارہ روزہ کی حالت میں تھا، مگر مخالفین نے حرمت والے مہینہ میں اُسے قتل کیا۔

عبید بن امیہ کلاب نے بی بی سے خطاب کر کے یہ اشعار پڑھے۔

فمنك البداعة ومنك الغير      ومنك الرياح ومنك المطر  
وانت امرت بقتل الامام      وقلت لنا: انه قد كفر  
فهينا اطعنك في قتله      وقاتله عندنا من قد امر  
ولم يسقط السقف من فوقنا      ولم ينكسف شمسنا والقمر

”ابتدا بھی آپ کی طرف سے ہے اور تبدیلی بھی آپ کی جانب سے ہے۔ آپ نے ہی خلیفہ کے قتل کا حکم دیا تھا اور ہم سے یہ کہا تھا کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ ہم نے آپ کی اطاعت کرتے ہوئے اُسے قتل کیا ہے جب کہ حقیقی قاتل وہ ہے جس نے حکم دیا ہے۔ ان کے قتل سے نہ تو ہمارے اوپر رحمت گری اور نہ ہی سورج اور چاند کو گرہن لگا۔“

الغرض بی بی مکہ آئیں، اُدھر علی بن ابی طالبؑ بنی امیہ کا فرد تھا اور عثمانؓ کا بھی خواہ تھا وہ بھی مسلمانوں کے بیت المال کی ایک خلیفہ رقم لوٹ کر مکہ پہنچا۔ اس نے بی بی سے کہا: آپ

جس خلیفہ کے قتل پر لوگوں کو بھڑکانی تھیں وہ مارا گیا ہے۔

بی بی نے کہا: میں خدا کے حضور اس کے قاتلوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتی ہوں۔

مطی نے کہا: ایسے نہیں آپ مسجد الحرام میں یہ اعلان کریں۔

بی بی مسجد الحرام میں آئیں اور قاتلین عثمانؓ سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا۔ ادھر طلحہ و زبیر کو بھی ام المومنینؓ کے حالات کی خبر ملی۔ انھوں نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھوں بی بی کے نام ایک خط تحریر کیا جس میں انھوں نے لکھا کہ آپ لوگوں کو علیؓ کی خلافت کے خلاف بھڑکائیں اور خون عثمان کے انتقام کا نعرہ بلند کریں۔

بی بی کو ان کا یہ خط ملا۔ اس کے بعد انھوں نے خون عثمانؓ کے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور حجر اسود کے پاس آکر یہ کہا: مختلف شہروں کے کچھ رذیل افراد اور اہل مدینہ کے غلاموں نے عثمانؓ کے خلاف اجتماع کیا اور چند روز قبل اُسے ناحق قتل کر دیا اور انھوں نے اس پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ اس نے چند جوانوں کو کلیدی عہدے دیے ہیں، حالانکہ یہی کام سابقہ خلفاء نے بھی کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ اپنے عمال کو برطرف کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے، لیکن ان لوگوں نے اسے محترم شہر میں اور محترم مہینہ میں ناحق قتل کر دیا اور اس کے گھر کا اثاثہ لوٹ لیا۔ خدا کی قسم! عثمانؓ کے جسم کی ایک انگلی روئے زمین سے افضل ہے۔ مانا کہ عثمانؓ سے غلطیاں ہوئیں، لیکن وہ توبہ کر چکے تھے۔ اس کے بعد اُسے قتل کرنے کا کسی کے پاس کوئی جواز موجود نہیں تھا۔

اس پر عبداللہ بن عامر حضرمی کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ میں خون عثمانؓ کے انتقام کے لیے سب سے پہلے لبیک کہتا ہوں۔

واضح رہے کہ موصوف مشغول خلیفہ کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا۔

اس کے بعد بنی امیہ جو کہ مدینہ سے بھاگ گئے تھے وہ سارے مکہ میں جمع ہونے لگے۔ ادھر طلحہ و زبیر بھی مکہ پہنچ گئے اور عبداللہ بن زبیر کی وساطت سے بی بی کو یہ پیغام دیا کہ وہ بصرہ کی طرف کوچ کریں۔

بی بی نے فوراً کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مشورہ کے لیے اُم المؤمنین اُم سلمہؓ کے پاس گئیں اور انھیں قتلِ عثمانؓ کی خبر سنائی اور کہا کہ اسے حالتِ مظلومیت میں مارا گیا ہے۔  
بی بی اُم سلمہؓ نے کہا: تعجب ہے کل تک تم اس کی مخالف تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ کافر ہو چکا ہے اور آج آپ اُسے مظلوم کہہ رہی ہیں؟

بی بی عائشہؓ نے کہا کہ میں بصرہ جا رہی ہوں آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔  
بی بی اُم سلمہؓ نے بی بی عائشہؓ کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی اور اُن کے سامنے حضرت علیؓ کے فضائل بیان کیے اور یہ حدیث بھی سنائی کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ حلقہٴ ازدواج میں یہ کہا تھا کہ تم میں سے میری ایک بیوی کو مقامِ حجاب پر کٹے بھونکیں گے اور وہ اُونٹ پر سوار ہوگی۔ پھر حضرت اُم سلمہؓ نے کہا کہ مجھے دکھائی دیتا ہے کہ وہ بیوی تم ہی ہو۔  
اتنی باتیں سن کر بھی بی بی عائشہؓ پر کوئی اثر نہ ہوا اور انھوں نے بصرہ جانے کا مصمم ارادہ کیا۔

ادھر اعلیٰ بن منبہ نے چار سو اُونٹ خریدے اور اعلان کیا کہ جو بھی اس بغاوت میں شامل ہونا چاہے تو اس کا سفر خرچ میرے ذمہ ہے۔

حضرت اُم سلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی اور انھیں ان کے ارادوں کے حواقب و انجام سے خبردار کیا اور کہا کہ آپ حبیبِ خدا کی زوجہ ہیں، لہذا حرمتِ رسولؐ کی پاسداری کریں لیکن حضرت عائشہؓ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بی بی لنگر کی قیادت کرتی ہوئی بصرہ کی جانب روانہ ہوئیں۔ راستے میں قافلہ کا گزر چشمہٴ آب سے ہوا جسے ”حواب“ کہا جاتا تھا۔ وہاں کے کتوں نے حضرت عائشہؓ کے اُونٹ کے گرد جمع ہو کر بھونکنا شروع کیا۔ لنگر میں موجود ایک شخص نے کہا: حواب میں کتے بہت زیادہ ہے اور بھونکنے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس وقت حضرت عائشہؓ نے اُونٹ کی مہارت تمام لی اور چیخ کر کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ آخر کار وہ بیوی میں ہی ثابت ہوئی۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ میری ایک زوجہ خروج کرے گی اور چشمہٴ حواب کے کتے اُسے بھونکیں گے اور اُس کے

دامیں بائیں بہت سے لوگ قتل ہوں گے اور وہ مرتے مرتے بچے گی۔

مجھے واپس لے جاؤ، مجھے واپس لے جاؤ۔

اس وقت ایک گروہ آیا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ جگہ ”حواب“ نہیں ہے۔

اس کے بعد بی بی بصرہ کی سمت روانہ ہوئی۔

امیر المومنین علیؑ کو یہ اطلاعات ملیں۔ آپؑ نے الصلاة جامعۃ کی منادی کرائی۔ لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ آپؑ نے ابتدائی کلمات کے بعد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ طلحہ وزیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی تھی، لیکن انھوں نے بیعت توڑ دی ہے اور بی بی عائشہؓ کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں تمھاری جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں اور خانہ جنگی شروع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آپؑ نے یہ دعا مانگی:

”پروردگار! ان کی اچھی طرح سے گرفت فرما، ان کی خطا کو کبھی معاف نہ کرنا اور انھیں ہرگز مہلت نہ دینا۔ خدایا! یہ دونوں مجھ سے اس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے انھوں نے خود چھوڑ دیا تھا اور اس خون کے انتقام کے طلب گار ہیں جسے انھوں نے خود بہایا ہے۔ پروردگار! مجھ سے اپنا وعدہ وفا کرنا، حیران ممان چاہیے۔“

ثُمَّ يَخِي عَلَيْهِ لِيَنْصُرَهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ذَلِكِ بَانَ اللَّهُ يُؤَلِّجُ  
الْأَيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْإَيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ بَصِيصٌ  
”جس کے خلاف بغاوت کی جائے تو خدا ضرور اُس کی مدد کرے گا۔  
خدایا! مجھ سے اپنا وعدہ پورا فرما اور مجھے میرے نفس کے حوالے نہ فرماتا،  
بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“ (سورۃ حج: آیت ۶۰-۶۱)

اس کے بعد امام علیؑ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ عمار بن یاسرؓ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ آپؑ کو فوج ملیں وہاں آپؑ کے شیعہ رہتے ہیں۔ پھر کوفہ سے فوج تکمیل دے کر بصرہ جائیں۔ یہ لوگ بصرہ کا رخ کر چکے ہیں۔

ابن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ آپؑ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کو بھی اپنے ساتھ لے

چلیں۔

امام علیؑ نے فرمایا: ان کا لے جانا مناسب نہیں ہے۔ یہ طلحہ و زبیر کی غلطی ہے کہ وہ رسول خدا کی بیوی کو میدان میں لے آئے ہیں۔ میں کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔

کچھ لوگوں نے کہا: آپؐ خلافت و حکومت چھوڑ کر اپنی زمین بیعت میں چلے جائیں۔  
امام علیؑ نے ان لوگوں کی رائے کو مسترد کر دیا۔ پھر آپؐ نے اعلان کیا: لوگو! سفر کی تیاری کرو۔ طلحہ و زبیر نے بیعت شکنی کی ہے اور عہد کو توڑا ہے اور وہ رسول خدا کی بیوی کو گھر سے نکال کر بعمرہ کی طرف لے گئے ہیں۔

یہ لوگ قتلہ برپا کرنا چاہتے ہیں اور اہل قبلہ کا خون بہانا چاہتے ہیں۔ پھر آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور کہا:

”پروردگار! ان دو افراد نے میرے خلاف بغاوت کی ہے اور انہوں نے مجھ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑا ہے اور میری کسی بھی غلطی کے بغیر انہوں نے میری مخالفت کی ہے۔ خدایا! ان کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرما اور مجھے ان پر کامیابی عطا فرما۔“

امیر المومنینؑ نے تمام بنی عباس کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور اپنی سپاہ کو لے کر ربذہ پہنچے، لیکن طلحہ و زبیر وہاں سے جا چکے تھے۔

امیر المومنینؑ نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن حنفیہؓ کو کوفہ روانہ کیا تاکہ اہل کوفہ کو جہاد کی دعوت دی جائے۔ اس وقت کوفہ کا گورنر ایسویٰ اشعری تھا اور وہ خلیفہ ثالث کا بھی خواہ تھا اور حضرت علیؑ کا مخالف تھا۔

اس سے قبل حضرت بی بی عائشہؓ ایسویٰ کو خط روانہ کر چکی تھی کہ وہ اہل کوفہ کو علیؑ کی امداد سے روکے۔ ایسویٰ بھی حضرت بی بی عائشہؓ کے خط کی تعمیل میں لگا ہوا تھا۔ اُس نے کوفہ میں خطبہ دیا اور کہا: لوگو! قتلہ سے دور رہو اور مسلمانوں کے قتل میں اپنے آپ کو جھٹانہ کرو۔  
محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن حنفیہؓ کو عوام میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ یہ دونوں بزرگوار حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا: ایسویٰ اشعری لوگوں کو آپؑ کی نصرت سے روک رہا ہے۔

امام علیؑ بھی اسے خط لکھ چکے تھے کہ وہ لوگوں سے امیر المومنینؑ کی مدد کرنے کی درخواست کرے لیکن اشعری اپنی رائے پر اڑا رہا اور اُس نے امیر المومنینؑ کی بیعت نہیں کی تھی اور اُس نے دل کی عداوت کا کھل کر مظاہرہ کیا۔

امام علیؑ نے ابوموسیٰ اشعری کے نام سرکاری خط بھیجا جس میں آپؑ نے لکھا کہ ہم نے تجھے کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا ہے اور تم اگر اس خط کے بعد بھی معزول نہ ہوئی تو تمہیں اس کا انجام بھگتنا ہوگا۔

آپؑ نے اہل کوفہ کے نام ایک کھلا خط بھیجا جس میں قتل عثمانؓ کی تفصیل بیان کی اور اس میں حضرت بی بی عائشہؓ اور طلحہ و زبیر کے کردار کو بے نقاب کیا اور خط کے آخر میں آپؑ نے اہل کوفہ سے اپنی مدد کا مطالبہ کیا۔

مذکورہ خطوط کے پہنچنے سے قبل حضرت امام حسنؓ، عمار یاسرؓ، زید بن صوحانؓ اور قیسؓ بن سعد کوفہ پہنچے اور لوگوں کے سامنے طویل اور مدلل خطابات کیے اور لوگوں کو امیر المومنینؑ کی نصرت کی ترغیب دی۔

حضرت علیؑ کے عظیم نمائندے لوگوں سے خطاب کرتے تھے لیکن ابوموسیٰ اشعری لوگوں کو امیر المومنینؑ کی مدد سے منع کرتا تھا۔ اسی شش و پنج میں چند دن گزرے۔ اس عرصہ میں امیر المومنینؑ مقام ذی قار میں پڑاؤ ڈالے رہے۔ آج کل اس جگہ کو ”مغیرہ“ کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ بعصرہ کے راستے میں ”ناصریہ“ کے قریب ہے۔

جب کوفہ سے کوئی مثبت جواب موصول نہ ہوا تو پھر شیر خدا کا شیر مالک اشترؑ اپنے ساتھیوں سمیت کوفہ آیا اور آتے ہی دارالامارہ پر قبضہ کر لیا اور ابوموسیٰ اشعری کے غلاموں کو وہاں سے بھاگ دیا۔

مسجد کوفہ میں اشعری اور امام کے ساتھیوں میں سرد جنگ جاری تھی کہ اشعری کے غلام دوڑتے ہوئے آئے اور مسجد میں داخل ہوئے اور وہ چیخ رہے تھے کہ مالک اشترؑ آگیا۔ اتنے میں اشترؑ کے ساتھی مسجد میں داخل ہوئے اور ابوموسیٰ سے کہا: خدا تیری روح قبض کرے فوراً مسجد سے نکل جا، تو منافق انسان ہے۔

الغرض ابوموسیٰ اشعریؓ کو معزول اور ذلیل و خوار ہو کر مسجد سے نکلنا پڑا۔ لوگوں نے اس کے عمل کے باعث کوٹونا چاہا لیکن مالک اشترؓ نے انھیں روک دیا۔ مالک اشترؓ آگے بڑھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا:

”لوگو! تمہارے پاس وہ شخص آیا ہے جس کا مقام خدا کی نظر میں بہت ہی بلند اور اسلام میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ وہ رسول خدا کا ابن عم ہے۔ وہ دین کے مسائل کا عارف ہے اور کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہے اور میدان جنگ کا غازی ہے۔

لوگو! بتاؤ کیا اب بھی تمہیں سعید یا ولید جیسے حکمرانوں کا انتظار ہے؟ کیا تم کسی ایسے حاکم کے منتظر ہو جو شراب کی حالت میں تمہیں نماز پڑھائے اور تمہارے حقوق کو غصب کرے؟ یولو! تمہیں علیؓ چاہیے یا شرابی حکمران چاہیں؟

انھوں نے نبیؐ کے نواسے حسنؓ بن علیؓ کے ساتھ مل کر کوچ کر دیا۔ کوئی بھی شخص ان کی نصرت سے پیچھے نہ رہا۔

لوگو! اگر تم عقل اور چشم پتار رکھتے ہو تو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ کل صبح سب لوگ مسلح ہو کر اپنے امام کے پاس حاضری دو۔

بحر ابن عباسؓ اٹھے اور انھوں نے اشعریؓ کو معزول کیا۔ اس کی جگہ قرضہ بن کعب کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ کوفہ سے سات ہزار جنگجو امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے قبل قبیلہ طے کے دو ہزار جوان بھی حضرتؓ کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اس کے بعد امام علیؓ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرتؓ کے بصرہ پہنچنے سے قبل طلحہ و زبیر اور حضرت بی بی عائشہؓ اپنا لشکر لے کر بصرہ پہنچ چکے تھے۔ جب اہل بصرہ نے اس لشکر کو دیکھا تو انھیں بڑا ہی تعجب ہوا اور آپس میں کہنے لگے: عجیب بات ہے عثمانؓ مدینہ میں قتل ہوئے ہیں اور یہ لوگ ان کے حامی بن کر اس کا انتقام لینے کے لیے بصرہ آئے ہیں۔

بصرہ کے والی عثمان بن حنیف کو ان لوگوں کی آمد کا پتا چلا تو انھوں نے ابوالاسود الدؤلی اور عمران بن حصین کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ دونوں معززین حضرت عائشہؓ کے پاس آئے



اور ان سے کہا: اُم المومنین! آپ کو اس سفر کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ آپ ہمارے شہر کیوں آئی ہیں؟ آپ رسول خدا کی بیوی ہیں۔ اللہ نے قرآن میں آپ کو حکم دیا ہے کہ رسول کے گھر میں بیٹھی رہیں اس کے باوجود آپ کو کیا پڑی کہ آپ نبی اکرم کا گھر چھوڑ کر یہاں آئی ہیں؟ کافی دیر تک فریقین میں گفتگو ہوتی رہی، لیکن بیعت شکن اپنی ضد پر قائم رہے۔ پھر یہ دونوں افراد طلحہ کے پاس گئے اور اسے اس ہلاکت خیزی سے بچنے کے لیے کہا تو طلحہ نے امیر المومنین پر سب و شتم کیا اور گالیاں دے کر انھیں اپنے ہاں سے نکال دیا۔

الغرض بی بی عائشہ جنگ پر آمادہ ہو گئیں اور اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ کے ”مرید“ نامی محلہ میں آئیں اور وہاں عوام الناس سے خطاب کیا، جس میں حضرت عثمان کی تعریفیں کیں اور ان کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر لوگوں سے کہا کہ تمہیں چاہیے کہ ملی کی بیعت توڑ دو۔

کچھ لوگوں نے بی بی کی تصدیق کی اور کچھ لوگوں نے بی بی کی تکذیب کی۔ وہاں سے بی بی لشکر لے کر دارالامارہ کی طرف روانہ ہوئیں اور والی بصرہ سے کہا کہ تم دارالامارہ چھوڑ کر اسے ہمارے سپرد کر دو۔ والی بصرہ نے اس سے انکار کیا جس پر فریقین میں جنگ چھڑ گئی جو کہ تلہر تک جاری رہی۔ اس جنگ میں امیر المومنین کے شیعوں اور والی بصرہ کے دوستوں میں سے بن عبدالحق کے پانچ سوشیوخ شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ پھر کچھ معززین نے مداخلت کی اور فریقین میں اس شرط پر جنگ بندی کرائی کہ دارالامارہ، مسجد اور بیت المال والی بصرہ عثمان بن حنیف کے ہاتھ میں رہیں گے اور اس کے علاوہ بصرہ شہر باغیوں کے تصرف میں ہوگا۔

اس عنوان کا صلح نامہ لکھا گیا اور لوگوں نے اس پر اپنی گواہی ثبت کی۔ جب شہر میں امن قائم ہو گیا اور لوگوں نے ہتھیار اتار دیے تو طلحہ و زبیر اور ان کے ساتھیوں نے اچانک دارالامارہ پر حملہ کیا اور وہاں بیت المال کے پچاس محافظوں پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے چالیس افراد کو جرحہ کر دیا گیا۔ پھر انھوں نے عثمان بن حنیف کو قید کیا اور ان کی داڑھی کے تمام بال کھینچ لیے اور اس کے ابرو کے تمام بال بھی کھینچ لیے گئے اور اسے زنجیروں سے باندھ

دیا گیا۔

نماز صبح کا وقت ہوا تو نماز کی ادا گی کے لیے طلحہ وزیر مسجد اعظم میں آئے، نوافل ختم ہوئے اور جماعت کا وقت آیا تو طلحہ نماز کے لیے آگے بڑھا۔ زبیر نے اُسے ہٹا دیا۔ زبیر نے نماز پڑھانا چاہی تو طلحہ نے اسے پیچھے کر دیا۔ الفرض امامت کے خواہش مند آپس میں لڑتے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے قریب آیا۔ لوگ چیخنے لگے۔ اے اصحاب رسول! تمہیں خدا کا واسطہ، نماز کو تو برباد نہ کرو۔

حضرت بی بی عائشہؓ نے حکم دیا کہ طلحہ وزیر میں سے کوئی نماز نہ پڑھائے۔ مروان بن الحکم نماز پڑھائے۔ ابھی مروان نے نماز شروع نہیں کی تھی کہ ابن زبیر آگے بڑھے اور جماعت کرائی۔ بیت المال کے محافظوں کے قتل اور عثمان بن حنیف کی گرفتاری کی خبر پہلی تو حکیم بن جہلہ اپنی قوم کے پاس گیا اور انھیں باغیوں سے جنگ کی ترغیب دی۔ جس کی وجہ سے دوبارہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور اس میں حکیم بن جہلہ اور اس کے بھائی کے ساتھ بہت سے افراد بے تحفہ ہو گئے اور طلحہ وزیر نے بیت المال کے کمروں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے تالے لگا دیے۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے کہا کہ بیت المال کے تمام کمروں پر بھر لگا دی جائے۔ چنانچہ تمام کمروں کو مقفل کر کے سر بھر کر دیا گیا۔ چند دن تک باغیوں کا بصرہ پر کنٹرول رہا اور بی بی عائشہؓ سمیت طلحہ وزیر خطبات دیتے رہے اور لوگوں کو حضرت علیؓ سے جھڑکتے رہے اور ان کی تقاریر کا اختتام امیر المومنین علیؓ کی خدمت اور سب و شتم پر ہوتا تھا۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے بہت سے دوسرے شہروں کے شیوخ و رؤساء کے نام خطوط لکھے اور ان خطوط میں لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی ترغیب دی گئی تھی۔

امام عالی مقام علیؓ اپنا لشکر جزائر لے کر بصرہ پہنچے جہاں انھیں باغیوں کے غیر انسانی اقدامات کے متعلق بتایا گیا۔ امام علیؓ نے مذاکرات کی غرض سے مصعب بن صوحان کو باغیوں کے پاس بھیجا لیکن باغیوں نے دھمکیوں کے علاوہ اور کوئی گفتگو نہ کی۔

امام علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو مذاکرات کے لیے روانہ کیا اور فرمایا کہ آپ طلحہ و زبیر سے ملاقات کریں اور ان سے گفتگو کریں۔

ابن عباسؓ گئے لیکن مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔

امیر المومنینؓ کا لشکر پوری شان و شوکت سے بصرہ آیا۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے اہل بدر شامل تھے۔ آپؓ کی فوج کے دتے اپنے اپنے جرنیلوں کے ساتھ آگے بڑھے، آخر میں فوج کا وہ دستہ آیا جس میں امیر المومنینؓ موجود تھے۔ اس دستہ میں بڑی تعداد میں لوگ شامل تھے جو سر سے پاؤں تک لوہے میں اُلے ہوئے تھے اور وہ دستہ وقار و تسکین کا مہر پیش کر رہا تھا۔ دستہ کے افراد کی نگاہیں آسمان کے بجائے زمین پر جھکی ہوئی تھیں اور ہر شخص رعب امامت سے خاموش تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ امام حسن مجتبیٰؓ لشکر کی دامن اور امام حسینؓ بائیں جانب تھے اور محمد بن حنفیہؓ آگے آگے رواں دواں تھے اور پرچم اٹھی کے ہاتھ میں تھا۔

امام علیؓ نے ابن عباسؓ کو دوبارہ بی بی عائشہؓ کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا کہ آپ ان سے کہیں کہ آپ کا حق تھا کہ رسول خدا کے گھر میں ہی رہیں اور بغاوت نہ کریں۔ خدا نے اسے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے لہذا انہیں چاہیے کہ وہ فوراً واپس جائیں۔

ابن عباسؓ بی بی عائشہؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے پیغام پہنچایا اور بی بی کے سامنے حضرت علیؓ کے مناقب و فضائل بیان کیے لیکن بی بی نے سنی اُن سنی کر دی۔ اس کے بعد ابن عباسؓ زہیر کے پاس گئے اور ان سے بڑے نرم و نازک لہجے میں گفتگو کی اور انہیں ان کے طرز عمل کے عواقب سے خبردار کیا۔ الغرض اچھے ماحول میں گفتگو ہو رہی تھی کہ عبداللہ بن زہیر آگیا۔ یہ شخص ہر طرح کی رواداری سے عاری تھا۔ اس نے ابن عباسؓ سے تند و تلخ لہجے میں گفتگو کی جس کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔

کعب بن سور قبیلہ ازد کا سردار تھا، اب تک وہ اس جنگ سے لاتعلقی تھا۔ طلحہ و زہیر نے حضرت بی بی عائشہؓ سے کہا کہ آپ بذاتِ خود اس کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ اس جنگ میں ہماری مدد کرے۔

بی بی نے پہلے تو اس کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آئے اور ان سے گفتگو کرے، لیکن کعب نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر بی بی خنجر پر سوار ہوئیں اور کعب کے پاس گئیں اور اس سے کہا کہ ہم نے تمہیں بلایا تھا لیکن تم نہ آئے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

کعب نے کہا: مادرِ جان! سچی بات یہ ہے کہ میں اس فتنہ میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ کعب کا یہ جواب سن کر بی بی رونے لگ گئیں۔ جس کی وجہ سے کعب کے دل میں نرمی پیدا ہوئی اور بی بی سے اپنی مدد کا وعدہ کیا اور قرآن کریم گلے میں ڈالا اور بی بی کے ساتھ چل پڑا۔ فریقین کے خطباء نے پرزور خطبات دیے اور لوگوں کو اپنی بزم میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔

### میدانِ جنگ

فریقین کے لشکرِ بصرہ کے قریب مقامِ حزیہ میں صف آرا ہوئے۔ یہ مقام زبیر شہر اور کامرہ کے درمیان ہے۔ آج کل اس جگہ کو ”خز“ کہا جاتا ہے اور طلحہ کی قبر بھی وہیں پر ہے۔ فریقین نے اپنی صفیں ترتیب دیں۔ حضرت علیؑ میدان میں اس شان سے آئے کہ آپؐ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور آپؐ رسول اکرم ﷺ کے خنجر پر سوار تھے جسے ”شہباء“ کہا جاتا تھا۔

ادھر بی بی عائشہؓ ایک ہودج میں سوار ہو کر میدان میں آئیں اور ان کے دائیں بائیں طلحہ، زبیر اور عبداللہ بن زبیر تھے اور ان کے پیچھے ان کا لشکر تھا۔

حضرت علیؑ کی سپاہ کے حوصلے بہت بلند تھے اور ان کی خواہش تھی کہ دشمن پر حملہ کیا جائے لیکن امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ ابھی رُک جاؤ۔ جنگ سے قبل مجھے اتمامِ حجت کرنے دو۔ چنانچہ آپؑ مخالف لشکر کی طرف گئے اور ان سے یہ خطاب کیا:

اے اہلِ بصرہ! تم مجھ سے کیوں جنگ کرنا چاہتے ہو کیا میں نے کبھی تم پر زیادتی کی ہے؟ اہلِ بصرہ نے کہا: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تو کیا میں نے تمہارے وظائف میں کوئی رد و بدل کی ہے؟ اہلِ بصرہ نے کہا: نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا میں نے بیت المال سے رقم اٹھا کر اپنے یا اپنے خاندان پر خرچ کی ہے؟

اہل بصرہ نے جواب دیا: نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: تو کیا میں نے تم میں حدود قائم کیں اور دوسرے شہروں میں حدود الہیہ کو معطل کیا تو تم میرے مقابلے پر آگئے ہو؟

اہل بصرہ نے کہا: نہیں، ایسا بھی نہیں؟

آپؐ نے فرمایا کہ تم نے دوسرے خلفاء کی بیعت نہیں توڑی تھی تو تمہارے پاس میری بیعت کتنی کا کیا جواز ہے؟

میں نے اس معاملے کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے۔ اب تمہارا علاج تلوار سے کیا جائے یا پھر اگر میں نے تلوار نہ اٹھائی تو میرا ایمان ہی مشکوک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَتَيْتُمُ الْكُفْرَ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ○ (سورہ توبہ: ۹)

”اور اگر یہ لوگ معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر اعتراض کریں تو کفر کے سرخسوں سے قتال کرو۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ وہ باز آجائیں۔“

پھر آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو شکاف نہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا اور جس نے محمدؐ کو نبوت کے لیے منتخب کیا۔ یہی لوگ اس آیت کا مصداق ہیں اور جس دن سے یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی نوبت آج آئی ہے۔

پھر آپؐ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: آپ قرآن لے کر طلحہ و زبیر کے پاس جائیں اور انہیں اس قرآن کے فیصلے کی دعوت دیں۔

ابن عباسؓ آئے، انہوں نے زبیر سے کہا: امیر المومنینؓ کہہ رہے ہیں کہ ٹوٹنے اپنے شوق و رضا مندی سے میری بیعت نہیں کی تھی؟ اب ایسے کون سے حالات پیدا ہوئے ہیں کہ

تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟ میں تیرے پاس قرآن لایا ہوں اگر تو چاہے تو ہم اسے فیصل قرار دیتے ہیں۔

زبیر نے کہا: ہمیں کسی مصالحت کی ضرورت نہیں ہے، ہم سے جبری بیعت لی گئی تھی۔ ابن عباسؓ طلحہ کے پاس گئے، لیکن اس کا رویہ انتہائی چمک آمیز تھا۔ ابن عباسؓ نے اس سے کہا کہ تم دونوں نے رسولؐ خدا سے خیانت کی ہے۔ تم نے اپنی بیویوں کو گھر میں بٹھایا ہے اور رسولؐ خدا کی بیوی کو اُن کے گھر سے نکال کر صحراؤں اور شہروں میں لے آئے ہو۔

طلحہ نے پکار کر کہا کہ اسے یہاں سے ہٹا دو۔ ہم باتوں میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ابن عباسؓ واپس آئے اور امیر المومنینؓ سے عرض کیا کہ ہمارے مذاکرات بے فائدہ ہیں۔ یہ لوگ تلوار کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں سمجھتے۔ لہذا ہمیں حملہ میں پہل کرنی چاہیے۔

امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ ہم خدا سے مدد طلب کریں گے۔ پھر امیر المومنینؓ دونوں صفوں کے درمیان آکر کھڑے ہوئے اور آپؐ نے بلند آواز سے زبیر کو پکارا۔ اس وقت طلحہ و زبیر اپنے لشکر کے سامنے کھڑے تھے۔

آپؐ نے دوسری بار زبیر کو آواز دی۔ زبیر اپنے لشکر سے نکل کر آپؐ کے سامنے آنے لگا۔ امیر المومنینؓ کے سپاہیوں نے کہا کہ آپؐ اس بیعت شکن کے سامنے غیر مسلح ہو کر نہ جائیں جب کہ وہ مکمل طور پر لوہے سے آٹا ہوا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہر شخص کی موت محافظت کرتی ہے۔ یہ میرا قاتل نہیں ہے۔ میرا قاتل دنیا کا بدبخت ترین شخص ہوگا، جو کہ قوم خود کے بدبخت ترین شخص کے مانند ہوگا۔

پھر آپؐ نے طلحہ کو آواز دی۔ طلحہ بھی اپنی صفوں سے نکل کر آپؐ کے سامنے آیا۔ اس وقت امیر المومنینؓ نے زبیر سے کہا کہ تُو نے یہ کیا کیا ہے؟

زبیر نے کہا: میں خون عثمانؓ کا انتقام چاہتا ہوں۔

امیر المومنین علیؓ نے فرمایا: عثمان کو تُو نے اور تیرے ساتھیوں نے قتل کیا ہے۔ تجھے چاہیے کہ قصاص میں اپنے آپ کو پیش کر، تاکہ تجھ سے خون کا قصاص لیا جائے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: میں تجھے وحدہ لاشریک خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے اپنے نبی محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا کیا تجھے وہ موقع یاد ہے جب رسول خدا نے تجھ سے یہ فرمایا تھا: زبیر! کیا تو علیؑ سے محبت رکھتا ہے؟

تُو نے جواب میں کہا تھا کہ مجھے اس کی محبت سے کیا چیز مانع ہے جب کہ وہ میرے ماموں کا فرزند ہے؟

اس وقت رسول خدا نے تجھ سے یہ فرمایا تھا کہ ایک دن تو علیؑ کے خلاف خروج کرے گا اور اس وقت تو ظالم ہوگا۔

زبیر نے کہا: جی ہاں، رسول اکرمؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

امیر المؤمنین علیؑ نے فرمایا: میں خدائے واحد کی قسم دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجھے وہ موقع یاد ہے جب رسول اکرمؐ ابن عوف کے پاس سے آئے تھے اور تو ان کے ساتھ تھا۔ آنحضرتؐ نے تیرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میں نے آنحضرتؐ کا استقبال کیا۔ آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے اور میں بھی مسکرایا تھا۔ اس وقت تُو نے کہا تھا کہ علیؑ اپنے غرور سے باز نہیں آئے گا۔

اس وقت رسول اکرم ﷺ نے تجھ سے یہ فرمایا تھا: زبیر! رک جاؤ، علیؑ میں کوئی غرور نہیں ہے۔ تو ایک دن اس کے خلاف خروج کرے گا اور تُو ظالم ہوگا۔

زبیر نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔ البتہ میں بھول چکا تھا۔ اب آپؐ نے مجھے یاد دہانی کرا دی ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ اگر آپؐ مجھے یہ باتیں پہلے یاد دلاتے تو میں آپؐ کے خلاف کبھی خروج ہی نہ کرتا۔

اس کے بعد حضرت علیؑ کی دونوں طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں: تم دونوں اور اصحابِ محمدؐ کے صاحبانِ علم افراد اور عائشہ بنت ابی بکر یہ نہیں جانتے کہ رسول اکرمؐ نے اصحابِ جمل اور اہل نہروان پر لعنت کی تھی۔ وہ شخص ناکام ہوا جس نے افترا کیا۔

زبیر نے کہا: ہم کس طرح سے ملعون ہو سکتے ہیں؟ ہم تو جنتی لوگ ہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اگر میں تمہیں جلتی سمجھتا تو تم سے جنگ کرنے کو جائز نہ سمجھتا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا ٹو نے اپنی مرضی سے میری بیعت نہیں کی تھی؟

زبیر نے کہا: جی ہاں!

آپؑ نے فرمایا: کیا ٹو نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا جس کی وجہ سے ٹو نے مجھ سے

صلح کی اختیار کی ہے؟

زبیر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر کہا کہ کچھ بھی ہو میں آپؑ سے جنگ کروں گا۔

اس کے بعد حضرتؑ نے طلحہ سے فرمایا: طلحہ! اس جنگ میں تمہاری بیویاں بھی تمہارے

ساتھ ہیں؟

طلحہ نے کہا: نہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: جس عورت کو خدا کی طرف سے خصوصی حکم ملا تھا کہ وہ گھر میں

رہے، اسے تم میدان میں لے آئے ہو اور اپنی عورتوں کو گھروں میں بٹھا آئے ہو؟ تم نے ایسا

کر کے رسول اللہؐ سے انصاف نہیں کیا جب کہ خدا نے ازواجِ محمدؐ کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ کسی

سے بات بھی کریں تو بھی پردے کی آؤٹ سے کریں۔

یہ بتاؤ کہ تم نے فرزند زبیر کو اپنا امام کیوں بنایا؟ کیا تم دونوں ایک دوسرے کو نماز

پڑھانے کے اہل نہیں ہو؟

مجھے یہ بتاؤ کہ وحشی عربوں کو تم نے میرے خلاف کیوں جمع کیا ہے؟

طلحہ نے کہا کہ شوریٰ میں ہم چھ افراد تھے۔ ان میں ایک (ابن حوف) مرچکا ہے اور

ایک (عثمانؓ) قتل ہو گیا ہے۔ اس وقت ہم چار زندہ ہیں اور چار میں تین تجھے ناپسند کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ اچھا بتاؤ جب عثمانؓ منتخب ہو گئے

تھے تو کیا اس کی بیعت کے بعد مجھے یہ اختیار تھا کہ میں اس کی مخالفت کروں اور اس کے

مقابلے میں کھڑا ہو جاؤں؟

طلحہ نے کہا: نہیں آپؑ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: اب جب کہ تم بلا جبر و اکراہ میری بیعت کر چکے ہو تو



تمہیں بھی میری مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد دونوں افراد اپنی منوں کو لوٹ گئے۔ زبیر نے جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ کیا۔ طلحہ نے اس سے کہا: کیا بات ہے اب تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالبؓ کے فرزند نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

زبیر نے کہا: نہیں علیؓ نے مجھے وہ باتیں یاد دلائی ہیں جنہیں میں بھول چکا تھا۔  
طلحہ نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تو بزدل ہے اور بزدلی کی باتیں کر رہا ہے۔

زبیر نے کہا: میں ہرگز بزدل نہیں ہوں۔ علیؓ نے مجھے رسول خدا کے فرامین یاد دلوائے ہیں جو مجھے یاد آگئے ہیں۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: ابو عبد اللہ! کیا بات ہے؟

زبیر نے کہا: اُم المؤمنین! میں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں جو بھی موقف اختیار کیا ہے پورے یقین اور بصیرت کے تحت کیا ہے، لیکن آج اس معاملہ میں مجھے شک ہے اور حد یہ ہے کہ میں اپنے پاؤں تلے دیکھنے کے بھی قائل نہیں ہوں۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: خدا کی قسم! اور کچھ نہیں ہے تو فرزند ابوطالبؓ کی تلواروں کو دیکھ کر ڈر گیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ علیؓ کی تلوار لمبی اور کاٹ دار ہے اور انہیں مضبوط ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ انہیں دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔

ابن زبیر نے کہا: میرا والد بزدل ہو گیا ہے۔

زبیر نے کہا: بیٹا! پوری دنیا جانتی ہے کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ علیؓ نے مجھے رسول خدا کے فرمان یاد کرائے ہیں، اسی لیے میں نے قسم کھائی ہے کہ میں ان سے جنگ نہیں کروں گا۔

ابن زبیر نے باپ سے کہا کہ آپ اتنا بڑا لشکر لے کر یہاں آئے ہیں اور جب جنگ شروع ہونے کو ہے تو آپ میدان چھوڑ کر واپس جانا چاہتے ہیں۔ آخر سوچیں لوگ کیا کہیں گے؟ اور کیا اس سے دشمنوں کی تائید نہ ہوگی؟

زبیر نے کہا: بیٹا! میں قسم کھا چکا ہوں کہ جنگ نہ کروں گا۔

ابن زبیر نے کہا: کوئی بات نہیں ہے میں آپ کی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں۔ میرا یہ قلام کھول ہے میں اسے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں۔

اس کے بعد زبیر جنگ کے لیے پھر آمادہ ہو گیا۔

اس وقت امیر المومنینؓ نے اپنے ہاتھ میں مصحف لیا اور فرمایا کہ کیا کوئی ہے جو یہ مصحف لے کر مخالفین کے سامنے جائے اور ان کے سامنے دَٰنَ مَآفِیْنِ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ افْتَتَلُوْا فَاَمْلِحُوْا بَیْنَهُمَا..... کی آیت تلاوت کرے۔

ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہا: امیر المومنینؓ! یہ کام میں کروں گا۔

چنانچہ وہ نوجوان سر پر قرآن رکھ کر مخالف لشکر کے سامنے گیا اور اس نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی اور کہا: لوگو! امیر المومنینؓ! تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ قرآن کے فیصلے کو تسلیم کرو۔ اس وقت بی بی نے حکم دیا کہ اسے مار ڈالا جائے۔ چنانچہ کچھ افراد آگے بڑھے اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے اور ہر طرف سے اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

اس منظر کو اس جوان کی ماں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بے چاری چیختی چلاتی رہی لیکن سننے والا کوئی نہیں تھا۔

امام علیؓ ظہر کا انتظار کر رہے تھے، کیونکہ وہ ملائکہ کے نزول کا وقت ہے۔ آپؐ اپنے لشکر کو کہتے رہے۔ جب تک جنگ کا آغاز دوسری طرف سے نہ ہو تم اس وقت تک جنگ سے باز رہو۔ خدا کے فضل سے تم جنت پر ہو اور تمہارا یہ مہر تمہاری دوسری جنت ہے۔ اور ہاں جب جنگ شروع ہو جائے تو پھر کسی دشمن کو قتل نہ کرنا اور جو بھاگ رہا ہو اس کا تعاقب نہ کرنا۔ لوگوں کے گھروں میں نہ گھسنا اور ان کے اموال پر قبضہ نہ کرنا اور کسی بھی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا خواہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دے رہی ہو، کیونکہ عورتیں ضعیف المفضل ہوتی ہیں۔

دشمن کی طرف سے تیر برس رہے تھے۔ لوگ چیخنے لگے کہ آپؐ کب تک مہر کریں گے؟ یہ لوگ تو ہمیں اپنے تیروں سے ہلاک کر دیں گے اور اگر آپؐ نے اتمام جنت ہی کرنا تھی وہ تو ہو چکی ہے، اب بھلا دیر کس بات کی ہے؟

اس وقت آپؐ نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہؓ کو پرچم دیا۔ وہ سیاہ رنگ کا بہت بڑا پرچم

تھا اور آپؐ نے فرمایا: بیٹا! یہ علم لو۔ یہ علم تمہاری فتح کی ضمانت ہے۔

پھر آپؐ نے رسول خدا کی ذرہ بپنی اور تاف کے نیچے بیٹی باندھی اور اپنے فرزند سے کہا: بیٹا! میں نے اس وقت پرچم اٹھایا تھا جب کہ میری عمر تمہاری عمر سے کم تھی۔ میں نے جس کا بھی مقابلہ کیا تو میرے دل نے کہا کہ میں اس کو قتل کروں گا۔ آج تم بھی خدا کی مدد پر انحصار کرتے ہوئے آگے بڑھو۔ پھر آپؐ نے ابن حنفیہ کو آداب جنگ کی تعلیم دی۔

جانشین کا لشکر حضرتؐ کے لشکر کی طرف آگے بڑھا۔ امام علیؑ نے محمدؐ سے فرمایا: بیٹا! آگے بڑھو۔ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے اور باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے بنفس نفیس جنگ شروع کی تو لوگوں کو خمیر کی جنگ یاد آ گئی۔ آپؐ نے سروں کو اڑایا اور بڑھنے والوں کو روکا۔ آپؐ کی تلوار شرربار مخالف کی روح پہلے قبض کرتی اس کا خون بعد میں گرتا۔

حضرت عمارؓ نے میسرہ سنبالا اور مالک ابشرؓ نے مینہ سنبالا اور مل کر حملہ کیا۔ امام علیؑ نے فرمایا: اب حیر اندازی کی بجائے تلواروں کا حملہ کیا جائے۔ حکم ملنے کی دیر تھی کہ ہر طرف سر گرنے لگے اور ہاتھ کلائیوں سے جدا ہونے لگے۔ فریقین میں زور شور سے رجز پڑھے گئے۔ ہم نے کچھ رجز شرح فصیح البلاغہ کی جلد اول میں نقل کیے ہیں۔

اس جنگ میں طلحہ مارا گیا، لیکن اس کے قاتل کا کسی کو علم نہ ہوا۔ قول مشہور یہ ہے کہ اسے خود اس کے فوجی مروان نے حیر مار کر قتل کیا تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ عثمانؓ کا اصل قاتل ہی طلحہ تھا۔ اسی لیے میں نے اُسے عثمانؓ کے قصاص میں قتل کیا تھا۔

اہل بصرہ پروانہ دار بی بی عائشہؓ کے اونٹ کے گردا گرد جمع ہو رہے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ لوگو! اپنی ماں کا خیال رکھو۔ تمہاری صوم و صلوات یہی ہے۔ بہر حال جو بھی اونٹ کی مہار پکڑتا تھا شیر خدا کے سپاہی اُسے قتل کر دیتے تھے۔ کافی دیر تک فریقین میں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: جب تک یہ اونٹ کھڑا رہے گا لوگ یوں ہی قتل ہوتے رہیں گے۔ لہذا اس اونٹ کو گرایا جائے اور اگر یہ نہ گرا تو عرب قوم تباہ ہو جائے گی۔

حضرتؑ کے جانا زفوجی آگے بڑھے اور انھوں نے اُنت کی کوٹھیں کاٹ دیں۔ اُنت کما اور زمین سے سینہ لگایا اور زور زور سے ریگا۔ جیسے ہی اُنت کما تو بی بی کے پروانے تیز تر ہو گئے۔ ہودج کے گرد جو فولاوی زرہیں لگی ہوئی تھیں انھیں کاٹ دیا گیا اور محمد بن ابی بکرؓ نے آگے بڑھ کر اپنی بہن کو سہارا دیا۔

بی بی نے کہا: ہاتھ بڑھانے والا کون ہے؟  
 محمدؐ نے جواب دیا کہ میں تیرا ناپسندیدہ بھائی محمدؐ ہوں۔  
 بی بی نے کہا: فرزند خشمیہ؟

محمدؐ نے کہا: جی ہاں، میری ماں بھی تمھاری دوسری ماؤں سے کم تر نہیں تھی۔  
 بی بی نے کہا کہ وہ عظیم ماں تھی۔ پھر کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو۔ خدا کا شکر ہے جس نے تمھیں سلامتی دی ہے۔

محمدؐ نے کہا: البتہ یہ الگ بات ہے کہ آپؐ کو ہماری یہ فتح پسند نہیں آئی ہوگی۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ آپؐ کا لشکر کامیابی حاصل کرے اور محمدؐ مارا جائے۔

بی بی نے کہا: اچھا جو ہوتا تھا وہ ہو گیا۔ اب مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا اور تیرا والد ملامت کرنے والا نہیں تھا۔

حضرت علیؑ آگے آئے اور نیزے سے ہودج کو مکھٹا کر فرمایا: کیا رسولؐ خدا نے تجھے یہی وصیت کی تھی؟

بی بی عائشہؓ نے کہا: علیؑ اتم قاتح ہو، اب درگزر کرو۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تو آج تک اپنا حصہ کسی پر پورا نہیں کر سکا۔ جب میں انعام پر قدرت رکھتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپؐ معاف کر دیتے تو بہتر تھا اور جب میں انعام پر قادر نہیں ہوتا تو کہتے ہیں اگر آپؐ صبر کر لیتے تو اچھا تھا!!!

جی ہاں، میں جانتا ہوں کہ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور کامیابی کی زکوٰۃ عنود درگزر ہے۔ پھر آپؐ نے محمد بن ابی بکرؓ سے فرمایا: اپنی بہن کا خیال رکھنا، تیرے علاوہ کوئی دوسرا ان کے قریب نہ جائے۔

پھر حضرت علیؑ کے حکم سے بی بی مائتہ کے ہودج کو بصرہ میں عبداللہ بن خلف کے گھر میں اتارا گیا۔ آپؑ نے اونٹ کے متعلق حکم دیا کہ اسے جلا کر راکھ بنا دیا جائے اور اس راکھ کو اڑا دیا جائے۔

امام علیؑ مقتولین جمل کے لاشوں کے پاس سے گزرے۔ آپؑ نے انھیں مخاطب کیا اور خصوصی طور پر کعب اور طلحہ کے بے جان اجسام سے خطاب کیا: کسی نے کہا کہ کیا یہ لوگ مرنے کے بعد آپؑ کا کلام سنتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، جس طرح سے قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین نے رسول خدا کے خطاب کو سنا تھا اسی طرح سے ان مقتولین نے بھی میری گفتگو سنی ہے۔ پھر آپؑ نے اعلان کیا کہ جو شخص اپنے مقتولین کو دفن کرنا چاہے تو اُسے اس کی اجازت ہے۔ آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم اپنے مقتولین کو اُٹھی کپڑوں میں دفن کرو۔ یہ لوگ شہادت پر مشہور ہوں گے اور میں ان کی وفاداری کا گواہ ہوں۔

ابن عباسؓ نے مروان بن الحکم کے لیے امان طلب کی۔

امام علیؑ نے فرمایا: مروان کو ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

امام علیؑ نے فرمایا: کیا تو بیعت کرے گا؟

اس نے کہا: جی ہاں، میں بیعت کروں گا، اگرچہ دل مطمئن نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: دل کی باتیں خدا ہی جانتا ہے۔

الغرض مروان نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن امام علیؑ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور

فرمایا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ یہودیت کا پنجہ ہے۔ اگر اس نے میں بار بھی

میری بیعت کی تو بھی وہ اُسے توڑ ڈالے گا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اسے جانے دو اس کی صلب سے ایسے افراد پیدا ہوں گے جو

امت اسلامیہ پر سخت مصائب گرائیں گے۔

زبیر بن عوام کا انجام

جب جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو اس وقت زبیر بن عوام نے میدان جنگ کو

چھوڑ دیا اور وہاں سے نکل کر بصرہ کی ملحقہ آبادی وادی السہاح کے قریب پہنچے تو عمر بن جرموز نے انہیں قتل کر دیا اور اُن کے سر، تلوار اور انگلی کو اٹھایا اور امیر المومنینؑ کی لشکرگاہ پہنچا، اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو اُس نے آپؐ کو جنگ کی کامیابی پر مبارک باد پیش کی اور کہا کہ میں اخف کا قاصد ہوں اور میں نے زبیر کو قتل کیا ہے۔

یہ کہہ کر اُس نے خود جین سے زبیر کا سر نکال کر امام علیؑ کے سامنے پیش کیا اور اس کی تلوار آپؐ کے سامنے پھینک دی۔

امیر المومنینؑ نے اس سے قتل کی تفصیل سنی اور آپؐ نے تلوار اٹھا کر اسے الٹ پلٹ کیا اور فرمایا: میں اس تلوار کو جانتا ہوں۔ اس تلوار نے کئی بار رسول خدا کے چہرے سے مصائب کو ہٹایا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: صفیہ کا فرزند بزدل تھا اور نہ ہی گھٹیا انسان تھا لیکن اس کی اجل آچکی تھی اور بڑی موت نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پھر آپؐ نے زبیر کے چہرے کو غور سے دیکھا اور فرمایا: تجھے رسول خدا کی حجت اور قربت کا شرف حاصل تھا لیکن شیطان تیرے نتھنے میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے تجھے اس گھاٹ پر پہنچایا۔

ابن جرموز نے کہا: امیر المومنینؑ! مجھے میرا انعام دیں۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے رسول خدا سے سنا تھا کہ ابن صفیہ (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت ہو۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ زبیر کا قاتل ابن جرموز کچھ عرصہ بعد خوارج کے ساتھ شامل ہو گیا تھا اور جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کے مخالفین کے ساتھ شریک ہو کر قتل ہو گیا تھا اور یوں رسول خدا کی حدیث سچی ثابت ہوئی۔

اصحابِ جمل کی شکست کے بعد اُن کے لشکرگاہ میں جتنے ہتھیار، جانور اور ساز و سامان تھا وہ سارا جمع کر کے امیر المومنینؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے وہ سارا ساز و سامان اپنے لشکر میں بطور قیمت تقسیم کر دیا۔ حضرتؑ کے فوجیوں نے کہا کہ اہل بصرہ کو قلام بنایا جائے۔ امیر المومنینؑ نے نفی میں جواب دیا۔ فوجیوں نے کہا: جب ان کا خون ہمارے لیے

حلال ہے تو پھر ہم انھیں غلام اور اُن کی عورتوں کو کنیز کیوں نہیں بنا سکتے؟  
 آپؐ نے فرمایا: وہ جو کچھ لشکرگاہ میں ہمارے مقابلہ پر لائے تھے وہ تمہارے لیے  
 مالِ قیمت ہے اور جو کچھ ان کے گھروں میں ہے وہ انھی کا اپنا مال ہے۔ تمہارا اس میں کوئی  
 حصہ نہیں ہے۔

جب فوجیوں نے غلام اور کنیز بنانے پر زور دیا تو آپؐ نے فرمایا: خدا کا خوف کرو کیا  
 اُم المؤمنینؓ کو بھی کنیز بنایا جاسکتا ہے؟

سب نے کہا: نعوذ باللہ! ایسا کرنا ناممکن ہے۔ اس استدلال کے بعد پھر تمام لوگ  
 خاموش ہو گئے۔ جب ان اُمور سے آپؐ فارغ ہوئے تو بصرہ شہر میں داخل ہوئے اور بیت  
 المال کے دروازے کھلوائے۔ وہاں بہت زیادہ دولت رکھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے سونے چاندی  
 کے سکنوں کو دیکھ کر فرمایا:

يَا صَفْرَاءُ وَيَا بَيْضَاءُ غَيْرِي لَقَدْ طَلَّقْتُكَ ثَلَاثًا لَا رَجْعَةَ لِي فِيْكَ  
 ”اے سونا و چاندی! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے۔ میں تجھے تین  
 طلاقیں دے چکا ہوں۔ اب میں تیری طرف رجوع نہیں کر سکتا۔“

آپؐ نے حکم دیا کہ بیت المال کی دولت آپؐ کے اصحاب میں تقسیم کر دی جائے اور  
 ہر ایک کو پانچ پانچ سو درہم دیے جائیں۔

آپؐ کے فرمان پر عمل کیا گیا۔ خدا کی قسم نہ تو ایک درہم زیادہ ہوا اور نہ ایک درہم کم  
 ہوا۔ یوں لگا کہ گویا آپؐ کو پہلے سے رقم کی مالیت کا علم تھا اور لینے والے افراد کی تعداد کا بھی  
 علم تھا۔ بیت المال میں ساٹھ لاکھ درہم تھے اور آپؐ کے اصحاب کی تعداد بارہ ہزار تھی۔

بصرہ کے بیت المال سے آپؐ کو بھی پانچ سو درہم ملے۔ اس میں ایک شخص آیا جو کہ  
 جنگ میں شریک نہ تھا۔ اُس نے آپؐ سے کہا کہ میں اپنے جسم کے ساتھ تو آپؐ کے ساتھ  
 موجود نہ تھا البتہ میرا دل آپؐ کے ساتھ تھا، لہذا اس مال میں مجھے بھی حصہ دار بنائیں۔

آپؐ نے اپنے حصہ کی ساری رقم اسی کے سپرد کر دی اور خود کچھ نہ لیا۔ بیت المال کی  
 تقسیم سے فراغت کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا اور رسول خداؐ پر درود کے بعد

آپؐ نے فرمایا:

”میں خدا کی نعمت پر اس کی حمد بجالاتا ہوں۔ طلحہ و زبیر دونوں مارے گئے۔ خدا کی قسم! اگر بی بی عائشہؓ حق کی طلب گار ہوتی اور باطل سے انھیں نفرت ہوتی تو وہ گھر کو چھوڑ کر میدان میں کبھی نہ آتی۔ اُن کا اُونٹ بدبخت جانور تھا جسے دیکھ کر اُن کے حوصلے بلند ہوتے رہے۔ یہ لوگ باطل کے بھی خواہ بن کر آئے اور عالم بن کر واپس گئے۔ تمھارے مومن بھائیوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ خدا کی رحمت کے اُمیدوار بنے۔ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔ خدا ہمیں اور انھیں فیصلے کے دن اکٹھا کرے گا۔ میں اپنے لیے اور تمھارے لیے خدا سے مغفرت کا خواہاں ہوں۔“

امیر المومنینؓ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ بی بی عائشہؓ کے پاس جائیں اور اُن سے کہیں کہ وہ اپنی تیاری جلد مکمل کریں، تاکہ انھیں مدینہ بھیجا جائے۔ ابن عباسؓ پیغام لے کر بی بی کے پاس گئے اور دونوں کے درمیان تمد و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا۔

مورخین کے بیان کے مطابق جنگ جمل ظہر کے وقت شروع ہوئی تھی اور غروب کے وقت ختم ہوئی تھی۔ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ یہ جنگ تین دن تک جاری رہی۔ تیسرے دن امیر المومنینؓ کو فتح نصیب ہوئی تھی۔

اس جنگ میں پچیس ہزار افرادِ تہ تیغ ہوئے۔ امیر المومنینؓ کے لشکر میں سے چھ ہزار افراد نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا اور انیس ہزار مخالفین اس جنگ میں قتل ہوئے۔

اس جنگ میں چودہ ہزار افراد کے ہاتھ پاؤں کٹے جو کہ ساری زندگی کے لیے اپناج ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ کتنے بچے یتیم ہوئے اور کتنی خواتین بیوہ ہوئیں اور کتنے افراد کو زخم آئے تو ان کا حساب خدا ہی جانتا ہے۔

واقعات کافی طویل ہیں، ہم نے اختصار کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش کیا ہے۔





## جنگِ صفین

ہماری آج کی گفتگو امیر المومنین حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت کی دوسری جنگ یعنی جنگِ صفین کے حوالے سے ہے۔ یہ جنگ انتہائی پرخطر تھی اور اس کے واقعات سن کر انسان کے روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ جنگ باطلِ نظر پرے کے تحت شروع کی گئی تھی اور فریب کاری پر اس کا اختتام ہوا۔ جنگ کے تمام واقعات میں امیر المومنین علیؑ کی عدالت و صمت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور قدم قدم پر مخالفین کی عیاریاں واضح ہوتی ہیں۔

جب جنگِ جمل کا اختتام ہوا اور امیر المومنین مظفر و منصور ہو کر کوفہ آئے تو آپؑ نے معاویہ کے نام خط لکھا کہ تم ہماری بیعت کرو۔

ادھر معاویہ نے خط آنے سے پہلے شام کے دنیا طلب مشاہیر کو ہماری رقم رشوت کے طور پر دی کہ تم لوگ ملکِ شام میں یہ منادی کرو کہ علیؑ نے مدینہ میں عثمانؓ کو ناحق قتل کرایا ہے اور اب اس کی جگہ خلافت پر تسلط کر لیا ہے، اور معاویہ خونِ عثمانؓ کا وارث ہے اور وہ خونِ عثمانؓ کے انتقام کا طلبگار ہے، لہذا تمام لوگوں کو اس اقدام کے لیے معاویہ کی حمایت کرنی چاہیے۔

معاویہ نے عمرو بن العاص کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اس نے اپنی شمولیت کی یہ شرط عائد کی کہ اگر معاویہ مصر کی حکومت اس کے سپرد کرے تو وہ اس کی حمایت کرے گا۔

معاویہ نے اس کی شرط تسلیم کر لی۔ پھر معاویہ اہلِ شام کا بہت بڑا لشکر لے کر شام سے عراق پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، اور صفین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ ملکِ شام

میں رزقہ شہر کے قریب واقع ہے اور یہاں سے دریائے فرات گزرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر معاویہ کے ساتھیوں نے دریائے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے جواب میں حضرت مالک اشترؓ چار ہزار مجاہدین کا ابتدائی دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ انھوں نے معاویہ کے جرنیل ابوالاحور سلمیٰ اور اس کی سپاہ کو گھاٹ سے ہٹا دیا۔ چند دن تک یہی کیفیت رہی۔ پھر معاویہ بہت بڑا لشکر لے کر وہاں پہنچا۔ مالک اشترؓ نے گھاٹ خالی کر دیا۔ معاویہ کے لشکر نے دوبارہ گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ معاویہ کی فوج میں ایک لاکھ افراد سے بھی زیادہ افراد شامل تھے۔

ادھر امام علیؓ بھی اپنا لشکر ہزار لے کر وہاں پہنچ گئے۔ آپؓ نے مصعبہ بن صوحان کو معاویہ کے پاس بھیجا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ گھاٹ کو خالی کر دے اور فریقین کو پانی بھرنے کی مکمل اجازت ہونی چاہیے۔ لیکن معاویہ اپنی طاقت کے نشے میں ڈھٹ تھا۔ اس نے گھاٹ خالی کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی فوج سے کہا کہ تم نے ہر قیمت پر گھاٹ پر قبضہ قائم رکھنا ہے۔ گھاٹ پر قبضہ جاری رکھنا ہی فتح ہے۔

معاویہ کے لشکر میں سے ایک شخص کھڑا ہوا (جسے ہمدانی مصعبہ کہا جاتا تھا)۔ اس نے معاویہ سے کہا کہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔ تم پہلے آئے ہو تم نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا ہے اور اگر علیؓ پہلے آجاتے تو وہ گھاٹ پر کبھی قبضہ نہ کرتے۔ پانی سب کے لیے ہے۔ علیؓ کے لشکر میں کچھ غلام اور مزدور اور کمزور افراد بھی ہوں گے۔ ان کا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ اقدام تمہاری طرف سے پہلا ظلم ہے۔

معاویہ نے بڑی سختی سے اسے جواب دیا اور عمرو بن العاص سے کہا کہ تم اپنے دوست کو چپ کراؤ۔ عمرو بن العاص نے اس کی بے عزتی کی۔ جیسے ہی رات ہوئی تو وہ تاریکی کا فائدہ اٹھا کر معاویہ کے لشکر سے نکلا اور حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

امیر المومنینؓ اور آپؓ کا لشکر پورے آٹھ پہر تک پیاسا رہا۔

عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا: علیؓ کبھی پیاسا نہیں مرے گا۔ اس کے ساتھ نوے ہزار عراقی فوجی موجود ہیں اور ان کے پاس تلواریں بھی ہیں، لہذا دانش مندی سے کام لو،

گھاٹ سے چہرہ اٹھا دو اور گھاٹ کو سب کے لیے کھلا چھوڑ دو۔  
معاویہ نے کہا: خدا کی قسم! میں انھیں پیاس سے ہلاک کروں گا جیسا کہ عثمانؓ پیاسا مرا تھا۔

ادھر اصحابِ علیؓ نے آپؐ سے ہرزور مطالبہ کیا کہ گھاٹ آزاد کرائیں۔ آخر کار آپؐ نے اجازت دی۔ اشعث نے آواز دی: لوگو! میں پانی چھڑانے جا رہا ہوں جو میرے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے وہ آجائے۔

اس آواز پر بارہ ہزار قبیلہ کندہ کے افراد تلواریں لے کر پہنچے۔ ادھر مالک اشترؓ اپنا دستہ لے کر آئے اور انھوں نے معاویہ کے لشکر پر زور کا حملہ کیا۔ کچھ دیر کی مزاحمت کے بعد معاویہ کے فوجی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی اثناء میں کئی افراد دریا میں ڈوب مرے۔ الغرض گھاٹ امیر المومنینؓ کی سپاہ کے ہاتھ میں آگیا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اب ہم معاویہ کے ساتھیوں کو پانی بھرنے نہیں دیں گے۔

امیر المومنینؓ نے فرمایا: نہیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ پانی ہر جاندار کی ضرورت ہے، لہذا ہماری طرف سے ہر شخص کو پانی بھرنے کی اجازت ہے۔

امیر المومنینؓ نے پوری کوشش کی کہ جنگ نہ ہونے پائے، لیکن معاویہ نے آپؐ کی مصالحتانہ کوششوں کی پرواہ نہ کی جس کی وجہ سے جنگ شروع ہو گئی اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ پہلے تیرا اندازوں نے حملہ کیا۔ جب دونوں طرف کے تیر ختم ہو گئے تو نیزہ بردار آگے بڑھے۔ اس کے بعد شمشیر زن افراد کی باری آئی اور ہر طرف سے لوہے سے لوہا ٹکرانے کی صدا میں بلند ہوئیں۔ میدان کی دھول کی وجہ سے سورج گہما گیا۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ہر فریق کی یہ خواہش تھی کہ جنگ کا نتیجہ اس کے حق میں نکلے، اسی لیے مسلسل چھتیس گھنٹے تک جنگ جاری رہی۔ لشکرِ شام میں کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگے اور وہ یہ دہائی دینے لگے:

اے اہل عراق! خدا کے لیے ترس کھاؤ۔ آج پورا عرب تباہ ہونے کو ہے۔ جوں جوں لہات گزر رہے تھے۔ اس قدر شامی لشکر بڑھ چکا تھا۔ معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا

کہ تم بڑے عیار ہو۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ ہم یقینی شکست سے بچ جاویں۔

عمر بن العاص نے کہا: اس کے لیے بس یہی حیلہ ہے کہ یزیدوں پر قرآن بلند کیے جائیں اور عراقی لشکر سے کہا جائے کہ لڑائی بند کر دے اور قرآن کے فیصلے کے مطابق اس مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔

جیسے ہی صبح ہوئی تو اہل شام نے یزیدوں پر قرآن بلند کیے اور دہائی دی کہ جنگ بند کر دو، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! ان کے دھوکے میں مت آؤ، یہ لوگ قرآن کا فیصلہ ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ تمہیں صرف دھوکا دینا چاہتے ہیں اور یقینی شکست سے بچنا چاہتے ہیں۔ جب قرآن بلند ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ کہنے لگے کہ جنگ جاری رہنی چاہیے اور کچھ کہنے لگے کہ جنگ روک دی جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجیوں کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ لوگ اہل قرآن نہیں ہیں۔ یہ ان کا ایک جنگی حربہ ہے، لہذا استقامت سے کام لو اور باطل کا خاتمہ کر دو۔

مورخ مسعودی کے بقول یہ جنگ اپنے آغاز سے لے کر لیلۃ الہمر تک ایک سو دس دنوں تک وقفے وقفے سے لڑی جاتی رہی۔ اس میں ہشامیوں کے نوے ہزار افراد قتل ہوئے اور اہل عراق سے بیس ہزار افراد قتل ہوئے۔

مالک اشترؓ جنگ کرنے میں مصروف تھے کہ اہل عراق کے بیس ہزار افراد امیر المومنینؓ کے سامنے آئے اور یہ لوگ اتنے بڑے نمازی تھے کہ کثرتِ سجود کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر سیاہ داغ پڑے ہوئے تھے اور انھوں نے آپؐ کو امیر المومنینؓ کے بجائے آپؐ کے اصلی نام سے مخاطب کیا اور کہا کہ آپؐ قرآن کا فیصلہ تسلیم کریں، ورنہ ہم آپؐ کو اسی طرح سے قتل کر دیں گے جیسا کہ ہم نے عثمانؓ کو قتل کیا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، میں قرآن سے کیسے اخراج کر سکتا ہوں، جبکہ سب سے پہلے میں قرآن اور رسول اسلامؐ پر ایمان لایا ہوں۔ میں تمہیں صرف خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ان کا دھوکا ہے۔ یہ لوگ قرآن پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔

اس وقت جنگ فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی اور اگر ایک گھنٹہ مزید جاری رہتی تو معاویہ کو ابدی شکست ہو جاتی۔ لیکن ان نادان لوگوں نے حضرتؓ سے کہا کہ آپؐ مالکؓ کو واپس بلائیں ورنہ ہم آپؐ کو قتل کر دیں گے۔

حضرتؓ نے اپنا ایک قاصد مالکؓ کے پاس بھیجا کہ اب تم واپس آ جاؤ۔ مالکؓ نے قاصد سے کہا کہ امیر المومنینؓ سے جا کر کہہ دو کہ کچھ دیر کے لیے صبر کریں، کیونکہ حق کی کامیابی کی گھڑی قریب آ چکی ہے۔

قاصد نے امیر المومنینؓ کو مالکؓ اشترؓ کا پیغام پہنچایا لیکن حضرتؓ کے غدار ساتھیوں نے کہا: اگر مالکؓ واپس نہ آیا تو ہم تجھے قتل کریں گے، یا گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کر دیں گے۔

آپؐ نے بادل خواستہ پھر قاصد روانہ کیا۔ مالکؓ اشترؓ نے کہا کہ مجھے چند لمحات اور دے دیں۔ اس کے بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔

قاصد نے کہا: مالکؓ! کیا آپؐ یہ پسند کریں گے کہ مخالفین امیر المومنینؓ کو قتل کر دیں؟ اور اگر تم ایسا نہیں چاہتے تو جنگ سے ہاتھ اٹھا لو۔

اشترؓ بڑے غضب ناک ہو کر واپس آئے اور اپنے باغی ساتھیوں سے فرمایا: اے ذلیل لوگو! جب تم کامیابی حاصل کرنے ہی والے تھے تو دشمن نے تمہیں دھوکا دینے کے لیے قرآن بلند کیے۔ ان کے جال میں نہ پھنسو، مجھے سہلت دو، فتح کی گھڑی قریب ہے۔ مالکؓ اشترؓ باغیوں میں کافی تو تکرار ہوئی۔ پھر باغیوں نے از خود یہ اعلان کر دیا کہ امیر المومنینؓ حکیم پر راضی ہو گئے ہیں، لہذا جنگ بند کی جاتی ہے۔

اس اثنا میں امامؑ خاموش تھے۔ جب لشکر میں خاموشی چھا گئی تو آپؐ نے فرمایا: لوگو! کل تک تو میں تمہارا حاکم تھا اور آج تمہارا محکوم بن چکا ہوں۔ اب اگر تم خود ہی جنگ سے جی چرانے لگے ہو تو میں تمہیں کیسے مجبور کر سکتا ہوں۔

اشعثؓ جو کہ اس فتنہ کی جز قوادہ امامؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپؐ اجازت دیں میں آپؐ کا قاصد بن کر معاویہ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ امامؑ نے اجازت دی۔ اشعثؓ

معاویہ کے پاس گیا اور کہا کہ تم نے قرآن کیوں بلند کیے ہیں؟  
معاویہ نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ قرآن کے مطابق فیصلہ ہو۔ ایک شخص کو تم حکم مقرر کرو اور ایک کو ہم حکم بتاتے ہیں۔ ان دونوں سے قسم لی جائے کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں گے اور کوئی کی بیشی نہ کریں گے۔

الغرض اشعث واپس آیا اور فریقین میں سے ایک ایک جماعت آگے بڑھی اور حکم کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اہل شام نے کہا کہ ہماری طرف سے عمرو بن العاص حکم ہوگا۔ اُدھر اشعث اور دوسرے منافقین نے کہا کہ ہماری طرف سے ابوموسیٰ اشعری حکم ہوگا۔

امام علیؑ نے ابوموسیٰ کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ اس کے بجائے ابن عباسؓ ہماری طرف سے حکم ہوگا۔ لیکن منافقین نے کہا کہ وہ آپؐ کا رشتہ دار ہے، اسی لیے وہ حکم نہیں بن سکتا۔  
امام علیؑ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو میری طرف سے مالک اشترؓ حکم ہوگا لیکن اشعث کی جماعت نے ابوموسیٰ پر ہی اصرار جاری رکھا۔

امام علیؑ نے یہ حالت دیکھی تو بڑے درد سے فرمایا: تم کیسے لوگ ہو۔ معاویہ کی بات مانی جا رہی ہے اور میری بات تم نہیں مانتے ہو۔ اب جو تمہارے جی میں آئے کرتے پھرو۔  
اس وقت ابوموسیٰ شام میں تھا۔ اُسے بلایا گیا تو وہ امام علیؑ کی لشکرگاہ میں آیا۔ وہ اشترؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میں ہی حکم بنوں گا۔

احنف بن قیس امام علیؑ کے پاس گئے اور انھوں نے آپؐ کو اشعری سے خبردار کیا اور کہا: یہ شخص انتہائی کمزور ذہنیت رکھتا ہے اسے آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔  
امام علیؑ نے احنف کی تائید کی، لیکن آپؐ کے باغی فوجیوں نے یہ اصرار کیا کہ ابوموسیٰ ہی حکم ہوگا۔ پھر ایک معاہدہ تحریر کیا گیا جس میں یہ عبارت تھی:

”یہ وہ معاہدہ ہے جس پر امیر المومنین علیؑ اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان اتفاق ہوا ہے۔“

جب معاویہ نے اس تحریر کو پڑھا تو کہا کہ اگر میں علیؑ کو امیر المومنین مانتا تو پھر میں ان سے جنگ ہی کیوں کرتا!!

معاہدہ نامہ حضرتؑ کے پاس لوٹایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے لفظ امیر المومنین کو مٹا دیا جائے۔

اخف نے کہا: یہ لفظ قائم رہنا چاہیے۔ اشعث نے پھر مخالفت کی اور کہا کہ اس لفظ کو مٹا دینا چاہیے۔

امام علیؑ نے فرمایا: اس سے قبل حدیبیہ میں جب معاہدہ لکھا گیا تھا تو اس معاہدے کی عبارت یہ تھی:

”یہ وہ معاہدہ ہے جس کی شرائط کے تحت محمدؐ رسول اللہ اور سمیل بن عمرو میں مصالحت ہوئی ہے۔“

اس وقت سمیل نے یہ کہا تھا کہ اگر میں ”محمدؐ“ کو اللہ کا رسول ماننا تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتا اور مخالفت کیوں کرتا؟ اس کے بجائے یہاں محمدؐ بن عبد اللہ لکھا جائے۔

اس وقت رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہاں ”رسول اللہ“ کے مٹانے سے میری رسالت مٹ نہیں جائے گی۔ معاہدہ میں یہ لفظ ہو یا نہ ہو، میں پھر بھی اللہ کا رسول ہی رہوں گا، لہذا معاہدہ کی عبارت میں سے لفظ ”رسول اللہ“ کو کاٹ دیا جائے۔

وہ معاہدہ میں نے لکھا تھا اس وقت وہ معاہدہ مشرکین کے لیے لکھا تھا اور آج ان کی اولاد کے لیے معاہدہ لکھ رہا ہوں۔

عمرو بن العاص نے کہا: کیا آپؐ ہمیں کفار سے تشبیہ دے رہے ہیں جب کہ ہم مسلمان ہیں؟

امام علیؑ نے فرمایا: فرزندِ نبیؐ تو خود ہی بتا کہ کُوفروں کا کب دوست نہیں تھا اور مسلمانوں کا کب دوست تھا؟ الغرض معاہدہ طے ہو گیا۔ معاہدے کے اوپر ”امیر المومنین“ کی ہر لگائی گئی اور نیچے معاہدہ کی ہر لگائی گئی اور گواہوں نے اس تحریر پر اپنے دستخط ثبت کیے۔

خوارج کا ظہور

اشعث معاہدہ کی کاپی لے کر آیا اور لوگوں کے سامنے اس کی عبارت پڑھی۔ اس

وقت فوج میں کھلبلی مچ گئی اور خوارج نمودار ہوئے اور انھوں نے لَأَحْكَمَ إِلَّا لِلَّهِ کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ اشعث! ہمارے مقتول کہاں جاگیاں گے؟

کچھ لوگ اشعث کو قتل کرنے کے لیے اُٹھے۔ خوارج امام علیؑ کے پاس آئے اور انھوں نے حکیم پر اعتراض کیا اور کہا کہ آپؑ معاہدہ منسوخ کر دیں اور جنگ شروع کر دیں۔ امام علیؑ نے فرمایا: کیا عہد و پیمان کے بعد ہم معاہدہ سے منحرف ہو جائیں؟ کیا اللہ نے عہد و معاہدہ کی پابندی کا حکم نہیں دیا؟ پھر آپؑ نے اس سلسلے کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔

خوارج نے امام علیؑ سے بیزاری اختیار کی۔ حسرت کا باقی لنگر آیا اور آپؑ سے صلے کی اجازت طلب کی تو آپؑ نے فرمایا: اگر تم پہلے اسی جذبات کا اظہار کرتے تو میں جنگ کبھی بند نہ کرتا۔

اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔ پھر چند ماہ بعد دومۃ الجندل کے مقام پر حکمین فیصلہ کے لیے جمع ہوئے۔ لوگوں نے ایامویٰ سے کہا کہ ہوشیار رہنا، تجھے بڑے مکار سے مذاکرات کرنے ہیں، لہذا ہوشیار رہنا۔ کہیں وہ تجھے دھوکا نہ دے جائے۔ الغرض حکمین اکٹھے ہوئے تو عمرو نے کہا: ایامویٰ بات کریں۔ اس نے کہا: تم بات کرو۔

عمرو نے کہا: آپ کو خدا نے بڑا مقام اور مرتبہ عطا کیا ہے لہذا میں پہل نہیں کر سکتا۔ عمرو عاص نے کہا: آپ ایک بزرگ آدمی ہیں۔ آپ امت اسلامیہ کو خون ریزی سے بچا سکتے ہیں، لیکن جب تک علیؑ عراق میں اور معاویہؓ شام میں ہے یہ جنگ ہرگز بند نہ ہوگی۔ بہتر ہے کہ ان دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو آزادی ہو۔ وہ جسے چاہیں اپنا حاکم مقرر کریں۔

ایامویٰ نے کہا: یہ تجویز مقبول ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

عمرو بن العاص نے کہا کہ وہ حکومت پر راضی نہ ہوگا۔



ایموئی نے کہا: جب لوگ اس سے پرزور مطالبہ کریں گے تو وہ قبول کرے گا۔

عمر دین الحاص نے کہا: کیا سعد بن ابی وقاص کو خلیفہ نہ بنایا جائے؟

ایموئی نے کہا: میں اس پر راضی نہیں ہوں۔

عمر دین الحاص نے کچھ اور افراد کے نام بھی لیے لیکن ایموئی راضی نہ ہوا۔

عمر دین الحاص نے ایموئی سے کہا کہ لیجیے خیمہ سے باہر چلیں اور اعلان کریں۔

ایموئی نے کہا: تم خود اعلان کرو۔

عمر دین الحاص نے کہا: آپ جیسے جلیل القدر صحابی کی موجودگی میں میں بیعت نہیں کر سکتا۔

ایموئی اٹھا اور خطبہ دیا اور کہا: لوگو! ہم نے اس معاملہ پر خوب غور و خوض کی ہے۔ ہم

نے مسلمانوں کو بچانے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم علیؑ اور محادیہ دونوں کو معزول کرتے

ہیں۔ میں نے علیؑ کو خلافت سے ایسے معزول کیا ہے جیسا کہ اپنے سر سے عمامہ کو اتار رہا ہوں۔

عمر دین الحاص اٹھا اور کہا: لوگو! تم نے علیؑ کے نمائندے کی گفتگو سنی اس نے اپنے

ساتھی کو خلافت سے معزول کر دیا ہے۔ میں اس کی تائید کرتے ہوئے علیؑ کو معزول کرتا ہوں

اور محادیہ کو بحال کرتا ہوں۔

اس وقت اشعری نے قہقہہ کر کہا: ہم نے دونوں کو معزول کیا ہے۔ یہ شخص جمعوت بولتا

ہے اور خداری کر رہا ہے۔

مثله کمثل الکلب ان تحبل علیہ یلھث او تترکہ یلھث

جواب میں عمرو نے کہا کہ خدا تجھے فارت کرے تیری مثال وہی ہے جو سورہ جمعہ میں

اہل کتاب کے لیے بخش کی گئی ہے۔

عمرو نے ایموئی کو تھپڑ مارا اور وہ گر پڑا۔ شریحؒ نے عمرو کو کوڑا مارا۔ اشعری اپنی سواری

پر سوار ہوا اور شرمندگی چھپانے کے لیے مکہ چلا گیا اور قسم کھائی کہ آجیہ میں علیؑ کے چہرے کی

طرف نگاہ نہیں کروں گا۔



## امیر المومنین علیؑ اور خوارج

حکمین کی تقرری کے بعد امیر المومنین علیؑ مصقین سے روانہ ہوئے اور کوفہ تشریف لائے۔ حکمین کے فیصلہ تک آپؑ کوفہ ہی میں رہے، یہاں تک کہ حکیم کا دھاندلی زدہ فیصلہ آگیا۔ اس بدترین فیصلہ میں امام علیؑ کو خلافت سے معزول کیا گیا اور معاویہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔

بیکس سے خوارج کے مذہب نے جنم لیا۔ امام علیؑ سال پورا ہونے کا انتظار کرتے رہے کیونکہ معاویہ سے ایک سال کی جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا۔ آپؑ چاہتے تھے کہ جنگ بندی کا عرصہ ختم ہو تو معاویہ کے خلاف حملہ کیا جائے۔ ابھی آپؑ حاکم شام کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھے کہ کوفہ کے مابود زاہد چار ہزار افراد نے امام علیؑ کے خلاف گروہ بندی کی اور خروج کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے لَاحِکَمَ إِلَّا لِلّٰہ کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ علیؑ نے حکم مقرر کر کے حکم خدا کی نافرمانی کی ہے لہذا اس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

ان کے ساتھ آٹھ ہزار اور افراد بھی شامل ہو گئے اور یوں ان کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی اور یہ کوفہ سے نکل کر ”حروراء“ کے مقام پر فروکش ہوئے اور یہ اعلان کیا کہ امیر جنگ شہب بن ربیع ہوگا اور امام الصلاۃ عبداللہ بن الکواء ہوگا اور فتح کے بعد شوریٰ کے ذریعے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے گا اور بیعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر ہوگی۔

زرہ طائی اور حرقوس بن زہیر (ذوالندبہ) امام علیؑ کے پاس آئے اور لَاحِکَمَ إِلَّا لِلّٰہ کا نعرہ بلند کیا۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے لیکن اس سے مقصود باطل ہے۔

دوئل یہ نے امام علیؑ سے کہا کہ آپؑ اپنی غلطی سے توبہ کریں ہم آپؑ کا ساتھ دیں گے اور آپؑ کے دشمن سے جنگ کریں گے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: میں جنگ ہی چاہتا تھا لیکن اس وقت تم نے نافرمانی کی اور اب ہمارے اور ہمارے مخالف کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پا چکا ہے اور ہم نے ایک دوسرے سے پختہ وعدہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے معاہدے کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ دوئل یہ نے کہا: آپؑ نے گناہ کیا ہے اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

امام علیؑ نے فرمایا: میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ تمہاری رائے کی عاجزی اور تمہارے قول کی کمزوری تھی۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نہیں مانے تھے۔

انہی کو وہ نے کہا کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپؑ امام نہیں ہیں۔ اگر آپؑ امام ہوتے تو جنگ کا فیصلہ ہونے سے قبل واپس نہ آتے۔

آپؑ نے فرمایا: رسول خدا بھی حدیبیہ کے سال جنگ کے بغیر واپس آئے تھے۔ زور نے کہا: اگر آپؑ نے توبہ نہ کی تو میں آپؑ کو قتل کر دوں گا اور اس سے خدا کی رضا طلب کروں گا۔

امام علیؑ نے فرمایا: تم پر ہلاکت ہو، کو بڑا ہی بد نصیب ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو قتل ہو چکا ہے اور تم پر ہوا میں گرد و غبار اڑا رہی ہیں۔ زور نے کہا: میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

امام علیؑ نے خوارج کو سمجھانے کی غرض سے عبداللہ بن عباسؓ، مصعبؓ بن صوحان اور زیاد بن نضرؓ کو بھیجا، لیکن خوارج نے ان کی بات نہ مانی۔

امام علیؑ اتمام حجت کے لیے بنفس نفیس ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ جب مخالفین نے قرآن بلند کیے تھے تو میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ دھوکا اور مکاری ہے اور اگر وہ قرآنی فیصلے کے قائل ہوتے تو میرے پاس آتے اور قرآنی حکم پر بحث کرتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکیم کائنات شہید مخالف تھا؟ خوارج نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم نے ہی مجھے جنگ سے روکا تھا اور میں نے مجبور ہو کر تمہاری بات مانی تھی اور میں نے شرائط میں یہ شرط بھی رکھی تھی کہ حکمین نے اگر قرآن کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ قابل قبول ہوگا ورنہ ہم اس فیصلہ کو مسترد کر دیں گے۔

ابن کواءؓ نے کہا کہ آپؐ نے ہماری رائے سے ہی حکیم کو قبول کیا تھا۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے کفر کیا تھا، لیکن اب ہم توبہ کر چکے ہیں۔ آپؐ بھی ہماری طرح سے اپنے کفر کا اقرار کریں پھر توبہ کریں۔ ہم آپؐ کے ساتھ شام جائیں گے۔

امام علیؑ نے فرمایا: اگر حکیم حرام ہوتی تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے جھگڑے کی صورت میں حکم مقرر کرنے کا حکم کیوں دیتا؟ اور اگر حکیم کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے نصف درہم کے مساوی جانور کے شکار کے لیے دو فیصلہ کرنے والوں کے فیصلہ کا حکم کیوں دیا؟

خوارج نے کہا کہ جب عمرو بن العاص نے معاہدے کی عبارت پر اعتراض کیا تو آپؐ نے خلیفہ المسلمین کا لفظ متا دیا تھا اور اس کی جگہ صرف علیؓ بن ابی طالبؓ لکھا تھا۔ جب خلافت سے آپؐ نے اپنا نام خود ہی مٹایا ہے تو اب آپؐ خلیفہ نہیں رہے۔

امام علیؑ نے فرمایا: میں نے فعل پیغمبرؐ کی تقلید کی ہے۔ حدیبیہ کے صلح نامہ پر سہیل بن عمرو نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ہم آپؐ کو رسول اللہؐ نہیں مانتے، لہذا اس لفظ کو کاٹ دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ”رسول اللہ“ کے الفاظ کاٹ دیئے تھے اور ”محمد بن عبد اللہ“ لکھا تھا تو کیا خیال ہے کہ اس کے بعد پیغمبرؐ خدا اللہ کے رسولؐ تھے یا نہیں؟

جب رسولؐ خدا نے لفظ ”رسول اللہ“ کاٹا تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس جیسا واقعہ تجھے بھی پیش آئے گا۔

خوارج نے کہا: ہم نے بہت برا گناہ کیا ہے اور ہم نے توبہ کی ہے۔ آپؐ بھی ہماری طرح سے توبہ کریں تو ہم آپؐ کا ساتھ دیں گے۔

امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ۔

یہ سنا تو مجھے ہزار افراد کو فہم واپس آ گئے اور یہاں پہنچ کر یہ بات مشہور کی کہ علیؓ نے حکیم کے حلق اپنا نظریہ بدل لیا ہے اور حکیم پر قائم رہنے کو گمراہی اور کفر تسلیم کر لیا ہے۔ اس

وقت علیؑ انکار کر رہے ہیں کہ جانور موٹے تازے ہو جائیں اور مال آجائے تو پھر وہ شام پر حملہ کریں گے۔

اشعثؑ آپؑ کے پاس آیا اور کہا کہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپؑ نے حکیم کو کفر مان لیا ہے تو کیا یہ بات درست ہے؟

امیر المومنین علیؑ نے خطبہ دیا اور فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے حکیم کو کفر قرار دیا ہے تو وہ شخص جھوٹ بولتا ہے اور جو حکیم کو گمراہ سمجھتا ہے وہ خود گمراہ ہے۔ یہ اعلان سنا تو خوارج مسجد سے نکل گئے اور جھگڑنا کر نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔

### خوارج کی تباہ کاریاں اور اُن کا انجام

خوارج کے متعلق بہت سی داستانیں منقول ہیں۔ کچھ تو قابلِ گریہ ہیں اور کچھ مضحکہ خیز ہیں۔ خوارج کا قافلہ جارہا تھا۔ راستے میں انھیں دو افراد ملے۔ ایک مسلمان تھا اور دوسرا نصرانی تھا۔ انھوں نے مسلمان کو قتل کر دیا کیونکہ وہ ان کے عقیدہ کی حمایت نہ کرتا تھا اس لیے انھوں نے اسے کافر قرار دے کر قتل کر دیا اور نصرانی کے متعلق کہا کہ اس کی حفاظت کرو یہ تمہارے نبیؐ کی امانت ہے۔

ایک کھجور کے نیچے چند خرما کے دانے گرے پڑے تھے۔ ایک خارجی نے ایک دانہ اٹھا کر منہ میں ڈالا تو باقی خوارج چیخ اُٹھے اور اس سے کہا: بھائی! یہ کام نہ کرو یہ تو زمین میں فساد پیدا کرتا ہے! اس شخص نے وہ دانہ تھوکر کے نکال دیا۔

یہ قافلہ جارہا تھا کہ راستے میں خنزیر ملا۔ ایک خارجی نے اُسے مار ڈالا۔ دوسروں نے کہا کہ جانوروں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ ایسا کرنا فساد فی الارض ہے۔

ایک نصرانی سے خرما کی قیمت پر بحث شروع کی اور انھوں نے کہا: ہم کسی بھی انسان کی کوئی چیز قیمت دیے بغیر نہیں کھاتے۔

نصرانی نے کہا: عجیب لوگ ہو ایک طرف سے اتنے پرہیزگار ہو اور عبداللہ بن خطاب جیسے عابد و زاہد کو قتل کرتے ہو؟

عبداللہ بن خباب اُردی گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی حاملہ بیوی بھی تھی۔

خوارج نے کہا: کوئی حدیث بیان کرو۔ انھوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”میرے بعد ایسا فتنہ بپا ہوگا کہ اس میں انسان کا دل ایسے مرجائے گا جیسا کہ اس کا بدن مرتا ہے۔ شام کے وقت مومن ہوگا اور صبح کے وقت کافر ہوگا۔ اس دور میں مقتول بننا پڑے تو بن جانا، لیکن قاتل نہ بننا۔“

خوارج نے کہا: تم شیخین کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہو؟

انھوں نے ان کی تعریف کی۔

پھر کہا کہ مثالی حکومت کے پہلے چھ سالہ دور کے متعلق کیا کہتے ہو؟

انھوں نے اس عرصہ کی تعریف کی۔

انھوں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ حکیم کے بعد علیؑ کو کیا سمجھتے ہو؟

عبداللہ بن خباب نے کہا کہ حضرت علیؑ کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے متقی اور پرہیزگار انسان ہیں اور وہ اجتہادی باہمیرت فرد ہیں۔

خوارج نے کہا: تو خواہشات کی بھڑکی کرتا ہے اور تو بڑے بڑے نام سن کر اُن کی اتباع کرتا ہے۔ پھر اُسے دریا کے کنارے لے گئے اور اُسے لٹا کر ذبح کر دیا۔ پھر ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر دیا۔

الغرض خوارج نہروان پہنچے اور امام علیؑ اپنا لشکر لے کر اُن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: آپ ان لوگوں کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں اور آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟

ابن عباسؓ اُن کے پاس گئے اور خوارج کے لیڈر عتاب اور ابن عباسؓ میں حسب ذیل گفتگو ہوئی جسے ہم مکالمہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

ابن عباسؓ: اسلام کی بنیاد کس نے رکھی؟

عتاب: اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اسلام کی بنیاد رکھی ہے۔

ابن عباسؓ: کیا پیغمبر اکرمؐ نے اسلام کے حدود و قواعد کو واضح کیا تھا یا نہیں؟  
عتاب: جی ہاں واضح کیا تھا۔

ابن عباسؓ: کیا نبی دارالاسلام میں باقی ہیں یا رحلت فرما چکے ہیں؟  
عتاب: وہ رحلت فرما چکے ہیں۔

ابن عباسؓ: آپؐ کی رحلت کے ساتھ امورِ شرع کی بھی رحلت ہو چکی ہے یا باقی ہیں؟  
عتاب: آپؐ کے بعد بھی باقی ہیں۔

ابن عباسؓ: نبی اکرمؐ کی قائم کردہ عمارت کو کس نے بعد میں قائم رکھا؟  
عتاب: ذریت اور صحابہ نے۔

ابن عباسؓ: کیا اصحاب اور ذریت نے دین کی عمارت کو آباد رکھا ہے یا خراب کر دیا ہے؟  
عتاب: آباد رکھا ہے۔

ابن عباسؓ: کیا اب بھی دین کی عمارت آباد ہے یا ویران ہے؟  
عتاب: آج کل حالات خراب ہیں۔

ابن عباسؓ: خرابی صحابہ نے پیدا کی ہے یا ذریت نے؟  
عتاب: ان میں سے کسی نے بھی نہیں۔ اسے امت نے خراب کیا ہے۔

ابن عباسؓ: حیرا تعلق صحابہ سے ہے یا ذریت سے؟  
عتاب: میرا تعلق امت سے ہے۔

ابن عباسؓ: تیرا تعلق امت سے ہے جس نے اسلام کے گھر کو ویران کیا ہے۔ پھر  
تجھے جلتی ہونے کی امید کیسے ہے؟

خوارج نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ علیؓ بنس نفیس آئیں، ممکن ہے کہ ان کی گفتگو سے  
ہمیں تسکین حاصل ہو۔

ابن عباسؓ: واپس آئے اور صورتِ حال سے امام علیؓ کو آگاہ کیا۔ آپؓ ایک گروہ کو  
ساتھ لے کر خوارج کی جماعت کی طرف روانہ ہوئے۔ مقابلہ میں ابن الکواء بھی اپنے

ساتھیوں سمیت آپؐ کے سامنے آیا۔ جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے تو امام علیؑ نے فرمایا:

ابن الکواء! مسائل زیادہ ہیں، اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو میرے پاس بھیجو، تاکہ اس سے گفتگو کی جائے۔ ابن الکواء نے کہا کہ کیا میں آپ کی تلوار سے مطمئن ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا: جی بالکل۔ ابن الکواء دس ساتھیوں کو لے کر امام علیؑ کے سامنے آیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اہل شام مصاحف کو اٹھا کر تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں کیونکہ جنگ نے انہیں ہٹکا دیا ہے۔ لہذا ان کے دھوکے میں نہ آؤ لیکن تم نے انکار کیا تھا؟

میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ابن عباسؓ میری نمائندگی کریں گے، کیونکہ وہ دھوکا کھانے والا نہیں ہے۔ لیکن تم نے یہ کہا تھا کہ نمائندگی صرف ابوموسیٰ ہی کریں گے۔ مجھے مجبور ہو کر یہ بات ماننی پڑی تھی؟ اگر اس وقت مجھے کچھ مددگار مل جاتے تو میں تمہاری اس بات کو کبھی قبول نہ کرتا۔ میں نے تمہارے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ حکمین کا فیصلہ اس وقت قابل قبول ہوگا جب ان کا فیصلہ قرآن اور سنت جامعہ کے مطابق ہوگا۔ اور اگر ان کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق نہ ہوا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

ابن الکواء نے کہا کہ آپؐ نے بالکل درست کہا ہے۔ اب آپؐ کو کیا مجبوری ہے کہ آپؐ دشمن کی طرف کیوں نہیں جاتے؟

آپؐ نے فرمایا: ان سے جنگ بندی کی جو میعاد طے ہوئی ہے جب تک وہ ختم نہ ہو جائے تب تک ہم ان سے جنگ نہیں کر سکتے۔

ابن الکواء نے کہا: کیا آپؐ اس امر پر پختہ ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں، اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی حل نہیں ہے۔

ابن الکواء اور اس کے ساتھیوں نے خوارج کی جماعت کو چھوڑ دیا اور حضرت علیؑ کے پاس چلے آئے۔ باقی خوارج لَاحِکَمَ إِلَّا بِاللّٰہِ کا نعرہ لگاتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب الراسی اور ذوالثندہؓ کو اپنا امیر مقرر کیا اور ہردان میں ڈیرے ڈال دیے۔



احمر امام علیؑ اُن کی طرف روانہ ہوئے اور اُن سے دو فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا۔ آپؑ نے انھیں خطوط لکھے اور پیغام بھیجے کہ وہ اپنی باغیانہ روش کو ترک کر دیں، لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔

پھر امام علیؑ نے ابن عباسؓ کو بھیجا اور فرمایا: تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے ان کی ناراضگی کا سبب دریافت کرو۔

ابن عباسؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تمہیں امیر المومنینؑ پر کیا اعتراض ہے۔ خوارج نے کہا کہ ہمیں ان پر کچھ اعتراضات ہیں اگر وہ خود یہاں آجائیں تو ہم اپنے اعتراض اُن کے سامنے پیش کریں گے۔

ابن عباسؓ امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور کہا کہ وہ آپؑ سے گفتگو کرنا پسند کرتے ہیں، لہذا آپؑ ہی ان سے گفتگو کریں۔

امام علیؑ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: لوگو! میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔ تمہیں مجھ پر جو اعتراض ہیں وہ بیان کرو۔

خوارج نے کہا: ہمیں آپؑ پر کچھ اعتراضات ہیں۔ ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ جب آپؑ نے جنگ جمل فتح کی تو آپؑ نے اُن کے لشکرگاہ کا سامان ہمارے لیے مباح کیا تھا، لیکن اُن کی عورتوں اور مردوں کو غلام اور کنیز بنانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لشکرگاہ کا مال تو مباح ہوا اور اُن کی عورتیں حرام ہوں یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟

امام علیؑ نے فرمایا: لوگو! سنو، اہل بصرہ نے ہم سے جنگ کی تھی جب تم کامیاب ہوئے تو میں نے اُن کی لشکرگاہ کو تمہارے لیے مباح کیا تھا اور ان کی عورتوں اور بچوں پر دستِ انعام کی اجازت نہیں دی تھی، کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہیں تھیں۔ اُن کے بچے بھی فطرتِ اسلام پر پیدا ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ انھوں نے مشرکین پر بھی احسان کیے تھے۔ اگر میں نے ان کی عورتوں اور بچوں پر احسان کیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

خوارج نے کہا: ہمیں آپؑ پر اعتراض ہے کہ جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو آپؑ نے

لفظ ”امیر المومنین“ کو کاٹ دیا تھا۔ جب آپؐ نے خود ہی ”امیر المومنین“ کا جملہ کاٹ دیا تو ہم آپؐ کو اپنا امیر مانیں تو بھلا کیوں مانیں؟

امام علیؑ نے جواب دیا کہ میں نے اس مسئلے میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی کی ہے، کیونکہ جب حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو اس میں یہ عبارت لکھی گئی:

”یہ وہ معاہدہ ہے جس کی شرائط پر محمد رسول اللہ اور اسماعیل بن عمرو نے

اتفاق کیا ہے۔“

اس عبارت پر مشرکین کے نمائندے نے اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپؐ سے جنگ ہی کیوں کرتے؟ لہذا آپؐ صرف محمد بن عبد اللہ لکھیں۔

لفظ ”رسول اللہ“ کو کاٹ دیں۔ اس وقت نبی اکرمؐ نے لفظ ”رسول اللہ“ کو کاٹ دیا تھا۔

لوگو! بتاؤ جب رسولؐ خدا نے اپنے نام کے ساتھ لگا ہوا لفظ کاٹ دیا تھا تو اس کے بعد آپؐ رسول تھے یا نہیں؟

اگر اس لفظ کے کاٹنے کے بعد آپؐ رسول تھے تو میں بھی امیر المومنین کا لفظ کاٹنے کے بعد بدستور امیر المومنین ہی رہوں گا۔

خوارج نے کہا کہ آپؐ نے حکمین سے کہا تھا کہ تم قرآن کو ابتدا سے انتہا تک پڑھو۔ اگر میں تمہیں معاہدہ سے افضل نظر آؤں تو مجھے منہ خلافت پر باقی رکھنا۔ جب آپؐ کو خود ہی اپنے متعلق حکم ہے تو ہمیں آپؐ کے متعلق اس سے بھی کہیں زیادہ حکم ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اس طرح سے میں نے عدل و انصاف کے اصولوں کا بھرم رکھا تھا۔ فرض کرو اگر میں حکمین سے یہ کہتا کہ تم نے ہر قیمت پر مجھے ہی منصب خلافت پر باقی رکھنا ہے تو معاہدہ اس پر کبھی راضی نہ ہوتا۔

اس کی مثال حیات رسولؐ میں بھی ملتی ہے جب نجران کے نصاریٰ کو چیلنج دیا گیا تو آنحضرتؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ آؤ ہم تم پر لعنت کریں۔

اگر یہی جملے کہے جاتے تو نصاریٰ اس پر راضی نہ ہوتے۔ اس کے بجائے زبان قدرت

سے یہ الفاظ ادا ہوئے:

ثُمَّ نَبْتَهِلُ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ  
 ”..... ہم جھوٹوں پر لعنت کریں گے۔“

البتہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ عمرو بن العاص ایسویٰ کو دھوکا دے گا۔

خوارج نے کہا: ہمیں آپؐ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ خلافت آپؐ کا حق تھی لیکن آپؐ نے اس میں حکم مقرر کیے، آخر ایسا آپؐ نے کیوں کیا؟!

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے بھی بنی قریظہ کے لیے سعد بن معاذ کو حکم مقرر کیا تھا۔ میں نے ایسا کر کے رسول خدا کی سنت کی پیروی کی ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اس کے علاوہ تمہیں کوئی اور اعتراض ہو تو وہ بھی بیان کرو۔

خوارج خاموش ہو گئے اور اُن میں سے بہت سے افراد نے چیخ کر کہا: امیر المومنینؑ! ہم اپنے طرز عمل کو غلط سمجھتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے ابویوب انصاری کو امان کا پرچم دیا اور فرمایا کہ جو اس پرچم کے نیچے آئے گا اُسے امان ہوگی۔

اس آواز پر آٹھ ہزار افراد نے اپنی جماعت کو چھوڑ دیا اور پرچم کے نیچے آ گئے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: یہ آٹھ ہزار افراد پرچم کے نیچے رہیں گے اور جنگ میں شرکت نہیں کریں گے۔ بقیہ چار ہزار خوارج کو بھی آپؐ نے دھمکا دیا تھا، لیکن انہوں نے آپؐ کی کوئی بات نہ مانی اور اپنے نظریہ پر بعد رہے۔ پھر ان کے منادی نے ندا دی کہ لوگو! علیؑ کی مملکت سنو اور جنت جانے کی تیاری کرو۔

حقوق ذوالہدیہ اور عبداللہ بن وہب آگے بڑھے اور انہوں نے حضرتؑ سے کہا کہ ہم آپؐ سے جنگ کر کے خدا کی رضا اور آخرت کی نجات کے خواہش مند ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: تم لوگ قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق ہو:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ○ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسِبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ○ (سورۃ

کہف: آیت ۱۰۳-۱۰۴)

”کیا میں تمہیں ان لوگوں کی خبر دوں جو کہ اعمال کے لحاظ سے سخت خسارے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی محنت رائیگاں ہو گئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بہتر عمل کر رہے ہیں۔“

خوارج کے لشکر میں سے سب سے پہلے انص بن عزیز طائی امام علیہ السلام کے مقابلے پر آیا۔ امام علیہ السلام نے اُسے دوزخ رسید کیا۔ پھر عبداللہ بن وہب اور مالک بن وضاح آپ کے مقابلے پر آئے۔ امیر المومنین نے انھیں بھی دوزخ پہنچایا۔ پھر آپ نے حقوق کے سر پر دار کیا اور اُسے بھی جہنم رسید کیا۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کا حکم دیا۔ اُس کے بعد جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔

عبداللہ بن وہب راسی نے کہا: فرزند ابوطالب! اہم میدان نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کے ہاتھوں سے قتل ہو جائیں گے یا پھر آپ کو قتل کریں گے۔ اگر آپ میں جرأت ہے تو پھر میرے مقابلے پر آؤ۔

امام علیہ السلام اس کی لاف مزاف سن کر مسکرائے اور فرمایا: اس بے حیا کو شاید معلوم ہی نہیں ہے کہ میں تلوار کا ساتھی اور نیزہ کا رفیق ہوں۔ یہ شخص زندگی سے اکتا چکا ہے، اسی لیے جمہوری آرزو کر رہا ہے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے اس پر حملہ کیا اور اُسے اس کے ساتھیوں کے پاس دوزخ میں پہنچا دیا۔

دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ خوارج کے چار ہزار کے لشکر میں سے صرف نو افراد زندہ بچے جو کہ میدان سے بھاگ گئے تھے اور اُن میں سے دو خارجی خراسان بھاگے اور ارض بستان میں ان کی اولاد پائی جاتی ہے اور دو افراد یمن بھاگ گئے تھے اور وہاں اُن کی اولاد ہے جنھیں ”اباضیہ“ کہا جاتا ہے۔ دو افراد بلاد جزیرہ کی طرف بھاگے اور مکریت کے قریب ”باسن والیواریخ“ کے مقام پر جا کر آباد ہوئے اور باقی مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے صرف ۹ فوجی شہید ہوئے۔



## مملکت امامؑ پر لوٹ مار اور تین غارتیں

جب صفین میں حکیم ہوئی تو حضرت علیؑ کی فوج میں انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا اور خوارج وجود میں آئے۔ معاویہ نے موقع کو نصیحت جانا اور اس نے مملکت امامؑ میں چھاپہ مار فوجی دستے روانہ کیے، جنہوں نے لوگوں کا خون بہایا اور ان کے گھروں کو لوٹا۔

معاویہ ایسے افعال کا کئی بار مرتکب ہوا۔ ہم یہاں صرف تین غارتوں کا ذکر کرتے ہیں، جو کہ معاویہ نے عالم اسلام پر مسلط کی تھیں اور ان غارتوں میں غیر انسانی سلوک کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ ان غارات کی پہلی سی تفصیل درج ذیل ہے:

### پہلی غارت

ابن ابی الحدید نے ابن کثیر کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے سفیان بن عوف قاضی نے بیان کیا کہ مجھے معاویہ نے بلا کر کہا کہ میں تجھے مسلح اور برق رفتار لشکر دے کر روانہ کرتا ہوں۔ تم فرات کا کنارہ لے کر عراق کی طرف بڑھو اور جب ”ہیت“ پہنچو تو وہاں خوب لوٹ مار کرو۔ اور اگر وہاں علیؑ کا لشکر ہو تو بھی ان پر حملہ کرو۔ پھر وہاں سے نکل کر ”انبار“ جاؤ اور اگر وہاں لشکر نہ ہو تو وہاں خوب لوٹ مار کرو اور وہاں کے شہریوں کا بے دریغ قتل عام کرو۔ انبار کو برباد کر کے ”مدائن“ پر حملہ کرو، پھر واپس میرے پاس آ جاؤ۔ خیال رکھنا کوفہ مت جانا، کیونکہ انبار اور مدائن پر یورش گویا کوفہ پر ہی یورش ہے۔

اس طرح کی برق رفتار چھاپہ مار کارروائیوں سے اہل عراق ڈر جائیں گے اور جن کے دلوں میں ہماری محبت ہوگی وہ اس طرح کے اقدامات سے غشی محسوس کریں گے اور جو حالات

کی عینیت سے خوف زدہ ہوا ہے ہم سے الحاق کی دعوت دینا اور جو تمہاری رائے سے حلق نہ ہو اسے بے دریغ قتل کر دو۔ راستے میں جتنے بھی گاؤں آئیں انہیں تاحوت و تاراج کر دو۔ یاد رکھو مال لوٹا کسی کو قتل کرنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

مسلمانو! ملاحظہ کرو یہ ایک ”امیر المؤمنین“ کا کردار ہے؟

سفیان کا بیان ہے کہ میں نے روانگی کا قصد کیا تو معاویہ نے منبر پر تقریر کی اور کہا: لوگو! تم سفیان بن عوف کے لشکر میں شمولیت اختیار کرو۔ یہ ایک عظیم اقدام ہے جس کا تمہیں اجر ملے گا۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تین دن کے اندر اندر میرے پاس چھ ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ میں وہ لشکر لے کر فرات کے کنارے کنارے روانہ ہوا اور برق رفتاری سے بیت کی جانب روانہ ہوا۔ انہیں ہماری آمد کا علم ہو گیا۔ انہوں نے دریا کی پل توڑ دی۔ میں نے بیت کے قریبی علاقوں پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر کے ”صدوراء“ پہنچا۔ وہاں کے باشندے ہمیں دیکھ کر بھاگ گئے۔ میں نے وہاں خوب لوٹ مار کی۔ پھر میں نے انبار کا زرخ کیا۔ وہاں علیؑ کے صرف پانچ سوفوجی تھے ہماری آمد کا سن کر وہ متحیر ہو گئے۔ ہم نے انبار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور خوب تباہی پھیلائی۔ الغرض ہم نے اپنے مشن کو کامیابی سے پورا کیا اور لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کیا۔

بعد ازاں میں وہاں سے کامیاب ہو کر معاویہ کے پاس لوٹ آیا اور اُسے تمام واقعات کی خبر دی۔ معاویہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ اگر تم کسی علاقہ کے حاکم بننا چاہتو میں تمہیں کسی علاقہ کا حکمران بنا دوں گا۔ تم نے میری دلی مراد پوری کی ہے اور میری توقعات پر پورا اترے ہو۔ یہ اعدو ہناک خبریں امام علیؑ کو پہنچیں تو آپؑ منبر پر تشریف لائے اور خطاب کیا: ”تمہارا بکری بھائی جو کہ انبار کا والی تھا وہ شہید ہو گیا ہے۔ تم دہشت گردوں کا حاقب کر دو اور انہیں عراق سے مار بھاؤ۔“

پھر آپؑ خاموش ہو گئے کہ لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں گے لیکن پورے مجمع پر سکوت مرگ طاری تھا۔ جب آپؑ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو تنہا تلوار لے کر پیدل چل

بڑے یہاں تک کہ آپؐ "غملہ آئے۔

کوفہ کے معززین کو حیا محسوس ہوئی کہ امیر المومنینؑ "تن تھا جا رہے ہوں اور اُن کے ساتھ کوئی نہ ہو؟

پھر کوفہ کے معززین امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: ہم آپؐ کی مدد کریں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا: تم میری کیا مدد کرو گے خود اپنی مدد ہی نہیں کرتے۔

الغرض وہ اصرار کر کے آپؐ کو کوفہ لے آئے۔ آپؐ خاموش اور غمگین ہو کر گھر میں داخل ہوئے۔ پھر آپؐ نے سعید بن اقیس ہمدانی کو آٹھ ہزار کا لشکر دے کر معاویہ کی فوج کے تعاقب میں روانہ کیا۔

سعید بن اقیس نے فرات کا راستہ لے کر اس کا تعاقب شروع کیا، جب وہ مقام عانات پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ واپس چلا گیا ہے۔

امام علیؑ اس واقعہ سے انتہائی محزون ہوئے اور جب تک سعید بن اقیس نہ آئے اس وقت تک آپؐ کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ رہی اور آپؐ اتنے کمزور ہو گئے کہ خطبہ دینا آپؐ کے لیے مشکل ہو گیا۔ آپؐ مسجد کے قریب باب السدہ کے پاس بیٹھ گئے اور آپؐ کے ساتھ حسنینؑ کریمینؑ اور عبد اللہ بن جعفرؑ تھے۔ آپؐ نے تقریر لکھی اور اپنے غلام سعد کے حوالے کی اور فرمایا کہ میں یہاں بیٹھ کر سنتا رہوں گا، تم لوگوں کے سامنے میری لکھی ہوئی تقریر پڑھو۔ سعد نے وہ خطبہ پڑھا جو کہ حسب ذیل ہے:

ان الجہاد..... لمن لا یطام

"جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے۔ یہ پرہیزگاری کا لباس، اللہ کی حکم زور اور مضبوط سپر ہے، جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے اُسے چھوڑ دیتا ہے تو خدا اسے ذلت و خواری کا لباس پہناتا ہے اور اسے مصیبت و ابتلاء کی برداؤڑھا دیتا ہے۔ ایسے شخص کو ذلت اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے اور اس کے دل پر مدھوشی اور غفلت کا پردہ چھا جاتا ہے۔ جہاد کو

ضائع و برباد کرنے سے اس کے ہاتھ سے حق لے لیا جاتا ہے اور اُسے  
ذلت سہتا پڑتی ہے۔ اس سے انصاف روک لیا جاتا ہے۔ میں نے اس  
قوم سے لڑنے کے واسطے رات کو، دن کو، ملائیہ اور پوشیدہ طور پر تمہیں  
پکارا اور للکارا اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ جنگ کے لیے بڑھیں تم  
ان پر دھاوا بول دو۔ خدا کی قسم! جس قوم کے افراد پر اُن کے گھروں  
کے حدود کے اندر ہی حملہ ہوتا ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں، لیکن تم  
نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے  
لگے۔ یہاں تک کہ تم پر غارت گریاں ہوئیں اور تمہارے شہروں پر زبردستی  
قبضہ کر لیا گیا۔ اسی بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) ہی کو دیکھ لو کہ  
اس کی فوج کے سوار شہر آنبار کے اندر پہنچ گئے اور حسان بن حسان بکری کو  
قتل کر دیا اور تمہارے محافظ سواروں کو سرحدوں سے ہٹا دیا اور مجھے تو یہ  
اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں  
کے گھروں میں گھس جاتا تھا اور اس کے پیروں سے کڑے (ہاتھوں سے  
کنگن) اور گوبند اور گوشوارے اُتار لیتا تھا اور انھیں اپنی حفاظت کا کوئی  
ذریعہ دکھائی نہ دیتا تھا سوائے اس کے کہ وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُونَ  
کہتے ہوئے صبر سے کام لیں یا خوشامدی کر کے اس سے رحم کی ہیک  
مانگیں۔ وہ لدے پھندے پلٹ گئے نہ کسی کے زخم آیا اور نہ ہی کسی کا  
خون بہا۔ اب اگر کئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے  
تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی، بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے۔  
العجب ثم العجب خدا کی قسم! ان لوگوں کا باطل پر ایکا کر لینا اور  
تمہاری جمعیت کا حق سے منتشر ہو جانا، دل کو غمزدہ کر دیتا ہے اور رنج و اندوہ  
بڑھا دیتا ہے۔ تمہارا بڑا ہو اور غم و وزن میں مبتلا رہو تو تم تیروں کا از خود  
نشانہ بنے ہوئے ہو۔ تمہیں ہلاک و تاراج کیا جا رہا ہے مگر تمہارے قدم



جلے کے لیے نہیں اُٹھتے۔

وہ تم سے لڑ بھڑ ہے ہیں اور تم جنگ سے جی چراتے ہو۔ اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں اور تم راضی ہو رہے ہو۔ اگر گرمیوں میں تمہیں ان سے لڑنے کے لیے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے۔ اتنی مہلت دیں کہ گرمیاں گزر جائیں اور اگر سردیوں میں چلنے کے لیے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ سخت سردی ہے۔ اتنا ٹھہر جاوے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔ یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کی باتیں ہیں۔ جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے۔ اے مردوں کی شکل و صورت رکھنے والے نامردو! تمہاری عقلیں بچوں کی سی اور تمہاری سوجھ بوجھ جملہ فحشین عورتوں کے مانند ہے۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا اور نہ ہی تم سے جان پہچان ہوتی۔ ایسی شناسائی جو کہ عداوت کا سبب اور رنج و اندوہ کا باعث بنی ہے۔ اللہ تمہیں مارے۔ تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے مجھے غم و حزن کے پودے پہ گھونٹ پلائے ہیں اور میری نافرمانی کر کے تدبیر و رائے کو تباہ کر دیا یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ علیؑ ہے تو مرد و شجاع، لیکن وہ جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں ہے....

میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب و ضرب کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا، اور اب تو ساتھ سے بھی اُدھر کا ہو چکا ہوں، لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔“

بسر بن ابی ارمطاة کی غارت گری .

جب حکیم کے بعد معاویہ کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو اس نے اپنا دائرہ سلطنت

وسیع کرنے کے لیے امیر المومنینؑ کے مقبوضہ شہروں پر قبضہ جمانے کی تدبیریں شروع کر دیں اور مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں بھیج دیں تاکہ وہ جبر و تشدد سے اس کے لیے بیعت حاصل کریں۔ چنانچہ اس نے سر بن ابی ارطاع کو حجاز روانہ کیا جس نے حجاز سے یمن تک تباہی کی داستان رقم کی اور تیس ہزار بے گناہ افراد کا قتل عام کیا۔ اس سنگدل نے قبیلوں کے قبیلے ذبحہ جلائے اور مصوم بچوں کو قتل کیا یہاں تک کہ عبید اللہ بن عباس دہلی یمن کے دو کسن بچوں قسم اور عبدالرحمن کو ان کی ماں حورہ بنت خالد کے سامنے ذبح کیا۔ بچوں کی ماں ایام حج میں اپنے بچوں کے مریچے پڑھتی تھی۔

امیر المومنینؑ نے لوگوں کو غیرت دلائی۔ آخر جاریہ بن قدامہ نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہی اور دو ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کا پیچھا کر کے اُسے امیر المومنینؑ کے مقبوضات سے نکال باہر کیا۔ اس موقع پر امیر المومنینؑ نے یہ خطبہ دیا۔

ماہی الا سکوفۃ..... ارمیۃ الحمیم

”یہ عالم ہے اس کوفہ کا جس کا بندوبست میرے ہاتھ میں ہے۔“

(اے شہر کوفہ!) اگر تیرا یہی عالم رہا تو تجھ میں آندھیاں پھٹی رہیں۔ خدا تجھے غارت کرے۔ (پھر آپؑ نے شاعر کا یہ شعر بطور تشبیل پڑھا)۔

اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم! مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناٹہ ہی ملی ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ سر یمن پر چھا گیا ہے۔ بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ مغرب تم سے سلطنت و دولت چھین لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے باطل پر متدہ ہیں اور تم حق سے پراگندہ ہو۔ تم امر حق میں اپنے امامؑ کے نافرمان ہو۔ وہ باطل میں بھی اپنے امامؑ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چمکتے۔ وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم اپنے شہروں میں شورشیں مچا کرتے ہو۔ میں اگر تم میں سے کسی کو لکڑی

کے ایک پیالے کا امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اس کے کٹڑے کو توڑ کر لے جائے گا۔

اے اللہ! وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں اُن سے۔ وہ مجھ سے آگستا چکے ہیں اور میں اُن سے۔ مجھے ان کے بدلے اچھے لوگ عطا کر اور میرے عوض انھیں برا حاکم دے۔ خدایا! ان کے دلوں کو اس طرح سے بگھلا دے جس طرح سے نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔

خدا کی قسم! میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمہارے بجائے میرے پاس بنی فراس بن غنم کے صرف ایک ہزار سوار ہوتے جن کا وصف شاعر نے یہ بیان کیا ہے۔ اگر تم کسی موقع پر انھیں پکارو تو تمہارے پاس ایسے سوار پہنچیں جو تیز زوی میں گرمیوں کے اُبر کے مانند ہیں۔“

اس کے بعد حضرت منبر سے نیچے اُتر آئے۔

### تیسری غارت

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ابو ہریرہ اور نعمان بن بشیر انصاری کو امیر المومنین علیؑ کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم میری طرف سے علیؑ کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ عثمانؓ کے قاتل ہمارے حوالے کر دیں اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوگی۔

معاویہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؑ اُس کی پیش کش کو مسترد کر دیں گے اور یہ دونوں افراد واپس آکر لوگوں میں یہ گواہی دیں گے کہ علیؑ خود ہی مصالحت نہیں چاہتے۔

یہ دونوں افراد امیر المومنین علیؑ کے پاس آئے اور ابو ہریرہ نے یہ کہا:

ابو الحسن! خدا نے آپؐ کو اسلام میں بڑا شرف اور فضیلت دی ہے۔ آپؐ رسولِ خدا کے ابن عم ہیں۔ ہمیں معاویہ نے آپؐ کے پاس بھیجا ہے اور وہ یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ آپؐ عثمانؓ کے قاتل اُس کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد وہ آپؐ کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کرے گا۔ نعمان بن بشیر نے بھی وہی باتیں کہیں جو کہ ابو ہریرہ نے کی تھیں۔

امیر المومنین علیؑ نے نعمان سے فرمایا: نعمان! مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تمام انصار میں سے تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ تمہاری قوم میں ہدایت والے افراد نہیں ہیں؟ تین یا چار افراد کے علاوہ تمام انصار میرے حمایتی ہیں مگر تم معاویہ کے سفیر بنے ہوئے ہو۔ کیا یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے؟

نعمان نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ میں شام سے نکل کر آپؐ کے پاس آنا چاہتا تھا، سو اسی بہانے میں آپؐ کے پاس آیا ہوں۔ اس کے بعد ابو ہریرہ شام چلا گیا اور نعمان نے حضرت کے پاس رہائش اختیار کی۔ پھر چند دنوں بعد وہ بھاگ کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ ”عین اتر“ کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہاں کے عامل مالک بن کعب ارجی نے اُسے پکڑ لیا اور اسے زندان بھیجے کا فیصلہ کیا۔

نعمان بن بشیر نے کہا کہ میرا کیا قصور ہے۔ میں تو بس ایک قاصد ہوں۔ میں پیغام پہنچا کر اپنے دوست کے پاس واپس جا رہا ہوں۔ مالک نے اُسے زندان میں ڈال دیا اور کہا کہ میں تیرے متعلق امیر المومنینؑ کو لکھوں گا وہاں سے جو حکم آئے گا میں اس پر عمل کروں گا۔

نعمان نے اُسے واسطے دیے کہ میرے متعلق امیر المومنینؑ کو کچھ نہ لکھیں۔ احرار عین اتر شہر ہی میں قرطبہ بن کعب انصاری کا تب کے عہدہ پر فائز تھا اور اس علاقہ کا تمام خراج اس کے پاس جمع ہوتا تھا۔ نعمان نے اس کی منت کی اور کہا کہ آپؐ میرے ہی ہم قبیلہ ہیں لہذا آپ ہی میری جان چمڑائیں۔

کاتب نے مالک کے پاس اپنے مجرم رشتہ دار کی سفارش کی اور اسے آزادی دلائی۔ مالک نے کہا کہ میں تجھے رہا کر رہا ہوں اور تجھے ایک شب و روز کی مہلت دیتا ہوں اور اگر اس عرصہ کے بعد بھی تُو اس علاقہ میں نظر آیا تو میں تیری گردن اُڑا دوں گا۔

یہ مالک کی قید سے رہا ہوا اور گرتا پڑتا شام پہنچ گیا اور معاویہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ چند دن گزرنے کے بعد معاویہ نے کہا کہ میں ایک فوجی دستہ فرات کے کنارے بھیجتا چاہتا ہوں جو علیؑ کے مقبوضات میں جا کر لوٹ مار کرے اور ہمارے مخالفین کو قتل کر کے پھر

جلد واپس شام لوٹ آئے۔

نعمان بن بشیر انصاری نے کہا کہ اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ معاویہ نے دو ہزار کاغذسوار دستہ تیار کیا اور نعمان کی قیادت میں اسے روانہ کیا۔ نعمان فرات کا کنارہ لے کر شام سے روانہ ہوا اور صین اتر کا رخ کیا۔

مالک کے پاس پہلے ایک ہزار کاغذسواروں کا دستہ موجود تھا، لیکن اس نے دارالحکومت کوفہ کو خطرے میں پا کر نو سو سوار کوفہ روانہ کر دیے تھے۔ جب نعمان لشکر لے کر آیا تو اس وقت مالک کے پاس صرف ایک سو سوار موجود تھے جن کے ذریعے سے صین اتر کی حفاظت ممکن نہیں تھی۔

مالک نے حضرت علیؓ کو خط بھیجا کہ نعمان بن بشیر ہم پر دو ہزار افراد کے ساتھ حملہ آور ہونے والا ہے، لہذا آپ فوجی کمک روانہ کریں، تاکہ شہر اور اہل شہر کا دفاع کیا جاسکے۔ امیر المومنین علیؓ نے کوفہ میں خطبہ دیا، لیکن کوئی بھی جنگ کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ پھر آپؐ نے شہر کے معزین کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی اقدام کریں لیکن کسی نے بھی اس مرحلہ پر کوئی مثبت جواب نہ دیا۔

بڑی مشکل سے تین سو افراد کا ایک دستہ تیار ہوا لیکن دشمنوں نے ان کے آنے سے پہلے پورے علاقہ کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور ویرانی کی داستانیں چھوڑ کر واپس جا چکا تھا۔



## حضرت علیؑ اپنے خطوط اور خطبات کے آئینہ میں

ارشاد خداوندی ہے:

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ (سورۃ قیامت: آیت ۱۴)  
 ”انسان اپنی ذات کو بہتر سمجھتا ہے۔“

برادران عزیز! گذشتہ صفحات میں ہم نے امیر المومنین علیؑ کا کچھ ایسا کلام آپ کے گوش گزار کیا جس میں آپؑ نے اپنے فضائل و مناقب اور خصائص کا تذکرہ کیا تھا اور آج رات ہم آپ کے سامنے حضرتؑ کا ایک خطبہ پیش کریں گے جو کہ آپؑ کے فضائل، فوائد، خصائص اور مکارم اخلاق پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ ہم آپؑ کا وہ خطبہ بھی آپ حضرات کی سماعتوں کی نذر کریں گے جو کہ آپؑ کے اس وقت کے والی بصرہ عثمان بن حنیف کے نام تحریر کیا تھا۔ یہ خط آپؑ کے مشہور و معروف خطوط میں سے ہے۔ یہ اس ہستی کا لکھا ہوا خط ہے جو کہ نصف کرۂ ارض کا بلا شرکت غیرے کا مالک تھا اور لوگوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ اُس کے لیوں پر منحصر تھا اور سونا چاندی سے بھرے ہوئے بیت المال کی چابیاں اُن کے ہاتھوں میں تھیں۔ الغرض ان تمام تر امکانات کے باوجود انھوں نے اپنے لیے خشک ترین زندگی کا انتخاب کیا تھا اور وہ زندگی اتنی خشک تھی جسے کوئی بھی شخص اپنانے پر آمادہ نہیں ہے۔ آپؑ کسی بھی شخص کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپؑ کی اور امیر المومنینؑ کی زاہدانہ زندگی کے درمیان واضح فرق دکھائی دے گا۔

آئیے سب سے پہلے ہم آپ کو امیر المومنین علیؑ کے چند خطبات سناتے ہیں۔ پھر حضرتؑ کا وہ مشہور زمانہ خط آپ کو پڑھ کر سنائیں گے۔

”اس میں ابتدائے آفرینش زمین و آسمان اور پیدائش آدم کا ذکر فرمایا ہے۔ تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تک پہنچ سکتی ہیں۔ اُس کے کمال ذات کی کوئی حد معین نہیں، نہ اس کے لیے توصیفی الفاظ ہیں، نہ اس (کی ابتدا) کے لیے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جاسکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہو جائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا، تھر تھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں۔ دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے۔ کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے، کمال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اُس سے مستوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہذا جس نے ذات الہی کے علاوہ صفات مانے، اُس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اُس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا، اُس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی، اُس نے اس کے لیے جزینا ڈالا اور جو اس کے لیے اجزاء کا قائل ہوا وہ اُس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اُس نے اس کی حد بندی کر دی اور جس نے اُسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا۔ جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے اُس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز پر ہے اُس نے اور جگہ میں سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں۔ موجود ہے مگر عدم سے وجود میں

نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے، نہ جسمانی دُوری کے طور پر، وہ قائل ہے لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں۔ وہ اُس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی کہ وہ یگانہ ہے۔ اس لیے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اُسے کھو کر پریشان ہو جائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا۔ بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اُسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اُس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بے تاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اُس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور طبیعیوں کے لیے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا۔ ان کی حدود نہایت پر احاطہ کیے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضاء کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اُس نے کشادہ فضاء و وسیع اطراف و اکناف اور خلاء کی دستیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مزاج کی لہریں طوفانی اور بحرِ ذخار کی موجیں نہ بہت تھیں۔ اسے تیز ہوا اور تند آمدگی کی پشت پر لاوا۔ پھر اُسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اُسے اس کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا ذریعہ پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیے اور اس کے چلنے کی جگہ دُور و دراز تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھمڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اُٹھالے۔ اس ہوانے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دی کے



ملکیزے کو مٹا جاتا ہے اور اسے دھلیق ہوئی تیزی سے چلی۔ جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کیے۔ نیچے والے آسمان کو رُکی ہوئی موج کی طرح بتایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت۔ پھر اُن ستاروں کی بج مچ اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کی اور اُن میں ضو پاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا جو گھومنے والے فلک، چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شکاف پیدا کیے اور ان کی دستوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ اُن میں سر بسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے۔ کچھ رکوع میں ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اُستاتے نہیں، نہ اُن کی آنکھوں میں نیند آتی ہے، نہ اُن کی عقلوں میں بھول چمک پیدا ہوتی ہے، نہ اُن کے بدنوں میں سُستی و کالی آتی ہے نہ اُن پر لیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الہی کے امین ہو، اُس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لیے زبان حق اور اُس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں، کچھ اُس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں، کچھ وہ ہیں جن کے قدم زمین کی تہ میں جے ہوئے ہیں اور اُن کے پہلو اطرافِ عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں۔ عرش کے سامنے اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اُس کے نیچے اپنے پردوں میں لیٹے ہوئے ہیں اور ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سراپردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفات طاری کرتے ہیں۔

نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ ایشاءِ ظاہر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا) پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شورہ زار زمین سے مٹی جمع کی۔ اُسے پانی سے اتنا بھگوایا کہ وہ صاف ہو کر نضر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اُس میں لُس پیدا ہو گیا۔ اُس سے ایک ایسی صورت بنائی جس میں موڑ ہیں اور جوڑا اعضاء ہیں اور مختلف حصے۔ اُسے یہاں تک ٹوکھایا کہ وہ خود قسم سکی اور اتنا سخت کیا کہ وہ ٹکٹکنا نہ لگی۔ ایک وقت مضمین اور مدیت معلوم تک اُسے پونہی رہنے دیا۔ پھر اُس میں روح پھونکی تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہو گئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضاء و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شامت کا مالک ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف حروں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ خود رنگارنگ کی مٹی اور ملتی جلتی ہوئی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اُس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی کا پیکر ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اُس کی سوہنی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اُس کے پیمان و صیت کو پورا کریں۔ جو سجدہ آدم کے حکم کو تسلیم کرنے اور اُس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لیے تھا۔ اس لیے اللہ نے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اُسے صییت نے گھیر لیا۔ بدبختی اُس پر چھا گئی۔ آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا اور ٹکٹکنا تھی ہوئی مٹی کی مخلوق کو ذلیل جانا۔ اللہ نے اُسے مہلت دی تاکہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے اور (بنی آدم) کی آزمائش پایہ تکمیل تک پہنچے اور وعدہ پورا ہو جائے۔ چنانچہ

اللہ نے اُس سے کہا کہ تجھے وقتِ معین کے دن تک کی مہلت ہے۔ پھر اللہ نے آدمؑ کو ایسے گھر میں ٹھہرایا جہاں اُن کی زندگی کو خوش گوار رکھا، انھیں شیطان اور اُس کی عداوت سے بھی ہوشیار کر دیا۔ لیکن اُن کے دشمن نے اُن کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکوکاروں میں مل جل کر رہنے پر حسد کیا اور آخر کار انھیں فریب دے دیا۔ آدمؑ نے یقین کو ٹھک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں سے ڈالا۔ سرت کو خوف سے بدل لیا اور فریب خوردگی کی وجہ سے عداوت اٹھائی۔ پھر اللہ نے آدمؑ کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انھیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا اُن سے وعدہ کیا اور انھیں دارِ ابتلا و عملِ انفرادی میں اُتار دیا۔ اللہ سبحانہ نے اُن کی اولاد سے انبیاء بھیجے۔ وحی پر اُن سے عہد و پیمان لیا۔ تبلیغِ رسالت کا انھیں امین بنایا، جبکہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اُس کے حق سے بے خبر ہو گئے، اوروں کو اُس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انھیں روگرداں اور اُس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے اُن میں اپنے رسولؐ مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ اُن سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کر آئیں۔ اُس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں سے بلند بامِ آسمان، اُن کے نیچے بچھا ہوا فرشِ زمین، زندہ رکھنے والا سامانِ معیشت، قنا کرنے والی اُجلیں، بوڑھا کر دینے والی پیاریاں اور پے در پے آنے والے حادثے۔

اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی فرستادہ پیغمبر یا آسمانی کتاب یا دلیل قطعی یا طریقِ روشن کے کبھی یونہی نہیں چھوڑا۔ ایسے رسولؐ جنہیں تعداد کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت درماندہ و عاجز نہیں کرتی تھی۔ اُن میں کوئی سابق تھا جس نے بعد میں آنے والے کا نام و نشان بتایا۔ کوئی بعد

میں آیا، جسے پہلا پہنچا چکا تھا۔ اسی طرح مدتیں گزر گئیں، زمانے بیت گئے۔ باپ داداؤں کی جگہ پر اُن کی اولادیں بس گئیں۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایقائے عہد و اتمام نبوت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا، جن کی علامات (ظہور) مشہور محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا، خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اُسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔ پھر اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اپنے لقاء قرب کے لیے پختا، اپنے خاص انعامات آپ کے لیے پسند فرمائے اور دایر دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور رحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپ کے رُخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپ کو اٹھا لیا۔ حضرت تم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے، جو انبیاء اپنی امتوں میں چھوڑتے چلے آئے تھے۔ اس لیے کہ وہ طریق واضح و نشان محکم قائم کیے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں چھوڑتے تھے۔ پیغمبرؐ نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انہوں نے کتاب کے حلال و حرام، واجبات و مستحبات، ناخ و منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام، عبرت و امثال، متقید و مطلق، محکم و متشابہ کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی۔ اُس کی گتھیوں کو سلجھا دیا اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کے جاننے کی پابندی حاکم کی گئی ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اُس کے بندے اُن سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا

وجوب کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے اُن کے منسوخ ہونے کا پتا چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں جن پر عمل کرنا حدیث کی رو سے واجب ہے لیکن کتاب میں اُن کے ترک کی اجازت ہے۔ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں اُن کا وجوب برطرف ہو جاتا ہے۔ قرآن کے عمرات میں بھی تفریق ہے۔ کچھ کبیرہ ہیں، جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کی توقعات پیدا کی ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے، اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

اسی خطبہ میں حج کے سلسلہ میں فرمایا: اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا، جسے لوگوں کا قبلہ بنایا ہے۔ جہاں لوگ اس طرح کھینچ کر آتے ہیں جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف اور اس طرح دار فطرت سے بڑھتے ہیں جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب، اللہ جل شانہ نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی و عاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشانہ بنایا ہے۔ اُس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چُن لیے جنہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی اور اُس کے کلام کی تصدیق کی۔ وہ انبیاء کی مجبھوں پر ظہرے۔ مرثیہ پر طواف کرنے والے فرشتوں سے شہادت اختیار کی۔ وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں مغفوتوں کو سیٹھتے ہیں اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف بڑھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان پناہ چاہنے والوں کے لیے حرم بنایا ہے۔ اس کا حج فرض اور ادائیگی حق کو واجب کیا ہے اور اس کی طرف راہ نور دی فرض کر دی ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الاِدا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو چان لے کہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔“

## حضرتؑ کا ایک اور خطبہ

”پیغمبر اکرم ﷺ کے وہ اصحاب جو (احکام شریعت) کے امین ٹھہرائے گئے تھے وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں نے کبھی ایک آن کے لیے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے سرتابی نہیں کی اور میں نے اس جواں مردی کے گلے پوتے پر کہ جس سے اللہ نے مجھے سرفراز کیا ہے پیغمبرؐ کی دل و جان سے مدد ان موقعوں پر کی کہ جن موقعوں سے بہادر (جی چرا کر) بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو ان کا سر (اقدس) میرے سینے پر تھا اور جب میرے ہاتھوں میں ان کی روح طیب نے مفارقت کی تو میں نے (حیرکا) اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ میں نے آپؐ کے غسل کا فریضہ انجام دیا۔ اس عالم میں کہ ملائکہ میرا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ (آپؐ کی رحلت سے) گھر اور اس کے اطراف و جوانب نالہ و فریاد سے گونج رہے تھے۔ (فرشتوں کا تاتا بندھا ہوا تھا) ایک گروہ اترتا تھا اور ایک گروہ چڑھتا تھا۔ وہ حضرتؐ پر نماز پڑھتے تھے۔ ان کی دہمی آوازیں برابر میرے کانوں میں آ رہی تھیں یہاں تک کہ ہم نے انھیں قبر میں چھپا دیا۔ تو اب ان کی زندگی میں اور موت کے بعد مجھ سے زائد کون ان کا حق دار ہو سکتا ہے؟

(جب تمہیں میرا حق معلوم ہو چکا) تو تم بصیرت کے جلو میں دشمن سے جہاد کرنے کے لیے صدقِ نیت سے بڑھو۔

اس ذات کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ بلاشبہ میں جادہ حق پر ہوں اور وہ (اہل شام) باطل کی ایسی گھاٹی پر ہیں کہ جہاں پھسلن ہی پھسلن ہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم سن رہے ہو۔ میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے آمزش کا طالب ہوں۔“

## حضرت کا ایک اور خطبہ اور عقیل کا واقعہ

”خدا کی قسم! مجھے سحران (ایک خادمہ بھاڑی جسے اُونٹ چرتا ہے) کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنا اور طوق و زنجیر میں مقید ہو کر گھسیٹا جانا اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ اور رسولؐ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندے پر ظلم کیا ہو یا مالی دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو۔

میں اس نفس کی خاطر کیوں کر کسی پر ظلم کر سکتا ہوں جو جلدی فنا کی طرف پلٹنے والا اور مدتوں تک مٹی کے نیچے پڑا رہنے والا ہے۔

بھلا! میں نے اپنے بھائی عقیلؑ کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا یہاں تک کہ وہ تمھارے (حصہ کے) گیلپوں میں ایک صاع (تین کلوگرام) مجھ سے مانگتے تھے اور میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے۔ گویا ان کے چہرے ٹیل چھڑک کر سیاہ کر دیے گئے ہیں۔ وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا۔ میں ان کی باتوں کو کان دے کر سنا تو انھوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھ اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا۔

مگر میں نے یہ کیا کہ ایک لوہے کے کھڑے کو تھپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تاکہ عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد و کرب سے چختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا بدن اس داغ دینے سے جل جائے۔

پھر میں نے اُن سے کہا: اے عقیلؑ! رونے والیاں تم پر روئیں۔ کیا تم اس کھڑے سے چلا اُٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں (بغیر

جلانے کی نیت کے) تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے۔ تم تو اذیت سے چیخو اور میں دوزخ کے شعلوں سے نہ چلاؤں؟!

اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص (اشعث بن قیس) رات کے وقت (شہد میں) گندھا ہوا حلوہ ایک سر بند برتن میں لیے ہوئے ہمارے گھر پر آیا جس سے مجھے ایسی نفرت تھی کہ جیسے وہ سانپ کے تھوک یا اس کی فٹ میں گوندھا گیا ہو۔

میں نے اس سے کہا کہ کیا یہ کسی بات کا انعام ہے یا ذکوۃ ہے یا صدقہ ہے کہ جو ہم اہل بیتؑ پر حرام ہے۔ تو اس نے کہا کہ نہ یہ ہے اور نہ وہ ہے بلکہ وہ تحفہ ہے تو میں نے کہا کہ پسر مرده عورتیں تجھ پر روئیں کیا تو دین کی راہ سے مجھے فریب دینے کے لیے آیا ہے؟ کیا تو بہک گیا ہے؟ یا پاگل ہو گیا ہے یا یوں ہی ہذیان بک رہا ہے؟

خدا کی قسم! اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے دے دیئے جائیں۔ صرف اللہ کی اتنی محصیت کروں کہ میں چیونٹی سے جو کا ایک چھلکا چھین لوں تو کبھی ایسا نہ کروں گا۔ یہ دنیا تو میرے نزدیک اس ہفتی سے بھی زیادہ بے قدر ہے جو کہ ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا رہی ہو۔ علیؑ کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا واسطہ؟ ہم عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیاں سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی سے مدد کے خواستگار ہیں۔“

ایک اور خطبہ کا کچھ حصہ

”اے لوگو! میں نے فتنہ و شر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں اور جب اس کی تاریکیاں (موجوں کی طرح) تہ و بالا ہو رہی تھیں اور (دوبانے کتوں کی



طرح) اس کی دیوانگی زوروں پر تھی تو میرے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ اس کی طرف بڑھتا۔ اب جو چاہو مجھ سے پوچھ لو اس سے خوشتر کہ تم مجھے نہ پاؤ۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت سے لے کر قیامت تک درمہانی عرصے کی جو بات مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے کہ جس نے سو ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو تو میں اس کے لٹکانے والے اور اسے آگے سے کھینچنے والے اور پیچھے سے دھکیلنے والے اور اس کی سواریوں کی منزل اور اس کے ساز و سامان سے لدے ہوئے پالانوں کے اترنے کی جگہ تک بتا دوں گا اور یہ کہ ان میں سے کون قتل کیا جائے گا اور کون اپنی موت مرے گا اور جب میں نہ رہوں گا اور ناخوش گوار چیزیں اور سخت مشکلیں پیش آئیں گی تو پھر بہت سے پوچھنے والے پریشانی سے سر نیچے ڈالیں گے اور بتانے والے عاجز و درماندہ ہو جائیں گے۔“

### ایک اور خطبہ سے اقتباس

”اے لوگو! میں نے تمہیں اس طرح سے نصیحتیں کی ہیں جس طرح کی انبیاء اپنی امتوں کو کرتے چلے آئے ہیں اور ان چیزوں کو تم تک پہنچایا ہے جو اوصیاء بعد والوں تک پہنچایا کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنے تازیانے سے ادب سکھانا چاہا مگر تم سیدھے نہ ہوئے اور زجر و توبخ سے تمہیں ہلکایا لیکن تم بکھانا نہ ہوئے۔“

اللہ تمہیں سمجھے کیا میرے علاوہ تم کسی اور امام کے امیدوار ہو جو تمہیں سیدی راہ پر چلائے اور صحیح راستہ دکھائے۔ دیکھو دنیا کی طرف رخ کرنے والی چیزوں نے جو رخ کیے ہوئے تمہیں پیٹھ پھرائی اور جو پیٹھ پھرائے ہوئے تمہیں انھوں نے رخ کر لیا۔ اللہ کے نیک بندوں نے دنیا

سے کوچ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اور نیا ہونے والی تھوڑی سی دنیا ہاتھ سے دے کر ہمیشہ رہنے والی بہت سی آخرت مول لے لی۔ بھلا ہمارے ان بھائی بندوں کو جن کے خونِ مطہین میں بہائے گئے اس سے کیا نقصان پہنچا؟ کہ وہ آج زندہ موجود نہیں ہیں۔ یہی نہ کہ اگر وہ ہوتے تو تلخ گھونٹوں کو گوارا کرتے اور گندلا پانی پیتے۔

خدا کی قسم! وہ خدا کے حضور پہنچ گئے۔ اس نے ان کو پورا پورا اجر دیا اور خوف و ہراس کے بعد انہیں امن و سکون کے گھر میں اُتارا۔ کہاں ہیں میرے وہ بھائی کہ جو سیدھی راہ پر چلتے رہے اور حق پر گزر گئے؟ عمار کہاں ہیں اور ابنِ التیمان کہاں ہیں اور ذوالشہادتین کہاں ہیں؟ اور ہمارے وہ دوسرے بھائی کہاں ہیں جو مرنے پر عہد و پیمان باندھے ہوئے تھے اور جن کے سروں کو قاصتوں کے پاس روانہ کیا گیا؟

نوف کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرتؑ نے اپنا ہاتھ ریش مبارک پر پھیرا اور دیر تک روئے اور پھر فرمایا:

آدا میرے وہ بھائی کہ جنہوں نے قرآن کو پڑھا تو اسے مضبوط کیا۔ اپنے فرائض میں غور و فکر کیا تو انہیں ادا کیا۔ سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ جہاد کے لیے انہیں بلایا گیا تو انہوں نے لبیک کہی اور اپنے پیشوا پر یقین کامل کے ساتھ بھروسہ کیا تو اس کی حیر دی بھی کی۔ اس کے بعد حضرتؑ نے بلند آواز سے پکار کر کہا: جہاد! جہاد! اے بندگانِ خدا! دیکھو میں آج ہی لشکر کو ترتیب دے رہا ہوں اور جو اللہ کی طرف بڑھنا چاہے تو وہ نکل کھڑا ہو۔

حضرتؑ کا ایک مختصر ترین خطبہ

”تم نے میری بیعت اچانک اور بے سوچے سمجھے نہیں کی تھی اور نہ میرا

اور تمہارا معاملہ یکساں ہے۔ میں تمہیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے شخص فوائد کے لیے چاہتے ہو۔

اے لوگو! اپنی نفسانی خواہشوں کے مقابلہ میں میری اعانت کرو۔ خدا کی قسم! میں مظلوم کا اس کے عالم سے بدلہ لوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سرچشمہ حق تک کھینچ کر لے جاؤں گا۔ اگرچہ اسے یہ ناگوار کیوں نہ گزرے۔“

عادل بصرہ عثمان بن حنیف کے نام حضرتؑ کا خط

جب حضرتؑ کو یہ خبر پہنچی کہ والی بصرہ عثمان بن حنیف کو وہاں کے لوگوں نے کھانے کی دعوت دی ہے اور وہ اس میں شریک ہوئے ہیں تو آپؑ نے انہیں یہ خط تحریر فرمایا:

”اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمہیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہنچ گئے کہ رنگارنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمہارے لیے بچن کر لائے جا رہے تھے اور بڑے بڑے پیالے تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کر لو گے کہ جن کے یہاں سے فقراء و نادار دھکمارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں جو لقمے چبائے ہو، انہیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جس کے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک پیشوا ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے لور علم سے کسب فیض کرتا ہے۔

دیکھو! تمہارے امام کی حالت یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان میں سے دو پھٹی پرانی چادر وں اور کھانے میں سے دو روٹیوں پر قناعت کر لی

— ہے۔

میں مانتا ہوں کہ تمہارے بس کی یہ بات نہیں لیکن اتنا تو کرو کہ پرہیزگاری، سستی و کوشش، پاک دامنی اور سلامت روی میں میرا ساتھ دو۔ خدا کی قسم! میں نے تمہاری دنیا سے سونا سیٹ کر نہیں رکھا اور نہ اس کے مال و متاع میں سے ابار جمع کر رکھے ہیں اور نہ ان پرانے کپڑوں کے بدلہ میں (جو پہنے ہوئے ہوں) کوئی اور پرانا کپڑا میں نے مہیا کیا ہے۔

بے شک اس آسمان کے سائے تلے لے دے کر ایک فذک ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال فٹکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پرواہ نہ کی۔ بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ بھلا میں فذک یا فذک کے علاوہ کسی اور چیز کو لے کر کیا کروں گا جب کہ نفس کی منزل کل قبر قرار پانے والی ہے کہ جس کی اندھیاریوں میں اس کے نشانات مٹ جائیں گے اور اس کی قبریں ناپید ہو جائیں گی۔ وہ تو ایک ایسا گڑھا ہے کہ اگر اس کا پھیلاؤ بڑھا بھی دیا جائے اور گورکن کے ہاتھ اسے کشادہ بھی رکھیں جب بھی پتھر اور کنکر اس کو تنگ کر دیں گے اور مسلسل مٹی کے جانے سے اس کی دراڑیں بند ہو جائیں گی۔ میری توجہ تو صرف اس طرف ہے کہ میں تقویٰ الہی کے ذریعے اپنے نفس کو بے قابو نہ ہونے دوں تاکہ اس دن کہ جب خوفِ حد سے بڑھ جائے گا وہ مطمئن رہے اور پھسلنے کی جگہوں پر مضبوطی سے جمار ہے۔

اگر میں چاہتا تو صاف سترے شہد، عمدہ گیہوں اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑوں کے لیے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنالیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے بچن لینے کی دعوت دے جب کہ جائز و حرامہ میں شاید ایسے لوگ ہوں کہ جنہیں شاید ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں حکم سیر ہو کر پڑا ہوں؟ دوا آٹھالیکہ میرے گرد و پیش

بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر ترپتے ہوں یا میں دیکھا ہو جاؤ جیسا کہنے والے نے کہا ہے: ”تمھاری یہ بیماری کیا کم ہے کہ تم پیٹ بھر کر لمبی تان لو اور تمھارے گرد کچھ ایسے جگر ہوں جو سوکے چڑے کو ترس رہے ہوں؟“ کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے ”امیر المومنین“ کہا جاتا ہے مگر میں زمانے کی سختیوں میں مومنوں کا شریک و ہم اور زندگی کی بدحرکیوں میں ان کے لیے اچھا نمونہ نہ بنوں؟

میں اسی لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں۔ اس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح سے جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے۔ وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔ کیا میں بے قید و بند چھوڑ دیا گیا ہوں؟ یا بیکار کھلے بندوں رہا کر دیا گیا ہوں کہ گمراہی کی رسیوں کو کھینچتا رہوں اور بھٹکنے کی جگہوں میں منہ اٹھائے پھرتا رہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی کہے گا کہ جب امن ابی طالبؓ کی خوراک یہ ہے تو فصیح و ناتوانی نے اسے حریفوں سے بھرنے اور دلیروں سے ٹکرانے سے بٹھا دیا ہوگا۔ مگر یاد رکھو کہ جنگل کے درخت کی لکڑی مضبوط ہوتی ہے اور ترددنازہ بیڑوں کی چھال کمزور اور پتلی ہوتی ہے اور صحرائی جھاڑ کا ایندھن زیادہ بھڑکتا ہے اور دیر میں بجھتا ہے۔

مجھے رسول اکرم ﷺ سے وہی نسبت ہے جو ایک ہی جڑ سے پھوٹنے والی دو شاخوں کو ایک دوسرے سے اور کلائی کو بازو سے ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تمام عرب الیکا کر کے مجھ سے لڑنا چاہیں تو میدان چھوڑ کر پیٹ نہ دکھاؤں گا اور موقع پا کر ان کی گردنیں دیوچ لینے کے لیے لپک کر آگے بڑھوں گا اور کوشش کروں گا کہ اس اٹلی کھوپڑی والے بے ہنگم

ڈھانچے (امیر شام) سے زمین کو پاک کروں تاکہ کھلیان کے دانوں سے نکل کر نکل جائے۔

اے دنیا! میرا چچا چھوڑ دے۔ تیری ہاگ ڈور تیرے کانٹے پر ہے۔ میں تیرے بچوں سے نکل چکا ہوں۔ تیرے پھندوں سے باہر ہو چکا ہوں اور تیری پھسلنے کی جگہوں میں بڑھنے سے قدم روک رکھے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں ٹوٹنے کیل تفریح کی باتوں سے پکھے دیئے تھے؟ کدھر ہیں وہ جہاتیں جنہیں ٹوٹنے اپنی آرائشوں سے ورغلائے رکھا؟ وہ آج قبروں میں دبکے ہوئے اور خاک لحد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر ٹوٹ دھائی دینے والا مجسمہ اور سامنے آنے والا ڈھانچہ ہوتی تو بھرا میں تجھ پر اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں جاری کرتا کہ ٹوٹنے بندوں کو اُمیدیں دلا دلا کر بھکا یا اور قوموں کی قوموں کو (ہلاکت کے) گڑبڑوں میں لا پھینکا اور تاجداروں کو تاجہوں کے حوالے کر دیا اور سختیوں کے گھاٹ پر لا اُتارا جن پر اس کے بعد نہ سیراب ہونے کے لیے اُتارا جائے گا اور نہ سیراب ہو کر پلٹا یا جائے گا۔

پناہ بھرا! جو تیری پھسلن پر قدم رکھے گا وہ ضرور پھسلے گا جو تیری موجوں پر سوار ہوگا وہ ضرور ڈوبے گا اور جو تیرے پھندوں سے بچ کر رہے گا وہ توفیق سے ہلکنا ہوگا۔ تجھ سے دامن چھڑا لینے والا پروا نہیں کرتا۔ اگرچہ دنیا کی دستیں اس کے لیے تنگ ہو جائیں۔ اس کے نزدیک تو دنیا ایک دن کے برابر ہے کہ جو ختم ہوا چاہتا ہے۔

اے دنیا! مجھ سے دُور رہ، میں تیرے قابو میں آنے والا نہیں کہ تو مجھے دلتوں میں جھونک دے اور نہ میں تیرے سامنے اپنی ہاگ ڈھیلی چھوڑنے والا ہوں کہ تو مجھے ہٹا لے جائے۔

میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں ایسی قسم جس میں اللہ کی مشیت کے علاوہ کسی

چیز کا استثناء نہیں کرتا کہ میں اپنے نفس کو ایسا سدھاؤں گا کہ وہ کھانے میں ایک روٹی کے ملنے پر خوش ہو جائے اور اس کے ساتھ صرف نمک پر قناعت کرے اور اپنی آنکھوں کا عموماً اس طرح خالی کروں گا جس طرح وہ چشمہ آب جس کا پانی نہ نشین ہو چکا ہو۔

کیا جس طرح بکریاں پیٹ بھر لینے کے بعد سید کے بل پر بیٹھ جاتی ہیں اور سیر ہو کر اپنے باڑے میں گھس جاتی ہیں، اسی طرح علیؑ بھی اپنے پاس کا کھانا کھالے اور لمبی سو جائے اس کی آنکھیں بے ثور ہو جائیں۔ اگر وہ زعمی کے طویل سال گزرنے کے بعد کھلے ہوئے چوپاؤں اور چرنے والے جانوروں کی بھڑکی کرنے لگے۔

خوش نصیبی اس شخص کے کہ جس نے اللہ کے فرائض کو پورا کیا اور سختی اور مصیبت میں صبر کیے پڑا رہا۔ راتوں کو اپنی آنکھوں کو بیدار رکھا اور جب نیند کا قلبہ ہوا تو ہاتھ کو تکیہ بنا کر ان لوگوں کے ساتھ فرشِ خاک پر پڑا رہا کہ جن کی آنکھیں خوفِ حشر سے بیدار، پہلو پھونوں سے الگ اور ہونٹ یاو خدا میں زحرمہ سنج رہتے ہیں، اور کثرتِ استغفار سے جن کے گناہ چھٹ گئے ہیں۔ یہی اللہ کا گروہ ہے اور بے شک اللہ کا گروہ ہی کامران ہونے والا ہے۔ اے ابنِ حنیف! اللہ سے ڈرو اور اپنی ہی روٹیوں پر قناعت کرو، تاکہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا پاسکو۔

### انبیائے ماسبق پر حضرتؑ کی فضیلت

انوارِ نعمانیہ میں کتاب المناقب کے حوالے سے مصعب بن صوحان سے منقول ہے کہ جب حضرتؑ کو ضرب لگی تو میں آپؐ کی عیادت کے لیے گیا۔ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپؐ افضل ہیں یا آدمؑ ابوالبشر؟

آپؐ نے فرمایا: انسان کو خود بخود شئی نہیں کرنی چاہیے، لیکن سن لو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے فرمایا تھا کہ ساری جنت کے درخت تمہارے لیے مباح ہیں لیکن اس درخت کے پاس مت

جانا ورنہ عالم بن جاؤ گے۔ مگر آدمؑ شجرہٴ ممنوعہ کے پاس گئے تھے۔  
اللہ نے میرے لیے بہت سی چیزیں مباح کی ہیں، لیکن میں ان مباح چیزوں کے  
قریب بھی نہیں گیا۔

میں نے کہا: آپؑ افضل ہیں یا حضرت نوحؑ؟  
آپؑ نے فرمایا: حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو بددعا کی تھی جب کہ میں نے اپنے ظالموں  
کو بددعا نہیں کی۔ نوحؑ کا ایک بیٹا کافر تھا جب کہ میرے دو بیٹے جو انان جنت کے سردار ہیں۔  
میں (راوی) نے عرض کیا: آپؑ افضل ہیں یا حضرت موسیٰؑ؟  
آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو انھوں نے کہا  
تھا: اِنِ اَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْا "مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔"  
خدا نے تسلی دی کہ وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، تب موسیٰؑ روانہ ہوئے تھے لیکن  
رسولؐ خدا نے مجھے سورہٴ برات دے کر فرمایا: اجتماع حج میں جاؤ اور مشرکین سے بیزاری کی  
ان آیات کی تلاوت کرو۔

اس وقت میں مشرکین کے سرداروں کو قتل کر چکا تھا مگر میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے  
قتل ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں بے خوف ہو کر مکہ گیا اور سورہٴ برأت کا پیغام پہنچایا۔  
میں (راوی) نے کہا: آپؑ افضل ہیں یا عیسیٰؑ بن مریمؑ؟

آپؑ نے فرمایا: عیسیٰؑ کی والدہ بیت المقدس میں تھیں جب حضرت عیسیٰؑ کی  
پیدائش کا وقت قریب آیا تو بی بی کو ہاتف کی آواز سنائی دی کہ یہاں سے باہر چلی جا یہ عبادت  
کا گھر ہے ولادت کا گھر نہیں ہے، لیکن جب میری ولادت کا وقت آیا تو اس وقت میری والدہ  
حرم میں تھیں انھیں ایک ہاتف کی آواز سنائی دی: فاطمہ بنت اسد! کعبہ میں داخل ہو جائیں۔  
یہ آواز سن کر میری والدہ کعبہ میں داخل ہوئیں اور وہاں میری ولادت ہوئی۔ یہ وہ  
فضیلت ہے جو نہ تو مجھ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی ہے اور نہ ہی میرے بعد کسی کو نصیب  
ہوگی۔



## حضرتؑ اپنی شہادت کی خبر دیتے ہیں

ارشادِ خداوندی ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قُتِلَ نَحْبُهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ○ (نورہ)  
 احزاب: آیت ۲۳

”مؤمنین میں کچھ ایسے مرد ہیں جنہوں نے خدا سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا۔ ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کر دی اور وہ بھی ہیں جو انتظار کر رہے ہیں۔ ان میں کسی طرح کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔“

ہماری آج کی گفتگو امیر المؤمنینؑ کی شہادت کے حوالے سے ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے امیر المؤمنینؑ کو راہِ خدا میں شہادت کی خبر دی تھی۔ جنگِ احد میں حضرت علیؑ شہید نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ نے رسول خدا کے سامنے اپنی اس حسرت کا اظہار کیا تھا اور عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! میں شہادت کی نعمت سے محروم رہا ہوں اور میں اس محرومی پر شکستیں ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: یا علیؑ! شہادت تمہارے عقب میں ہے۔ جنگِ خندق میں عمر بن عبدود نے آپؑ کے سر پر تلوار کا حملہ کیا تھا جس سے آپؑ کے سر اطہر پر زخم آیا اور چہرہ خون آلود ہو گیا۔ رسول اکرمؐ نے آپؑ کا خون اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا اور آپؑ مسلسل یہ فرماتے تھے کہ نجانے اس دن میں کہاں ہوں گا جب کہ آخری زمانہ کا بد بخت ترین شخص حیرت ریش کو تیرے سر کے خون سے مغطاب کرے گا؟؟

رسول اکرم ﷺ نے ماہ شعبان کے آخری جمعہ میں خطاب کیا تھا اور اس خطبہ میں آپؐ نے ماہ رمضان کے فضائل بیان کیے۔

خطبہ کے آخر میں امیر المومنینؑ اٹھے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! اس مہینے کا افضل ترین عمل کون سا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ابوالحسن! اس مہینہ کا بہترین عمل محارمِ الہی سے پرہیز کرنا ہے۔ پھر آنحضرتؐ رونے لگے تھے۔

حضرت علیؑ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپؐ کیوں رورہے ہیں؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا: میں اس لیے رورہا ہوں کہ اس مہینہ میں تجھ پر بڑا ظلم کیا جائے گا۔ گویا میں یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ تم نماز ادا کر رہے ہو اور اذلیلین و آخرین کا بدبختی جو کہ ناقص صالح کو پئے کرنے والے بدبخت ترین شخص کے مانند ہے، وہ آگے بڑھ کر تمہارے سر پر حملہ کر رہا ہے جس سے تمہاری داڑھی رنگین ہو چکی ہے۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس وقت میرا دین سلامت ہوگا؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا: جی ہاں! تیرا دین سلامت ہوگا۔

امام علیؑ اکثر اوقات لوگوں کو اپنی قیمتی شہادت کی خبر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک دن بھی داڑھی سر کے خون سے رنگین ہوگی۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمن بن ملجم آپؐ کی بیعت کے لیے آیا تو آپؐ بڑی دیر تک اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میں تجھ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دینا۔

اس نے کہا کہ میں صحیح جواب دوں گا۔

آپؐ نے فرمایا: جب تو لڑکوں سے کھیلنے کے لیے جاتا تھا اور وہ تجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھتے تو کیا وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ کتنے چمکانے والی عورت کا بیٹا تمہارے پاس آ رہا ہے؟

ابن ملجم نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔

آپؐ نے فرمایا: جب تو جوان ہوا اور تیرا کمر ایک شخص سے ہوا تو اس نے تجھے گہری

نظروں سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ تو قومِ فرود کے بد بخت ترین شخص سے بھی زیادہ بڑا بد بخت ہے۔  
ابنِ ملجم نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔

آپؐ نے فرمایا: تجھے تیری ماں نے بتایا کہ وہ تیرے ساتھ حالتِ حیض میں حاملہ ہوئی تھی؟

ابنِ ملجم کچھ دیر کے لیے ہچکچایا، پھر کہا: جی ہاں یہ درست ہے۔  
آپؐ نے فرمایا: کھڑا ہو۔ تو وہ کھڑا ہوا تو آپؐ نے فرمایا: انھوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرا قاتل یہودی کی مانند ہوگا بلکہ مکمل یہودی ہوگا۔  
امیر المومنین علیؑ کا دستور تھا کہ آپؐ جب بھی ابنِ ملجم کو دیکھتے تو آپؐ یہ شعر پڑھتے تھے۔

أَرِيدُ حَيَاتَهُ وَيُرِيدُ قَتْلِي

”میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔“

جب آپؐ کی زندگی کا آخری سال شروع ہوا اور بالخصوص ماہِ رمضان کا آغاز ہوا تو آپؐ نے کثرت سے اپنی شہادت کی خبر دینا شروع کر دی تھی۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا تھا: ”آئندہ برس تم ایک ہی صف میں حج ادا کرو گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تم میں موجود نہیں ہوں گا۔“

ان الفاظ سے لوگ سمجھ گئے تھے کہ آپؐ اپنی موت کی خبر دے رہے ہیں۔  
آپؐ نے صرف انہی باتوں پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔ آپؐ مکمل کر اللہ تعالیٰ سے اپنی وفات کی دعا بھی کیا کرتے تھے اور آپؐ دعا مانگتے تھے کہ خدایا! مجھے جلد وفات دے دے۔  
بعض اوقات آپؐ اپنے سر سے عمامہ اُتار کر قرآنِ کریم سر پر رکھتے اور یہ دعا کرتے تھے: ”خدایا! میں ان لوگوں سے ملول ہو چکا ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہو چکے ہیں۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب اس کو اس سے خضاب کیا جائے۔“

یہ کہہ کر آپؐ اپنے سر اور ریش مبارک کی طرف اشارہ کرتے تھے۔  
آپؐ نے ضربت سے قتل اپنی دخترِ حضرت اُمّ کلثومؓ کو یہ خبر دی تھی کہ میں نے خواب

میں رسول اکرم ﷺ کو دیکھا، انھوں نے میرے چہرے سے غبار صاف کیا اور انھوں نے فرمایا: علی! تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

امام علیؑ تریسٹھ برس کے ہوئے۔ اس سال ماہ رمضان میں حضرت مہم دستور یہ تھا کہ آپؐ اپنی اولاد کے پاس افطار کرتے تھے۔ ایک رات امام حسنؑ کے ہاں افطار کرتے اور دوسری رات امام حسینؑ کے ہاں افطار کرتے۔ ایک رات حضرت زینب کبریٰؑ کے ہاں افطار کرتے اور ایک رات زینب صغریٰؑ المکناۃ اُم کلثومؑ کے پاس افطار کرتے۔

انہیں کی شب آپؐ کی افطاری حضرت اُم کلثومؑ کے پاس تھی۔ بی بیؑ نے افطاری کا سامان ایک پلیٹ میں پیش کیا۔ اس میں جو کی دو روٹیاں تھیں اور اس کے ساتھ ایک پیالہ دودھ کا تھا۔

آپؐ نے حکم دیا کہ دودھ اٹھا لو۔ آپؐ نے نمک اور نانہا جو اس سے افطار کیا۔ دودھ نہ پیا اور فرمایا کہ نمک کافی ہے۔ آپؐ نے ایک روٹی کھائی، پھر اللہ کی حمد و ثنا کی اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؐ مسلسل رکوع، سجدہ اور مناجات میں مصروف رہے اور گھر کے کمرے سے نکل کر باہر جاتے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے: ”یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے میرے حبیب اللہ کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا۔“

کچھ دیر تک آپؐ سو گئے اور پھر گھبرا کر اٹھے اور اپنے چہرے کو کپڑے سے صاف کرنے لگے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: خدایا! اپنی ملاقات ہمارے لیے بابرکت بنا۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ کا کثرت سے ذکر کرنے لگے۔ اس طرح سے رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔ پھر آپؐ تعہیات کے لیے بیٹھ گئے۔ اس دوران آپؐ کو بیٹھے بٹھائے نیند آگئی۔ پھر آپؐ پریشان حالت میں نیند سے بیدار ہوئے۔ حضرت اُم کلثومؑ کا بیان ہے کہ آپؐ نے اپنی اولاد سے فرمایا: میں نے اس رات ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے اور میں تمہیں وہ خواب سنانا چاہتا ہوں۔ مجھے ابھی خواب میں رسول اکرمؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا ہے:

”اے ابوالحسن! آپؐ بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔ دنیا کا

بدبخت ترین شخص تیرے پاس آئے گا اور تیری داڑھی کو تیرے خون سے  
 خنساب کرے گا۔ خدا کی قسم! میں تمہارا مشتاق ہوں۔ آپؐ ماورمضان  
 کے آخری عشرہ میں ہمارے پاس ہوں گے۔ اب ہمارے پاس چلے آؤ،  
 جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر اور زیادہ باقی  
 رہنے والا ہے۔“

جب آپؐ کی اولاد نے یہ خواب سنا تو اُن کی چٹخوں کی صدا میں بلند ہو گئیں۔ حضرتؐ  
 نے انھیں خدا کا واسطہ دے کر خاموش رہنے کو کہا۔ پھر آپؐ نے ان کو نصیحتیں کیں اور نیکی  
 بجالانے اور برائی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔

بی بیؑ کا بیان ہے کہ وہ رات میرے والد نے قیام و قعود اور رکوع و سجود میں بسر کی۔  
 آپؐ ہر گھڑی کے بعد باہر جاتے اور آسمان اور ستاروں کو دیکھتے تھے اور یہ فرماتے تھے: خدا  
 کی قسم! میں نے آج تک جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی۔ یہ وہی رات ہے جس کا  
 مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ کہہ کر آپؐ مصلیٰ پر آ جاتے اور یہ کہتے: خدا یا! ہمارے لیے موت کو  
 باہر کٹ فرما۔

اس کے بعد آپؐ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ اور لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ  
 الْعَظِیْمِ کا ورد کرتے تھے اور رسولؐ خدا پر صلوات بھیجتے اور خدا سے استغفار کرتے۔

بی بیؑ فرماتی ہیں: اس رات میرے والد ماجد بے چین رہے۔ ان کی بے چینی کی وجہ  
 سے عین سو نہیں سکی تھی۔ میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا: بابا جان! آپؐ تو ساری رات  
 نہیں سوئے۔

آپؐ نے فرمایا: اے میری بیاری دختر! تیرے والد نے بڑے بڑے دلیروں کو قتل کیا  
 ہے اور ہولناک دادیوں کو عبور کیا ہے، لیکن میرے دل میں کبھی خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن آج  
 رات میرا دل گھبرا اٹھا ہے۔ پھر آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ کی آیت تلاوت کی۔  
 میں نے کہا: بابا جان! آپؐ اس رات کے شروع ہونے سے ہی اپنی موت کی خبر  
 دے رہے ہیں۔

امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: پیاری دختر! موت کا وقت قریب آچکا ہے اور اُمیدیں ٹوٹ جکی ہیں۔

یہ سن کر میں رونے لگی۔ میرے والد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا: بیٹی! گریہ نہ کرو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ وہی ہے جس کا رسول اکرمؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ کی آنکھ لگ گئی اور کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے۔ پھر بیدار ہو کر مجھ سے فرمایا: جب اذان کا وقت قریب آئے تو مجھے اس کی خبر دینا۔

اس کے بعد آپؐ رات کے پہلے حصہ کی طرح سے رکوع و سجود اور مناجات میں مغموم ہو گئے۔ میں وقتِ اذان کا انتظار کرنے لگی۔ جب وہ وقت آیا تو میں ایک برتن میں پانی بھر کر آپؐ کے پاس لائی اور آپؐ کو بیدار کیا۔ آپؐ نے کال وضو کیا۔ اٹھے اور کپڑے پہنے۔ دروازہ کھول کر صحن میں آئے۔ صحن میں بلخیں تھیں وہ دوڑ کر آپؐ کے پیچھے آئیں۔ وہ بلخیں میرے بھائی حسینؑ کو کسی نے ہدیہ کی تھیں۔ بلخیں شور کرنے لگیں جب کہ اس سے پہلے بلخوں نے کبھی شور نہیں کیا تھا۔

امام علیؑ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ ابھی یہ فتح رہی ہیں کچھ دیر بعد نوحہ کرنے والی خواتین کی آوازیں بلند ہوں گی۔ صبح ہوتے ہی قضا ظاہر ہو جائے گی۔

میں نے عرض کیا: بابا جان! کیا آپؐ اس طرح سے قال لیتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: بیٹی! ہمارے گھر میں کوئی بھی قال نہیں لیتا اور نہ ہی کسی کے ذریعے سے قال لی جاتی ہے۔ یہ بات بے سارے طور پر میری زبان پر جاری ہو گئی۔

پھر آپؐ نے فرمایا: بیٹی! تمہیں میرے حق کا واسطہ یہ بے زبان تمہاری قید میں ہیں۔ یہ بول نہیں سکتی، ان کے خورد و نوش کا خیال رکھنا۔ اگر نہ ہو سکے تو انہیں آزاد کر دینا۔ وہ زمین کے گھاس پھوس سے اپنا رزق حاصل کرتی رہیں گی۔

پھر آپؐ دروازے کی طرف بڑھے۔ اُسے کھولنا چاہتے تھے کہ زنجیر کپڑوں میں الجھ گئی جس سے آپؐ کی مہا گر پڑی۔ آپؐ نے مہا اٹھائی اور کندھے پر ڈالی اور یہ اشعار پڑھے:

أَشْدُّ حَيَازِيكَ لِمَوْتٍ فَإِنَّ الْمَوْتَ لَا يَبِيدُكَ  
وَلَا تَجْزَمُ مِنَ الْمَوْتِ إِذَا حَلَّ بِنَادِيكَ  
كُنَّا أَضْحَكَ الدَّهْرِ كَذَلِكَ الدَّهْرُ يُبْكِيكَ  
”موت کے لیے اپنی کمر کو مضبوطی سے کس لو، یقیناً موت تمہاری ملاقات  
کرنے والی ہے۔ جب موت تیری محفل میں اترے تو جزع فزع نہ  
کرتا۔ جس طرح سے زمانہ نے تجھے ہمایا ہے اسی طرح سے وہ تجھے  
رُلائے گا۔“

پھر آپؐ نے کہا: پروردگار! ہمارے لیے موت کو بابرکت کرنا۔ پروردگار! اپنی ملاقات  
کو میرے لیے بابرکت کرنا۔

بی بیؓ فرماتی ہیں کہ میں والد کے پیچھے چل رہی تھی، جب میں نے والد بزرگوار کی  
زبان سے یہ جملے سنے تو یقین کر کے کہا:

وَأَعُوْثَا هَٰذَا أَبْنَاكَ أَرَأَيْتَ نَفْسَكَ مُنْذَ الدَّيْلَةِ

”ہائے مددگار! ہائے بابا جان! آپؐ رات ہی سے موت کی خبر دے رہے ہیں۔“

آپؐ نے فرمایا: بیٹی! یہ سناؤنی نہیں ہے، البتہ یہ موت کی علامات و دلالات ہیں جو کہ  
ایک دوسرے کے بعد پیش آرہی ہیں۔

پھر آپؐ نے دوزادہ کھولا اور باہر روانہ ہو گئے۔ میں اپنے بھائی حسن مجتبیٰؑ کے پاس گئی  
اور اُن سے کہا کہ بابا جانؑ نے آج رات سے اپنی موت کی خبر دی ہے اور اس وقت وہ رات  
کی تاریکی میں گھر سے باہر گئے ہیں۔ آپؐ اپنے والد کے ساتھ جائیں۔

امام حسن علیہ السلام اٹھے اور والد بزرگوار کے پاس پہنچ گئے۔ امام علیہ السلام نے آپؐ کو واپسی کا  
حکم دیا۔

دُشمن خدا عبدالرحمن ابنِ ملجم خوارج کا نظریہ رکھتا تھا۔ اس کی قظام نامی عورت سے  
عشق و محبت چل رہی تھی۔ اس عورت کا باپ، بھائی اور شوہر نہروان میں قتل ہو چکے تھے۔  
ابنِ ملجم اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

اس عورت نے اپنے نکاح کی یہ شرط پیش کی کہ وہ امیر المومنین کو قتل کر دے۔  
ابن بلجم نے کہا: یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔

اس بے حیا عورت نے کہا: میرا حق مہر یہ ہے کہ تم مجھے تین ہزار دینار دو گے اور ایک قلام اور کتیز فراہم کرو گے اور سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ امیر المومنین کو قتل کرو گے۔  
یہ اشعار ابن بلجم کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

فَلَمْ أَزْ مَهْرًا سَنَاتَهُ ذُو سَنَاحَةٍ      كَسِهَرِ قَطَامٍ مِنْ فَصِيحٍ رَاحِجَمٍ  
ثَلَاثَةَ آلَافٍ وَعَبْدًا وَمَتِينَةً      وَغَرَبَ عَلَيَّ بِالْحِسَامِ النُّصَبِ

”مہر مجھ میں قلام کے مہر سے زیادہ مہنگا مہر آج تک میں نے نہیں  
دیکھا۔ تین ہزار دینار، قلام اور کتیز اور عزیز ترین تلوار سے علی کا قتل کرنا۔“

اسی سلسلہ کی ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ تین خارجیوں نے آپس  
میں اجتماع کیا اور کہا کہ اس وقت علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص  
عالم اسلام میں فساد کی بنیاد ہیں اور اگر انھیں قتل کر دیا جائے تو پورے عالم اسلام میں امن و  
سکون قائم ہو جائے گا۔

عبدالرحمن بن بلجم نے کہا: میں علی کو قتل کروں گا اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ میں  
عمرو بن العاص کو مصر بھیج کر قتل کروں گا۔ تیسرے خارجی کا نام عنبر بن تھا اس نے کہا کہ میں  
شام بھیج کر معاویہ کا کام تمام کروں گا۔

پھر ان تینوں نے انیس ماہ رمضان کی نماز فجر کا وقت مقرر کیا۔ چنانچہ اس قرارداد کے  
تحت برک بن عبداللہ جیسی عمرو بن العاص کو قتل کرنے کے لیے مصر گیا، لیکن عمرو بن العاص نماز فجر  
کے لیے نہ آیا۔ اُس نے خارجہ بن تمیم کو نماز کے لیے بھیجا۔ جب وہ محراب میں کھڑا ہوا تو  
برک نے یہ سمجھا کہ یہ عمرو بن العاص ہے۔ اس نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور اُس پر حملہ کیا اور  
اس ضربت کی وجہ سے خارجہ کی موت واقع ہوئی۔

عنبر بن شام گیا اور معاویہ کے دربار تک رسائی حاصل کی اور اس سے دوستی قائم کر لی۔  
وہ روزانہ اس کے پاس جاتا اور اُسے اشعار سناتا۔ جب انیس رمضان کی فجر ہوئی اور معاویہ



نماز کے لیے آیا تو اس نے معاویہ پر حملہ کیا۔ حملہ خطا ہوا اور تلوار معاویہ کی سرین پر لگی جس کی وجہ سے اُسے کچھ زخم آیا لیکن بعد میں علاج معالجہ سے ٹھیک ہو گیا۔

عبدالرحمن بن ملجم اس رات مسجد میں آیا اور رات مسجد میں بسر کی اور طلوع فجر امام علیؑ کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ وہ ساری رات اس بدترین جرم کے ارتکاب کے متعلق سوچتا رہا۔ اس کی مدد کے لیے دو اور خارجی بھی موجود تھے، ایک کا نام حبیب بن مخرہ تھا اور دوسرے کا نام وردان بن جالد تھا۔

امام علیؑ مسجد میں داخل ہوئے اور مسجد میں نماز پڑھی۔ پھر آپؑ مگدستہ اذان پر آئے کالوں میں انگشت سبابہ رکھی اور تھوڑا سا کھانے، پھر اذان دی۔ آپؑ کی اذان کی صدا پورے کوفہ کے گھروں میں پھیلی۔

پھر آپؑ مگدستہ اذان سے نیچے اترے، آپؑ خدا کی تسبیح و تکبیر کر رہے تھے اور نبی اکرمؐ پر درود پڑھ رہے تھے۔ پھر آپؑ نے مسجد میں سوئے ہوئے افراد کو جگانا شروع کر دیا اور ہر سوئے ہوئے فرد سے کہتے کہ خدا تجھ پر رحم کرے اٹھو نماز پڑھو۔ پھر آپؑ یہ آیت پڑھتے تھے: **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** (نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے)۔

آپؑ لوگوں کو جگاتے ہوئے ابن ملجم کے پاس آئے۔ وہ منہ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تلوار چھپائی ہوئی تھی۔

امام علیؑ نے اس سے فرمایا: اے شخص! نیند سے بیدار ہو جا، اس طرح سے سونے کو خدا ناپسند کرتا ہے۔ یہ شیطان کے سونے کا انداز ہے اور یہ اہل دوزخ کے سونے کا انداز ہے۔ دابنے پہلو کے بل سوؤ کیونکہ یہ طہاء کی نیند ہے اور بائیں پہلو کے بل سونا حکماء کی نیند ہے اور پشت کے بل سونا انبیاء کی نیند ہے۔

جی ہاں، سورج کی روشنی ہر ایک پر پڑتی ہے خواہ کوئی نیک ہو یا بد، پاک ہو یا پلید۔ امام علیؑ اپنے علم کا فیضان ہر نیک و بد پر کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ آپؑ نے کائنات کے بد بخت ترین شخص کو بھی اپنے علمی فیضان سے محروم نہیں رکھا تھا۔ پھر آپؑ نے اس لعین

سے فرمایا: تو جو ارادہ لے کر آیا ہے یہ اتنا خوفناک ہے کہ اس سے آسمان پھٹ سکتے ہیں اور زمین ریزہ ریزہ ہو سکتی ہے۔ اگر میں چاہوں تو میں تجھے یہ بتا سکتا ہوں کہ تُو نے کپڑوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔

یہ کہہ کر آپؐ چلے گئے اور محراب میں تشریف لائے اور نماز شروع کی۔ آپؐ نے نماز میں طویل رکوع و سجود کیے۔

ادھر وہ لعین تاریخ انسانیت کے بدترین جرم کے اقدام کی نیت سے اٹھا اور چلے ہوئے اس ستون کے قریب آیا جہاں آپؐ نماز میں معروف تھے۔ آپؐ نے پہلی رکعت پڑھی اور پہلا سجدہ ادا کیا۔ پھر سر کو اٹھایا۔ وہ لعین آگے بڑھا اور آپؐ کے سر اٹھ پر تلوار کا وار کیا۔ اس لعین کی تلوار وہاں پڑی جہاں عمرو بن عبدود عامری کی ضربیت لگی تھی۔

امام علیؑ چہرے کے بل زمین پر گرے اور یہ کلمات فرمائے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلَىٰ صِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

پھر آپؐ نے حج کر فرمایا: مجھے ابنِ ابیہم نے قتل کیا ہے۔ مجھے فرزندِ یہودیہ نے قتل کیا ہے۔ ابنِ ابیہم تمہارے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

امام علیؑ نے لوگوں کو اپنے قاتل کا نام اس لیے بتایا کہ لوگ حصہ میں آکر بے گناہوں کا قتل عام نہ کریں، جب کہ اس سے قبل عمر بن خطاب کے قتل کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبید اللہ نے بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ اسی لیے آپؐ چاہتے تھے کہ ویسا حادثہ دوبارہ نہ ہونے پائے۔

امام علیؑ کی احتیاط اور حق پرستی ملاحظہ فرمائیں کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپؐ ظالم حیات کو تہاہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپؐ نے یہ سب کچھ اس وقت کیا جب آپؐ کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور چہرہ اٹھ خون سے تر رہا تھا۔

آپؐ نے پیشانی پر ہٹی باندھی اور زخم پر مٹی ڈالنا شروع کی، لیکن خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آپؐ کے سر کا خون آپؐ کے سینہ تک پھیل چکا تھا اور آپؐ کی برداشت کا یہ عالم تھا کہ چیخے چلانے کی بجائے آپؐ بار بار یہ فرما رہے تھے:

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ هَذَا مَا وَعَدَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَّقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 ”رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ یہ وہی کچھ ہے جس کا خدا اور اس  
 کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ کا وعدہ سچا ثابت ہوا۔“

لوگوں پر دہشت اور حیرانی چھا گئی، بالخصوص وہ لوگ زیادہ پریشان ہوئے جو مسجد میں  
 نماز کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اسی لمحے جبرئیل امینؑ کی صدا بلند ہوئی۔ آج تک تاریخ انبیاءؑ  
 میں کبھی ایسی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ کسی نبیؑ یا کسی بھی وحی کی موت پر یہ آواز نہیں آئی تھی۔  
 یہ آواز اس وقت بلند ہوئی جب قاتل کی تلوار سے سے کرائی تو جبرئیلؑ نے منادی کی۔ اس  
 طرح کی منادی جبرئیلؑ پہلے بھی کر چکے تھے۔ انھوں نے جنگِ احد میں آپؐ کی جو ضروری کی  
 خاطر ندا بلند کر کے یہ کہا تھا:

لَا قِتْلِي إِلَّا عَلَى لَاسِيْفٍ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ

جامع مسجد کے کواڑ آپس میں کمرائے اور آسمان پر ملائکہ کی چچیں بلند ہوئیں اور سیاہ  
 آدمی چلی۔ جبرئیل امینؑ نے زمین و آسمان کے درمیان آواز دی جسے ہر بیدار انسان نے  
 اپنے کانوں سے سنا:

تَهَدَّمَتْ وَاللَّهِ أَرْكَانَ الْهُدَى وَانْطَلَسَتْ وَاللَّهِ نُجُومُ السَّمَاءِ  
 وَأَعْلَامُ التُّنْجِ وَانْقَسَتْ وَاللَّهِ الْعُرُوقُ الْوُثْقَى، قُتِلَ ابْنُ حَمٍّ  
 مُحَمَّدٌ الْمُصْطَفَى، قُتِلَ الْوَصِيُّ الْمُجْتَبَى قُتِلَ عَلِيُّ الْمُرْتَضَى،  
 قُتِلَ وَاللَّهِ سَيِّدُ الْأَوْصِيَاءِ قُتِلَ أَشَقَى الْأَشْقِيَاءِ

”خدا کی قسم ہدایت کے ستون گر گئے۔ خدا کی قسم آسمان کے ستارے  
 بجھ گئے اور تقویٰ کے ستون منہدم ہو گئے۔ خدا کی قسم! مضبوط رشتے کے  
 ٹل کھل گئے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ابن عم شہید ہو گئے، وحی مجتبیٰ  
 شہید ہو گیا، علی مرتضیٰ شہید ہو گیا۔ خدا کی قسم! سید الاوصیاء شہید ہو گیا اور  
 کائنات کے سب سے بڑے بد بخت نے انھیں شہید کیا۔“

جب حضرت ام کلثومؓ نے یہ صدا سنی تو اپنے چہرے اور رخساروں کو پیٹنے لگیں

اور گریبان چاک کیا اور رو رو کر کہا:

وَاٰهْتَاةٌ وَاٰهْلِيَّاهُ وَاْمُحَمَّدًا وَاَسَيِّدَاةُ

حسین کریمین مگر سے باہر آئے۔ اس وقت لوگ لوح کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

وَاِمَامَاةٌ وَاَمِيْدُ الْوُفَاةِ، قُتِلَ وَاللّٰهِ اِمَامٌ عَابِدٌ مُّجَاهِدٌ لَمْ

يَسْجُدْ لِعَنِيْمٍ

”ہائے امام، ہائے امیر المومنین، خدا کی قسم! عابد و مجاہد امام مارا گیا، وہ

مارا گیا جس نے کبھی جوں کا سجدہ نہیں کیا تھا۔ وہ مارا گیا جو پوری دنیا میں

سے رسول خدا کے زیادہ مشابہ تھا۔“

جب حسین کریمین نے لوگوں کے یہ نوحے سنے تو انھوں نے رُود و کر کہا:

وَاَبْتَاةٌ وَاٰهْلِيَّاهُمْ لَيْتَ الْوُتْ اَعَدَمْنَا الْحَيَاةَ

”ہائے بابا جان، ہائے علی اکاش کہ ہم پر پہلے موت آگئی ہوتی اور یہ دن

نہ دیکھتے۔“

جب حسین مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ابو جعفر بن ابیہرہ اور کچھ اور

مسلمان کوشش کر رہے تھے کہ امام کو محراب میں کھڑا کریں، تاکہ امام جماعت کرا سکیں۔

آپؑ میں اٹھنے کی طاقت نہیں تھی، اسی لیے آپؑ صف سے پیچھے ہو گئے اور اُن کی جگہ

امام حسنؑ نے نماز پڑھائی۔ امیر المومنینؑ نے اشاروں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس اثنا میں

اپنے چہرے اور ریش اطہر سے خون پونچھتے رہے۔ آپؑ فقاہت کی وجہ سے کبھی دائیں مڑ

جاتے اور کبھی بائیں جھک جاتے تھے۔

نماز پڑھانے کے بعد امام حسنؑ نے یہ عداوی:

وَاِنْ تَقَامَ ظَهْرَاةٌ يَّعْزُوْا اللّٰهَ عَلٰی اَنْ اَرَاكَ هٰكِنَا

”ہائے میری کر ٹوٹ گئی، آپؑ کو اس حالت میں دیکھنا میرے لیے سخت

مشکل ہے۔“

امام علیؑ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا:

اے پیارے فرزند! آج کے بعد تیرے والد پر کوئی پریشانی نہیں ہے ایہ حیرے نانا  
محرم صلیٰ اور تیری نانی خدیجہ کبریٰ اور حیری ماں فاطمہ زہرا اور جنت کی حوریں میرے پاس پہنچ  
گئی ہیں اور وہ میرے پہنچنے کی منتظر ہیں۔ حوصلہ بلند رکھو اور گریہ کو چھوڑ دو۔ تمہارے رونے کی  
وجہ سے ملائکہ کی چیمیں بلند ہو رہی ہیں۔

چند لمحات میں یہ خبر پورے کوفہ میں پھیل گئی۔ مرد و زن گھروں سے نکل کر جامع مسجد  
کی طرف دوڑ پڑے، تاکہ اپنے امام کا دیدار کر سکیں۔

الغرض لوگ مسجد میں آئے۔ اس وقت امام حسن مجتبیٰ اپنے والد کا سراپنی آغوش میں  
رکھے ہوئے تھے اور خون صاف کر رہے تھے۔ پھر آپؑ نے زور سے ہنسی باندھی مگر دم اتنا  
گہرا تھا کہ خون رُکنے میں نہیں آ رہا تھا اور آپؑ کے چہرے کی دردی اور سفیدی بڑھ رہی تھی  
اور آپؑ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور آپؑ کی زبان پر تسبیح جاری تھی اور آپؑ مسلسل اس  
جملے کا تکرار کر رہے تھے:

اَسْأَلُكَ يَا رَبِّ الرَّفِيقِ الْاَخْلَى

آپ کا سر امام حسن مجتبیٰ کی آغوش میں تھا۔ اس اثناء میں آپؑ پر فحشی طاری ہوئی۔  
امام حسنؑ یہ مہر دیکھ کر زور زور سے رونے لگے اور اپنے والد کے چہرے اور مقاماتِ بھوکہ  
بوسے دینے لگے۔

امام حسنؑ کے گرم آنسو امیر المومنینؑ کے چہرے پر پڑے تو آپؑ نے آنکھیں  
کھول دیں اور امام حسنؑ کو روتے ہوئے پایا۔

امام علیؑ نے فرمایا: حسنؑ! یہ گریہ کیسا ہے؟

آج کے بعد تیرے والد پر کوئی پریشانی نہیں ہے۔

فرزند! آج تو تم مجھ پر رو رہے ہو، جب کہ کل تجھے مظلومیت کے عالم میں زہر سے  
شہید کیا جائے گا اور تیرے بھائی کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور یوں تم اپنے نانا، والد اور والدہ  
سے ملاقات کرو گے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: بابا جان! ہمیں بتائیں کہ آپؑ کو کس نے زخمی کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: مجھے فرزندِ یہود یہ عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے ذبح کیا ہے۔

امام حسنؑ نے پھر عرض کیا: بابا جان! وہ کس راستے سے بھاگا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تمہیں اس کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ابھی اسی دروازے سے تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ آپؑ نے باپ کندہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپؑ کے سر اور بدن میں زہر اثر کر رہی تھی۔ آپؑ ایک لمحے کے لیے بے ہوش ہو گئے۔ لوگ قاتل کا انتظار کر رہے تھے اور بار بار باپ کندہ کی طرف اُن کی نظریں اٹھ رہی تھیں۔ چند لمحات کے بعد شور و غوغا سنائی دیا۔ معلوم ہوا کہ دشمن خدا گرفتار ہو کر مسجد میں لایا جا رہا ہے۔

لوگوں نے اس پر حملہ کیا اور اپنے دانتوں سے لہین کو کاٹنے لگے اور اس سے کہتے تھے: اے دشمن خدا! تُو نے یہ کیا کام کیا ہے؟ تُو نے اُمتِ محمدؐ کو تباہ کیا ہے اور کائنات کے افضل ترین شخص کو قتل کیا ہے۔

وہ لہین خاموش تھا۔ اس کے آگے ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں بے نیام تلوار تھی۔ وہ لوگوں کو لہین کے قتل سے منع کر رہا تھا۔ وہ شخص حذیفہ غففی تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! ہٹ جاؤ یہ امام کا قاتل ہے۔ میں اسے مسجد میں امامؑ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس لہین کی آنکھیں دہشت سے اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے پر ایک ضربت کے نشان تھے جس کی وجہ سے اس کے چہرے کی ہڈی نمایاں ہو چکی تھی اور اس کی داڑھی اور سینے پر خون بہہ رہا تھا۔ اس کے سیاہ بال اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے اور وہ شیطان کی سی شکل بنائے ہوئے تھا۔

بہرِ نوح اس لہین کو امامؑ کے سامنے لایا گیا۔ امام حسن مجتبیٰؑ نے اُس سے فرمایا: تمہ پر ہلاکت ہو اے لہین! اے دشمن خدا! تمہ پر لعنت ہو۔ تُو نے امیر المومنینؑ کو قتل کیا ہے اور پوری اُمتِ اسلامیہ کو تُو نے جہنم بنایا ہے۔ امیر المومنینؑ نے تو تجھے پناہ دی تھی اور دوسروں پر تجھے فضیلت دی تھی کیا اس نیکی کا بدلہ بھی ہے جو تُو نے ہمیں دیا ہے۔

وہ لہین خاموش رہا۔ اس کے آنسو بہتے رہے۔ پھر کچھ لمحات کے بعد اس نے امام حسنؑ سے کہا: اے ابو محمد! کیا آپؑ کسی دوزخ جانے والے کو چھڑا سکتے ہیں؟

اس کے بعد امام حذیفہ کی طرف متوجہ ہوئے جو اسے گرفتار کر کے لایا تھا۔  
 آپؑ نے اُس سے فرمایا: تم نے اسے کیسے گرفتار کیا؟  
 حذیفہ نے جواب دیا کہ میں اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ میری بیوی نے ہاتھ فیشی کی  
 صداسنی جو کہہ رہا تھا:

تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهُ اَرْكَانَ الْهُدٰى وَانْطَمَسَتْ وَاللّٰهُ اَحْلَامُ النَّفْثِ قُتِلَ  
 ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى ، قُتِلَ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰى قَتَلَهُ اشْقِیَّ  
 الْاَشْقِیَّیَّ

میری بیوی نے مجھے بیدار کیا اور کہا کہ اٹھو تیرا امام علیؑ بن ابی طالبؑ شہید ہو گیا ہے۔  
 میں گھبرا کر اٹھا اور کہا کہ تیرے منہ میں خاک ٹو یہ کیا کہہ رہی ہے؟ ٹو نے کہیں  
 شیطان کی آواز نہ سنی ہو؟ امیر المومنینؑ نے تو آج تک کسی پر ظلم نہیں کیا، بھلا انھیں کوئی کیوں  
 قتل کرے گا اور امیر المومنینؑ شیر خدا ہیں بھلا انھیں کون قتل کر سکتا ہے؟  
 میری بیوی نے قسمیں کھا کر کہا کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ بالکل درست ہے۔ میں  
 نے ابھی طرح سے وہ آواز سنی تھی۔ چنانچہ میں گھر سے تلوار بے نیام کر کے نکلا اور جب میں  
 راستے کے درمیان میں آیا تو اس وقت یہ دشمن خدا دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن میں نے  
 اُس کے دوڑنے کے تمام راستے بند کر دیے۔ جب میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو یہ شخص  
 مجھے مکھوک لگا۔

میں نے پکار کر کہا کہ ٹو کون ہے؟ تیرا کیا نام ہے اور ٹو کہاں جانا چاہتا ہے؟ اس نے  
 قلعہ نام لیا اور قلعہ قبیلہ کا نام لیا۔

میں نے پوچھا: تو اس وقت کہاں جا رہا ہے؟  
 اس نے کہا: میں ”حیرہ“ جا رہا ہوں۔

میں نے کہا: رک جا اور امیر المومنینؑ کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر چلے جانا۔ اُس نے کہا:  
 اگر میں کچھ دیر رک گیا تو میرا کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔

میں نے کہا: میں نے ایک جھج سنی ہے کہ امیر المومنینؑ مارے گئے تو کیا ٹو نے بھی ایسی

کوئی آواز سنی ہے؟

اُس نے کہا: مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔

میں نے کہا: پھر تمہیں چاہیے کہ تم مسجد میں جاؤ اور خبر کی تحقیق کر کے پھر حیرہ چلے جاؤ۔

اُس نے کہا: میں نے ضروری کام سرانجام دینا ہے جو اس سے کہیں اہم ہے۔

میں نے کہا: اے ذلیل شخص! تیری حاجت امیر المومنینؑ کا حال دریافت کرنے سے

بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے؟

میں نے تلوار بلند کی کہ اس پر حملہ کروں یہ ایک طرف ہو گیا۔ ہوا کا جھونکا آیا۔ اس کی

چادر ہٹی تو میں نے دیکھا کہ اس نے چنگدار تلوار چھپائی ہوئی ہے۔

میں نے کہا کہ تُو نے بے غیام تلوار کیوں اٹھا رکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تُو ہی

امیر المومنینؑ کا قاتل ہے۔

یہ انکار کرنا چاہتا تھا، لیکن خدا نے اُس کی زبان پر سچ جاری کر دیا اور اُس نے کہا:

ہاں، میں نے تلوار بلند کی اور ادھر اُس نے بھی تلوار اٹھائی، لیکن اس سے قبل کہ وہ مجھ پر حملہ

کرتا میں نے اس کی پٹری پر تلوار ماری اور اُسے زمین پر گرا دیا۔ میں نے اس کو نہتا کرنا چاہا

تو اُس نے مزاحمت کی۔ اسی اثناء میں محلہ دار باہر آئے اور انھوں نے میری مدد کی۔ میں نے

اسے رستیوں سے جکڑا اور یہاں لے آیا۔ اب مجرم آپؑ کے سامنے ہے جو جی میں آئے اس

سے وہی سلوک کریں۔

امام حسنؑ نے کہا: خدا کا شکر ہے جس نے اپنے ولی کی مدد کی اور اپنے دشمن کو

مظلوم کیا۔

پھر امام حسنؑ نے اپنے والد ماجد کو بوسے دیئے اور عرض کیا: بابا جان! خدا اور آپؑ کا

دشمن گرفتار ہو کر آگیا ہے۔

آپؑ نے آنکھیں کھولیں اور آپؑ یہ کہہ رہے تھے: اے میرے رب کے فرشتو! مجھ

سے نرمی کرو۔

امام حسنؑ نے دوبارہ عرض کیا: بابا جان! آپؑ کا دشمن ابنِ ملجم آپؑ کے سامنے حاضر



ہے۔

آپؐ نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا وہ رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور اس کی تلوار اس کی گردن میں لٹک رہی تھی۔

امام علیؑ نے بڑی شفقت سے فرمایا: اے غصص! تو نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ تو امرِ عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ کیا میں تیرا برا امامؐ تھا کہ تو نے مجھے اس کا یہ بدلہ دیا ہے؟ کیا میں تجھ پر شفقت نہیں کرتا تھا؟ کیا میں نے تجھے اوروں پر برتری نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیے تھے؟ کیا میں نے تیرے وحیفہ میں اضافہ نہیں کیا تھا؟ کیا مجھے تیرے بارے میں پہلے سے اطلاعات نہیں ملی تھیں؟ مگر اس کے باوجود میں نے تجھے قید کیا تھا اور نہ ہی تادیبی سزا جاری کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ تو ہی میرا قاتل ہے، لیکن اس کے باوجود تجھ پر شقاوت غالب آگئی اور تو نے مجھے قتل کیا ہے؟

ابنِ ماجہ لہٰن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے کہا:

امید المومنین أفا ننت تَتَقَدُّ مَنْ فِي النَّارِ

”کیا آپؐ دوزخ جانے والے کو دوزخ سے بچا سکتے ہیں؟“

آپؐ نے فرمایا: تو نے سچ کہا ہے۔ پھر آپؐ نے امام حسنؑ سے فرمایا:

بیٹا! اپنے قیدی سے نرمی کرنا، اس پر رحم کرنا اور شفقت کرنا۔ دیکھو اس کی آنکھیں

شدتِ خوف سے اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں اور اس کا دل کانپ رہا ہے۔

امام حسنؑ نے عرض کیا: بابا جان! اس قاجر لہٰن نے آپؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے

اور ہمیں غم میں مبتلا کیا ہے مگر آپؐ اس کے متعلق نرمی کا حکم دے رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں میرے فرزند! ہمارا گھرانہ مجرم پر بھی رحم کرتا ہے اور رحمت و

شفقت ہمارے گھرانے کی پرانی عادت ہے۔

آپؐ کو میرے حق کا واسطہ جو کچھ آپؐ خود کھائیں اُسے بھی کھلائیں اور جو کچھ خود پیئیں

اُسے بھی پیلائیں۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں جھکڑیاں مت ڈالیں۔ اگر میں

اس ضرب سے دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو پھر اُسے قصاص میں قتل کر دینا اور اسے ایک ہی

ضرب مارنا۔ اس کے جسم کو آگ میں نہ جلانا اور مرنے کے بعد اس کی لاش کا حلیہ نہ بگاڑنا۔ میں نے تمہارے نانا جان سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ کسی کی لاش کے اعضا نہ کاٹو اگرچہ وہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو مجھے معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں نے اس سے جو سلوک کرنا ہے اس سلوک سے میں خود زیادہ آگاہ ہوں۔

سید جعفر علی نے امام علیؑ کا کیا ہی اچھا مرقیہ لکھا تھا۔

لبس الاسلام ابراد السواد	یوم اردی المرتضیٰ سیف البرادی
لیلة ما اصبحت الا وقد	غلب الخی علی امر الرشاد
والسلام قد تهدمت اعلامه	وعزت ترفع اعلام الفساد
ما رعی الغادر شهر الله فی	حجة الله علی کل العباد
یا لیل انزل الله بها	سور الذکر علی اکرم هادی
محیت فیک علی رغم العلی	آیة فی فضلها الذکر ینادی
قتلوه وهو فی محرابه	طاوی الاحشاء عن ماء وزاد
سل بعینیه الدعی هل جفتا	عن بکا او ذاقنا طعم الرقاد؟
وسل الانجم هل البصرانه	لیلة مضطربها فوق الرساد؟
وسل الصبح اهل صادفه	مل من نور مذیب للجباد
عاق الناقة مع شقوته	لیس بالاشقی من الرجس البرادی
فلقد عم بالسيف فتی	عم خلق الله طرا بالایادی
فبکته الانس والجن معا	وطیور الجومع وحش البدادی
وبکاه اعلام الاعلی دما	وغدی جبریل بالدیل ینادی
هدمت والله ارکان الهدی	حیث لا من منذر فینا وهادی

”اسلام نے اس دن غم کا سیاہ لباس پہنا جس دن مرادی (امین المہم) کی

تلوار نے مرقعیٰ کو شہید کیا۔ وہ ایسی رات تھی جس کی صبح کے وقت گمراہی

ہدایت پر غالب آئی تھی۔ بہتری کے ستون گر پڑے اور فساد کے پرچم

بلند ہوئے۔ خدا نے خدا کی حجت کے لیے بھی خدا کے خاص مہینہ کا  
 خیال نہیں رکھا تھا۔ یہ وہ راتیں تھیں جن میں اللہ نے عظیم ہادی پر قرآن  
 کی سورتوں کو نازل کیا تھا۔ انہی راتوں میں اس پر ظلم ہوا، جس کی نفسیات  
 کی قرآن منادی کرتا تھا۔ ظالموں نے انہیں عراب مسجد میں بھوکا پیاسا  
 شہید کیا تھا۔ رات کی تاریکی سے پوچھو کہ کیا اس کی آنکھیں کبھی خوفِ خدا  
 میں رونے سے خشک ہوئی تھی یا اس کی آنکھوں نے نیند کا ذائقہ چکھا تھا؟  
 ستاروں سے پوچھ لو کہ کیا انھوں نے علیؑ کو کبھی بستر پر سوئے ہوئے دیکھا  
 تھا؟ صبح سے پوچھ لو کہ کیا کبھی علیؑ کو ایسی مناجات سے تنگ دل ہونے بھی  
 پایا جو کہ عبادات کو پگھلا دینے والی ہوتی تھیں؟

ناقہ صالح کا قاتل اپنی تمام تر شقاوت کے باوجود جس مرادی سے زیادہ  
 شقی نہیں تھا۔ اس لعین نے اس ہستی کو تلوار کا نشانہ بنایا، جس نے خدا کی  
 تمام مخلوقات پر احسان کیے تھے۔

انسان اور جنات اور طیور و حیوانات سب اُن کی شہادت پر روئے۔ طلاء  
 اُٹل کے پاسی ان پر خون روئے اور جبرئیلؑ نے اُن کی شہادت کی منادی  
 کی تھی اور یہ کہا تھا: خدا کی قسم! ہدایت کے ستون گر گئے۔ اب نہ تو مندر  
 رہا اور نہ ہادی رہا ہے۔“

علیؑ کا زخمی حالت میں گھر لایا جاتا!

برادرانِ ایمان! ہم نے امیر المؤمنین علیؑ کی شہادت کے متعلق گزشتہ صفحات میں  
 کچھ معروضات پیش کی تھیں۔ یقین فرمائیں کہ یہ واقعہ اتنا دل خراش اور اعدو ہتاک ہے کہ قلم  
 اور زبان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات کو بیان کر سکیں۔

جیسے ہی ہاتفسفینی نے قَدْ قُتِلَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کی صدا دی تو یہ خبر پورے کوفہ شہر  
 میں پھیل گئی۔ کوفہ کے مرد و زن خیزی سے مسجد کی طرف آئے اور انسانوں سے جامع مسجد  
 بھر گئی۔ ہر شخص آنسو بہا رہا تھا اور سر پیٹ رہا تھا۔ ہر طرف گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی

تھیں۔ کوفہ کے لوگ اپنے اس امام کے دیدار کے خواہش مند تھے جس نے بے خطر موت کی گھاٹیاں عبور کی تھیں اور جس کے نام سے سوراؤں کے کیلیے دہلی جاتے تھے اور جس کی بیعت سے پہاڑ سٹ کر رائی دکھائی دیتے تھے اور جس کے نام سے شیر لڑ اٹھتے تھے۔ امام علی علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ خون بہنے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سفید ہو چکا تھا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز ادا کی اور پھر فرمایا: مجھے میرے گھر لے چلو۔

حضرت کی اولاد نے آپ کو چار پائی پر اٹھایا۔ ان کے عقب میں لوگ گر بہ کناں چلے گئے۔ حسین کریمینؑ پر سب سے زیادہ گریہ طاری تھا۔  
امام حسین علیہ السلام روز و کر کہہ رہے تھے:

يَا أَبَتَاهُ مَنْ لَنَا بَعْدَكَ؟ لَا يَوْمَ كَيَوْمِكَ إِلَّا يَوْمَ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ  
أَجْلِكَ تَعَلَّيْتُ الْبُكَاءَ بَعْدَهُ وَاللَّهِ عَلَيَّ أَنْ أَرَاكَ هَكَذَا

”بابا جان! آپ کے بعد ہمارے لیے کون ہے۔ وفاتِ پیغمبر کے بعد  
سب سے بڑی مصیبت آپ کی ہی ہے۔ آپ کی خاطر میں نے رونا سیکھا  
ہے، میرے لیے یہ بات بڑی گراں ہے کہ آپ کو اس حالت میں دیکھوں۔“

امام علیہ السلام نے اپنے فرزند کو تسلی دی اور بیٹے کے آنسو پونچھے اور اپنا ہاتھ اپنے فرزند کے  
سینے پر رکھا اور فرمایا: فرزند! خدا تمہارے دل کو مستحکم بنائے اور تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو  
آخرِ عظیم عطا فرمائے۔

رسولِ مقبول کی بہو بیٹیاں امام علیہ السلام کے بستر کے گرد جمع ہو گئیں اور وہ شیر خدا کو اس  
حالت میں دیکھ رہی تھیں۔ حضرت زینب کبریٰ اور اُن کی بہنوں نے یمن کر کے کہا:

أَبَتَاهُ مَنْ لِلصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبُرَ وَمَنْ لِلْكَبِيرِ بَيْنَ التَّلَايَا أَبَتَاهُ  
حُزْنُنَا حَلِيكَ طَوِيلٌ وَحَبْرُنَا لَا تَرْقَأُ

”بابا جان! اب چھوٹے بچوں کا محافظ کون ہوگا یہاں تک کہ وہ جوان  
ہوں اور بڑوں کا محفلوں میں ضامن کون ہوگا؟ بابا جان! ہمارا غم طویل  
ہے اور ہمارے آنسو کبھی نہ ٹھہریں گے۔“

آپؐ کے گھر کے باہر لوگوں کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لوگوں کا گریہ سن کر حضرتؐ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

اطباء اور جراح بلائے گئے۔ انھوں نے آپؐ کے لیے دودھ تجویز کیا، کیونکہ لعین کی تلوار زہر آلود تھی۔ ضربت کے بعد آپؐ نے صرف دودھ ہی استعمال کیا تھا۔

آپؐ نے اپنے دونوں فرزندوں کو بلایا اور انھیں پیار کیا کیونکہ آپؐ کو علم ہو چکا تھا کہ جدائی کے لحاظ قریب آپکے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔

امام حسنؑ بچتی بچتی نے آپؐ کو دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں سے تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا۔ پھر پیالہ اپنے منہ سے ہٹایا اور فرمایا: یہ دودھ اپنے قیدی کے پاس لے جاؤ۔

پھر آپؐ نے امام حسنؑ سے فرمایا: تمہیں میرے حق کا واسطہ میری موت تک اس قیدی کو اچھا کھانا دینا اور اچھا پانی پلانا جو خود کھاؤ، اُسے بھی کھلاؤ اور جو خود پیو، اُسے بھی پلاؤ۔

ابن ابی عمیرؓ میں قید تھا۔ اس کے سامنے دودھ پیش کیا گیا اور اُسے آپؐ کی شفقت اور مہربانی کے متعلق بتایا گیا۔ اس نے دودھ پیا۔

حضرت محمد بن حنفیہؓ کا بیان ہے کہ ماورِ رمضان کی بیسویں رات ہم نے اپنے والد کے پاس بسر کی۔ زہر کا اثر آپؐ کے قدموں تک پہنچ چکا تھا۔ اس رات امیر المومنینؑ بیٹھ کر نمازیں پڑھتے رہے اور ہمیں کارآمد نصیحتیں کرتے رہے اور ہمیں اپنی موت کی تعزیت دیتے رہے اور طلوع فجر تک ہمیں اپنے احکامات کی خبر دیتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو لوگ عیادت کے لیے آئے اور انھوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ امیر المومنینؑ نے اجازت دی۔ لوگ آئے، وہ سلام کرتے تھے اور حضرتؐ جواب دیتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

اسألونی قبل ان تغتدونی وخففوا سؤالکم لمصیبة امامکم

”مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے کھودو، البتہ سوال چھوٹے کرو

کیونکہ تمہارا امام مصیبت میں مبتلا ہے۔“

تمام حاضرین کی بے ساختہ چہنیں کل گئیں اور کسی نے بھی اس حالت میں سوال کرنا

پسند نہ کیا۔ اسی اثنا میں حجر بن عدی الطائی اُٹھے اور انھوں نے کہا:

فَيَا أَسْفِنَ عَلَى النُّوْلِ الشَّقِيَّ      أَبِي الْأَطْهَارِ حَيَذَرَةُ الزَّكِيِّ  
قَتَلَهُ كَافِرٌ حِنْثٌ زَيْنُمْ      لَعِينٌ قَاسِقٌ نَقْلٌ شَقِيٌّ

”مجھے دکھ اور افسوس ہے اپنے پرہیزگار مولا، ابوالاعلمہ پاک و پاکیزہ حیدر

پر جسے ایک کافر عہد شکن حرام زادہ لعین اور بد بخت نے قتل کیا ہے۔“

امام علیؑ نے اُن کی طرف دیکھا اور اُن کے جذبات سنے تو آپؑ نے فرمایا: حجرا یہ بتاؤ اس وقت تمہاری حالت کیا ہوگی جب تمہیں مجھ سے بیزاری کی دعوت دی جائے گی؟ بتاؤ اس وقت کیا کہو گے؟

حجر بن عدی نے عرض کیا: امیر المؤمنین! میں آپؑ سے برأت کی بجائے یہ پسند کروں گا کہ مجھے تلوار سے کھڑے کھڑے کر دیا جائے اور مجھے آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے۔ امام علیؑ نے فرمایا: اے حجرا! خدا تمہیں ہر بھلائی کی توفیق دے اور تیرے پیغمبرؐ کی اہل بیتؑ سے تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا کچھ دودھ موجود ہے؟

آپؑ کے فردعوں نے دودھ پیش کیا تو آپؑ نے سارا دودھ پی لیا۔ پھر آپؑ کو آپؑ کا قاتل یاد آیا اور یہ دیکھا کہ دودھ باقی نہیں بچا۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے سارا دودھ پی لیا ہے اور میں نے تمہارے قیدی کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ یہ دنیا سے میرا آخری رزق تھا۔

پہنا تمہیں خدا کا واسطہ اُسے بھی دیے ہی دودھ پلاؤ جیسا کہ تم نے مجھے پلایا ہے۔

چنانچہ اس لعین کے پاس دودھ بھیجا گیا اُس نے پی لیا۔ لوگ دروازے پر جمع تھے اور اُن کی خواہش تھی کہ قاتل کو سزائے موت دی جائے۔

امام حسنؑ جنتی علیہ السلام مجمع کے پاس گئے اور انھیں والد کا یہ حکم سنایا کہ دروازے پر جھوم نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ یہ حکم سن کر تمام افراد واپس چلے گئے، لیکن اصغر بن نباتہ دروازے پر بیٹھے رہے، وہ واپس نہ گئے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام دوبارہ دروازے پر آئے اور اصغیٰ سے فرمایا: "تو نے امیر المومنین کا فرمان نہیں سنا؟"

اصغیٰ نے عرض کیا: جی ہاں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ انھیں پھر دیکھ لوں اور ان سے حدیث سنوں۔ خدا کی آپ پر رحمت ہو، آپ والد ماجد سے میرے لیے اجازت طلب کریں۔

امام حسن ہنرمند ہو گئے، پھر جلدی سے باہر آئے اور اصغیٰ سے فرمایا: داخل ہو جاؤ۔ اصغیٰ کا بیان ہے کہ جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ کے سر پر زرد پٹی بندھی ہے۔ آپ کے چہرے کی زردی اس پٹی پر بھی غالب تھی۔ آپ درد اور زہر کی وجہ سے ایک پاؤں اٹھا کر بلند کرتے پھر دوسرا پاؤں بلند کرتے تھے۔

آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے حسنؑ کی زبانی میرا فرمان نہیں سنا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں لیکن میں چاہتا تھا کہ ایک بار آپ کو پھر دیکھ لوں اور آپ سے حدیث سنوں۔

آپ نے فرمایا: اچھا بیٹھ جا۔ آج کے بعد تم مجھ سے کوئی حدیث نہ سن سکو گے۔ اصغیٰ یاد رکھو جس طرح سے تم میری عیادت کے لیے آئے ہو میں بھی رسول اکرمؐ کی دعوت کے آخری ایام میں ان کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے مجھے فرمایا: ابوالحسن! باہر جاؤ اور الصلاۃ جامعۃ کہہ کر لوگوں کو بلاؤ۔ منبر پر چلے جاؤ اور میرا زینہ چھوڑ کر اس سے نچلے زینہ پر بیٹھو اور لوگوں سے کہو:

جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو غلام اپنے آقاؤں سے دوڑ کر چلا جائے تو اس غلام پر لعنت ہے، جو مزدور کی مزدوری میں ظلم کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اصغیٰ مجھے میرے حبیب اللہ کے رسولؐ نے جو حکم دیا تھا میں نے اس کی تعمیل کی۔ مسجد کے آخری کنارے سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

ابوالحسن! آپ نے تین جملے کہے ہیں لیکن ان کی وضاحت نہیں کی؟

میں نے اس شخص کو کوئی جواب نہ دیا اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اس شخص کی بات کو آپؐ کے سامنے نقل کیا۔

اصح کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اپنا ہاتھ کھول دو۔ میں نے اپنا ہاتھ کھول دیا۔ آپؐ نے میری ایک انگلی پکڑی اور فرمایا: جس طرح سے میں نے حیری انگلی پکڑی ہے اسی طرح سے رسول اکرمؐ نے بھی میری انگلی پکڑی تھی۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا تھا:

ابوالحسن! آگاہ رہو، میں اور تم اس اُمت کے (روحانی) باپ ہیں لہذا اس اُمت کا جو بھی فرد ہماری نافرمانی کرے گا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

میں اور تم اس اُمت کے جملہ افراد کے آقا و مولا ہیں اور جو شخص ہمارا دروازہ چھوڑ کر غیر کے دروازے پر بھاگے گا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ میں اور تم دونوں اس اُمت کے مزدور ہیں اور جو ہماری مزدوری میں ہم پر ظلم کرے گا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: آمین!۔ تو میں نے بھی آمین کہا۔

اصح کہتے ہیں کہ پھر آپؐ بے ہوش ہو گئے اور کچھ لمحات بعد آپؐ کو افاقہ ہوا اور مجھ سے فرمایا:

اصح بیٹھے ہوئے ہو یا چلے گئے ہو؟

میں نے عرض کیا: مولا! میں بیٹھا ہوا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں ایک اور حدیث سنانا چاہتا ہوں۔

میں نے عرض کیا: ضرور سنائیے، اللہ آپؐ کو مزید بھلائیاں عطا کرے۔

آپؐ نے فرمایا: اے اصح! ایک دن مدینہ کی ایک گلی میں رسولؐ خدا سے میری ملاقات ہوئی۔ اس وقت میں مغموم تھا اور میرے چہرے پر بھی غم کے آثار ہو رہے تھے۔ حبیبؐ خدا نے مجھ سے فرمایا: ابوالحسن! تم مجھے مغموم دکھائی دیتے ہو کیا تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ اس کے بعد تم کبھی غمگین نہ ہو گے؟

جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک منبر نصب کرے گا جو کہ انبیاءؑ و شہداء کے



نمبر سے بلند ہوگا، پھر مجھے حکم دیا جائے گا کہ میں اس نمبر پر بیٹھ جاؤں۔ پھر تمہیں حکم دیا جائے گا کہ تم ایک زینہ نیچے اس نمبر پر بیٹھ جاؤ۔ پھر تمام اولین و آخرین کو جمع کیا جائے گا تو اس کے بعد ایک فرشتہ منادی کرے گا جو تم سے ایک زینہ نیچے ہوگا اور وہ یہ کہے گا:

”اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا میں اُسے اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں خازنِ جنانِ رضوان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم اور احسان کرتے ہوئے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں جنت کی چابیاں محمد مصطفیٰ ﷺ کے سپرد کروں اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ وہ چابیاں علیؑ بن ابی طالبؑ کے سپرد کروں۔

لوگو! میری طرف سے اس بات کے گواہ بن جاؤ۔ اس کے بعد ایک اور فرشتہ جو کہ پہلے فرشتہ سے ایک زینہ نیچے ہوگا کھڑا ہو جائے گا اور وہ یہ منادی کرے گا: اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا تو میں اسے اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میں ”مالک“ ہوں میں دوزخ کا داروغہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم اور احسان کرتے ہوئے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں دوزخ کی چابیاں محمد مصطفیٰ ﷺ کے سپرد کروں اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں وہ چابیاں علیؑ بن ابی طالبؑ کے سپرد کروں۔

لوگو! میری طرف سے اس بات کے گواہ بن جاؤ۔ اس وقت تم جنت و دوزخ لے لو گے! علیؑ! تم میرے دامن کو تمام لوگے اور تمہارے اہل بیتؑ حیرے دامن کو تمہیں گے اور حیرے شیعہ حیری اہل بیتؑ کے دامن کو تمہیں گے۔ امام علیؑ نے فرمایا: میں نے اپنے دلوں ہاتھوں سے تالی بچائی اور کہا: یا رسول اللہ! جنت کی طرف؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں رب کعبہ کی قسم!



## علیٰ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں

عَظَّمَ اللَّهُ أَجُورَكُمْ بِمُصِيبَةِ سَيِّدِنَا وَ إِمَامِنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ

إِبْنِ أَبِي طَالِبٍ

”اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمارے آقا و مولا امیر المؤمنینؑ کی مصیبت پر اجر عظیم عطا فرمائے۔“

اس جیسی رات تھی جب آپؑ نے اپنی شہادت کی نذر پوری کی تھی اور دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ آپؑ کی کتاب زندگی کے روشن اوراق بند ہو گئے اور امامؑ نے لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی زبانوں سے استراحت پائی اور آپؑ کی مسئولیت کے ایام تمام ہوئے۔

آپؑ کی اولاد نے آپؑ کے علاج معالجہ کے لیے کوفہ کے تمام نامور معالجوں کو جمع کیا اور ان میں اس دور کا مشہور معالج اثیر بن عمرو بن حانی السکونی بھی شامل تھا۔

اطباء نے حضرتؑ کے سر کے زخم کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ انھیں آپؑ سے مایوسی ہوئی اور انھوں نے کہا: امیر المؤمنینؑ! آپؑ نے جو آخری وصیت کرنی ہے وہ کر لیں۔ دشمن خدا کی تلوار کی ضربت بہت گہری ہے۔

محمد بن حنفیہؑ کا بیان ہے کہ جب اکیس ماہ رمضان کی رات ہوئی تو میرے والد نے اپنی تمام اولاد اور خاندان کے افراد کو جمع کیا اور ان سے الوداع کہا اور پھر فرمایا: خدا میری طرف سے تمہارا محافظ ہو، وہی مجھے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

امیر المؤمنینؑ نے اپنی اولاد کو ایمان کے تقاضوں سے وابستہ رہنے کی وصیت کی۔ زہر کا اثر لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔ ہم نے آپؑ کے قدموں کو دیکھا وہ سرخ ہو چکے تھے۔ اس سے ہمیں

آپؐ کی زندگی سے مایوسی ہوئی۔ پھر ہم نے آپؐ کی خدمت میں خورد و نوش کی اشیاء پیش کیں۔ آپؐ نے تناول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے آپؐ کے ہونٹوں کی طرف دیکھا تو وہ ذکر الہی میں مصروف دکھائی دیے۔ پھر آپؐ نے اپنی اولاد میں سے ایک ایک کا نام لے کر انہیں خدا حافظ کہا۔ اولاد رو رہی تھی۔

امام حسنؑ نے پوچھا: بابا جان! آپؐ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟  
 آپؐ نے فرمایا: بیٹا! اس واقعہ سے ایک رات پہلے میں نے تیرے نانا جان ﷺ کو دیکھا تو میں نے اُن سے اس اُمت کے طرزِ عمل کی حکایت کی۔  
 انہوں نے فرمایا: ان پر بددعا کرو۔

میں نے کہا: پروردگار! انہیں میرے عوضِ برے حکام نصیب کر اور مجھے اُن کے بدلے اچھے رفیقِ حیات کر۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے آپؐ کی بددعا قبول کر لی ہے اور تین دن کے بعد تجھے ہم سے ملحق کر دے گا۔

اب تین دن گزر گئے ہیں۔ اے ابو محمد حسنؑ! اور اے ابو عبد اللہ حسینؑ! میں تم دونوں کو بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ تم دونوں مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ پھر آپؐ غیر فاطمی اولاد کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں وصیت کی کہ وہ اولادِ قاطمہؑ (حسنؑ و حسینؑ) کی مخالفت نہ کرنا۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: خدا تمہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں اور میں آج رات تم سے جدا ہو جاؤں گا اور اپنے حبیبِ حضرت محمد ﷺ سے ملنے والا ہوں۔

اے ابو محمد (حسنؑ) جب میری وفات ہو جائے تو تم مجھے غسل دینا اور کفن پہنانا اور اپنے نانا کے بچے ہوئے کافور سے مجھے حوط کرنا۔ وہ جنت کا کافور ہے جسے جبرئیل امینؑ لے کر آئے تھے۔

پھر مجھے چار پائی پر لٹا دینا۔ چار پائی کا اگلا حصہ نہ پکڑنا، اس کا پچھلا حصہ پکڑنا جہاں

بچ کر اگلا حصہ رک جائے وہاں چار پائی کو روک دینا۔ پھر حسنؑ آگے بڑھ کر میری نماز جنازہ پڑھنا اور جنازہ میں سات تکبیرات کہنا اور یہ بھی جان لو کہ سات تکبیر نماز جنازہ میرے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ ایک اور شخص پر بھی سات تکبیریں پڑھی جائیں گی۔ وہ آخری زمانہ میں خروج کرے گا۔ اس کا نام قائم المہدیٰ ہوگا اور وہ تیرے بھائی حسینؑ کی نسل میں سے ہوگا۔ وہ ہر ٹیڑھے پن کو درست کرے گا۔ پھر جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاؤ تو چار پائی کو اس کے مقام سے ہٹا دینا اور اس جگہ کی مٹی بٹانا۔ وہاں تمہیں تیار قبر دکھائی دے گی۔ مجھے اس میں لٹا دینا۔ جب مجھے لٹا لینا تو پھر میرے وجود کو قبر میں تلاش کرنا۔ تو مجھے وہاں نہیں پاؤ گے۔ میں تیرے نانا کے ساتھ ملحق ہو چکا ہوں گا۔

اے فرزند! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی نبیؑ مشرق میں مرے اور اس کا موصی مغرب میں مرے تو اللہ دونوں کے ارواح اور اجسام کو یکجا کر دیتا ہے۔ پھر وہ جدا ہو جاتے ہیں اور ہر ایک اپنی اصلی قبر کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ پھر لحد کو اینٹوں سے بند کرنا اور اس پر مٹی ڈالنا۔ پھر میری قبر کے نشان کو غائب کر دینا۔

امیر المومنین علیؑ کی ایک اور وصیت بھی ہے جو کہ آپؑ کی عظیم وصیتوں میں سے ہے۔ آپؑ نے وہ وصیت اپنی شہادت کی شب فرمائی تھی۔

شیخ صدوقؒ نے الفقہ میں سلیم بن قیس الہلالی کی زبانی اُسے نقل کیا ہے۔ سلیم بن قیس الہلالی کا بیان ہے کہ میں امیر المومنین علیؑ کی اس وصیت میں موجود تھا جو انھوں نے اپنے فرزند حسن مجتبیٰؑ کو کی تھی اور حسینؑ، محمد بن حنفیہؑ اور اپنی جملہ اولاد اور اپنے اہل بیتؑ کے بزرگوں اور شیعوں کو اس پر گواہ مقرر کیا تھا۔

پھر آپؑ نے کتابیں اور ہتھیار امام حسنؑ کے سپرد کیے اور فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تجھے اپنا وصی مقرر کروں اور اپنی کتابیں اور ہتھیار اسی طرح سے تیرے سپرد کروں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے اپنا وصی بنایا تھا اور اپنی کتابیں اور ہتھیار میرے سپرد کیے تھے۔

رسولؐ خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپؑ کا یہ پیغام بھی پہنچا دوں کہ جب تم پر موت

آئے تو یہ چیزیں اپنے بھائی حسینؑ کے سپرد کرنا۔

پھر آپؐ نے امام حسینؑ سے فرمایا: رسول خداؐ نے حکم دیا ہے کہ آپؐ یہ چیزیں اپنے فرزند علی بن الحسینؑ کے سپرد کرو گے۔ پھر آپؐ نے علی بن الحسینؑ سے فرمایا: رسول خداؐ نے تجھے حکم دیا ہے کہ آپؐ یہ چیزیں اپنے فرزند محمد بن علیؑ کے سپرد کرو گے اور رسول خداؐ میری طرف سے انھیں سلام کہنا۔

### حضرتؑ کا وصیت نامہ

پھر آپؐ امام حسن مجتبیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا:  
بیٹا! تم میرے بعد میرے وارث اور خون کے ولی ہو۔ اگر محاف کر دو تو تمہیں اس کا حق حاصل ہے۔ اور اگر قصاص لینا چاہا تو پھر ایک ضرب مارنا، زیادتی نہ کرنا۔  
پھر آپؐ نے فرمایا میرا وصیت نامہ لکھو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَذَا مَا أَوْصِي بِهِ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ:  
أَرَضِنِي أَنَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ  
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ  
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْشَّافِرُونَ، ثُمَّ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي  
وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ  
وَلَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ

أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَأَنْ لَا تَتَّبِعُوا الدُّنْيَا وَإِنْ بَغَتْكُمْ وَلَا تَسْفَحُوا  
عَلَى شَيْءٍ مِنْهَا عَنْكُمْ وَقُولُوا بِالْحَقِّ وَاعْمَلُوا لِلْآخِرِ وَكُونُوا لِلْعَالَمِ  
خَصْمًا وَلِلْمُظْلَمِ مَعُونًا أَوْصِيكُمْ وَجِبَّتُمْ وَلِدِي وَأَهْلَ بَيْتِي وَمَنْ  
بَلَغَهُمْ كِتَابِي بِتَقْوَى اللَّهِ وَنَقَمِ أَمْرِكُمْ وَصَلَامِ ذَاتِ الْيَمِينِ فَإِنَّ  
سِعَتُ جَدِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ يَقُولُ صَلَاحُ ذَاتِ أَفْضَلٍ مِنْ

حَامَةِ الصَّلَاةِ وَالْقِيَامِ، وَإِنَّ الْمُبِيرَةَ الْخَالِقَةَ لِلدِّينِ فَسَادُ ذَاتِ  
 الْبَيِّنِ - أَنْظَرُوا ذَوِي أَرْحَامِكُمْ فَصَلُّوهُمْ يَهْوُونَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ  
 الْحِسَابَ، وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي الْآخِرَةِ فَلَا تُغَيَّبُوا أَفْوَاهَهُمْ وَلَا يُضَيِّعُوا  
 بِحَضْرَتِكُمْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ مَنْ عَالَ يَتِيمًا حَتَّى  
 يَسْتَفْنِي أَوْ حَبَّ اللَّهُ لَهُ الْجَنَّةَ كَمَا أَوْجَبَ لِأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ النَّارَ  
 وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي الْقُرْآنِ فَلَا يَسْبِقُكُمْ إِلَى الْعَمَلِ بِهِ غَيْرُكُمْ وَاللَّهُ وَاللَّهُ  
 فِي حَيْدِرِكُمْ فَإِنَّهُ وَصِيَّةُ نَبِيِّكُمْ مَا زَالَ يُوصِي بِهِمْ حَتَّى ظَنَّنَا أَنَّهُ  
 سَيُورَثُهُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا غَيْرُ الْعَمَلِ وَإِنَّهَا عَمُودُ  
 دِينِكُمْ وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي بَيْتِ رَبِّكُمْ لَا تَخْلُوهَا مَا لَبِيتُمْ فَإِنَّهُ إِنْ تَرَكَ  
 لَمْ تَنَظَرُوا، وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي صَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ فَإِنَّ صِيَامَهُ جَنَّةُ  
 مِنَ النَّارِ، وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ  
 وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّتْنَكُمْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ رَجُلَانِ، إِمَامٌ  
 الْهُدَى وَمُطِيعٌ لَهُ مُقْتَدٍ بِهِدَاةِ اللَّهِ وَاللَّهُ فِي ذَرِيَّةِ نَبِيِّكُمْ فَلَا  
 يُظْلَمَنَّ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ - وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي أَصْحَابِ نَبِيِّكُمْ الَّذِينَ لَمْ  
 يُحَدِّثُوا حَدَّثًا وَلَمْ يُؤَدِّ مُحَدِّثًا فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْطَى بِهِمْ وَلَوْ أَنَّ  
 الْمُحَدِّثَ مِنْهُمْ وَمِنْ غَيْرِهِمُ وَالْمُؤَدِّي لِلْمُحَدِّثِ وَاللَّهُ وَاللَّهُ فَقَى  
 الْفَقْرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ فَأَشْرِكُوهُمْ فِي مَعَاشِكُمْ، وَاللَّهُ وَاللَّهُ فِي  
 النِّسَاءِ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَإِنَّ أَجْرَ مَا تَكَلَّمُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ أَنْ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالضَّعِيفِينَ نِسَائِكُمْ وَمَا مَلَكَتْ  
 أَيْمَانُكُمْ، وَلَا تَخَافَنَّ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَأَنَّهُمْ يَكْفِكُمْ مَنْ أَرَادَكُمْ وَبَيَّ  
 عَلَيْكُمْ، قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتْرَكُوا الْأَمْرَ  
 بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُؤْتَى عَلَيْكُمْ أَشْرَارُكُمْ ثُمَّ  
 تَدْمُونَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ بِالتَّوَّاصِلِ وَالتَّبَادُلِ وَ

إِيَّاكُمْ وَالتَّقَاطُعَ وَالتَّذَابُرَ وَالتَّفَرُّقَ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ  
وَالْتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ  
شَدِيدُ الْعِقَابِ - حَفِظَكُمْ اللَّهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَحَفِظَ فِيكُمْ نَبِيَّكُمْ  
وَاسْتَوْدِعَكُمْ اللَّهُ خَیْجَرَ مُسْتَوْدِعٍ وَأَقْرَأَ عَلَيْكُمْ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ  
اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

يَا بَنِي عَبْدِ الْمَلَكِ لَا أَلْفَيْتُكُمْ تَخَوْضُونَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ  
خَوْضًا تَقُولُونَ قَتَلَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَلَا تَقْتُلُونَ إِلَّا قَاتِلِينَ،  
أَنْظَرُوا إِذَا أَنَا مُتٌ مِنْ قَرَبَتِهِ هَذَا فَاصْرُبُوا ضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ وَلَا  
يُمَثِّلُ بِالرَّجُلِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ  
يَقُولُ إِيَّاكُمْ وَالْمَثَلَةَ وَلَوْ بِالْكَلْبِ الْعُقُودِ

”یہ وہ وصیت نامہ ہے جسے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے کھایا  
ہے۔ علیؑ نے وصیت کی ہے کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی  
عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ وحدہ لا شریک ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کے  
عہد اور اس کے رسول ہیں۔ خدا نے انھیں ہدایت اور دین حق دے کر  
بھجھا تا کہ اُسے تمام اُدیان پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکین کو ناپسند ہی  
کیوں نہ ہو۔

میری نماز میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے  
جو کہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے  
اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرمان بردار ہوں۔

میں تم دونوں کو خدا کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ دنیا کے خواہش مند نہ  
ہونا، اگرچہ وہ تمھارے پیچھے لگی ہو اور دنیا کی کسی ایسی چیز پر نہ کڑھنا جو تم  
سے روک لی جائے۔ ہمیشہ حق بات کہنا اور ثواب کے لیے عمل کرنا اور  
عالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔

میں تم دونوں اور اپنی تمام اولاد اور اپنے کنبہ کے افراد اور جن مومنین تک  
میرا یہ نوحہ پہنچے سب کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے  
معاملات درست رکھنے اور آپس کے تعلقات سلجھانے کی وصیت کرتا ہوں۔  
میں نے تمہارے نانا رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کی  
کشیدگیوں کو مٹانا نماز روزے سے افضل ہے اور باہمی انتشار ہلاک کنندہ  
اور دین کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے۔

اپنے رشتہ داروں پر نظر کرو اور ان سے صلہ رحمی کرو۔ اللہ تم پر حساب  
آسان کر دے گا۔ یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ان کے  
کام و دین کے لیے فاقہ کی نوبت نہ آئے اور وہ تمہاری موجودگی میں تباہ  
و برباد نہ ہونے پائیں۔ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے جس نے  
یتیم کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو کر مستغنی ہو جائے تو خدا اُس  
کے لیے جنت واجب کر دے گا اور جو یتیم کا مال ظلم سے کھائے گا تو اس  
پر دوزخ واجب کر دے گا۔

قرآن کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس پر  
عمل کرنے میں تم سے سبقت لے جائیں۔ اپنے مسائیوں کے لیے اللہ  
سے ڈرتے رہنا کیونکہ اُن کے متعلق تمہارے پیغمبرؐ نے مسلسل ہدایت کی  
ہے اور آپ اُن کے لیے اس حد تک سفارش فرماتے رہے کہ ہم لوگوں کو  
یہ گمان ہونے لگا کہ آپ انہیں بھی ورثہ دلائیں گے۔

نماز کے لیے خدا سے ڈرتے رہنا کیونکہ وہ بہترین عمل ہے اور تمہارے  
دین کا ستون ہے۔ اپنے پروردگار کے گھر کے بارے میں اللہ سے ڈرتے  
رہنا کیونکہ وہ دوزخ سے بچانے والی ڈھال ہیں۔ اور جان مال اور زبان  
سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو نہ بھولنا، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد صرف  
دو طرح کے انسان ہی کر سکتے ہیں:



① ہدایت یافتہ امامؑ اس کی اطاعت و اقتدا کرنے والا شخص۔  
اپنے نبیؐ کی ڈریت کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا تمہاری موجودگی میں  
اُن پر ظلم نہ ہونے پائے۔

اپنے نبیؐ کے اصحاب کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا، جنہوں نے کوئی  
بدعت پیدا نہیں کی اور کسی بدعتی کو پناہ نہیں دی۔ رسولؐ خدا نے ایسے  
اصحاب کے متعلق وصیت کی تھی اور جس نے بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ  
دی تو رسولؐ خدا نے اُس پر لعنت کی ہے۔

فقراء و مساکین کے لیے اللہ سے ڈرتے رہنا، انہیں اپنے رزق روزی  
میں شریک کرنا۔ غلاموں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ  
رسولؐ خدا کا آخری کلام یہ تھا کہ تم دو کمزوروں کا خیال رکھنا اور وہ عورتیں  
اور غلام ہیں۔

خدا کے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ خدا تمہیں  
تمہاری مخالفت کا ارادہ کرنے والے اور ظلم و زیادتی کرنے والے سے  
محفوظ رکھے گا۔

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا ورنہ تم پر بدترین لوگ  
حکومت حاصل کر لیں گے۔ تم دعا میں مانگو گے لیکن وہ قبول نہ ہوں گی۔  
تمہارے لیے لازم ہے کہ ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھو اور ایک  
دوسرے کی اعانت کرو۔

خبردار! ایک دوسرے کی طرف پیٹھ پھیرنے اور تعلقات توڑنے اور تفرقہ  
بازی سے پرہیز کرنا۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے  
تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ  
سخت عذاب دینے والا ہے۔ اللہ تم اہل بیتؑ کو اپنی حفظ و امان میں  
رکھے۔ میں تمہیں خدا کے حوالے کرتا ہوں اور تم پر سلام اور خدا کی

رحمت کہتا ہوں۔

اے عہدالمطلب کی اولادا ایسا نہ ہونے پائے کہ تم امیرالمومنینؑ قتل ہو گئے، امیرالمومنینؑ قتل ہو گئے کے نعرے لگاتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتا شروع کر دو۔ دیکھو امیرے بدلے صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے۔ جب میں اسی ضرب سے شہید ہو جاؤں تو اس ایک ضرب کے بدلے میں صرف ایک ہی ضرب لگاتا اور اس شخص کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹتا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ”خبردار! کسی کے بھی ہاتھ پیر نہ کاٹو اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔“

امام علیؑ نے اپنے خاندان کو لوگوں کے قتل عام سے منع کیا جب کہ بنی امیہ نے عثمان کے خون کا نعرہ بلند کر کے بے تحاشا خلقِ خدا کو قتل کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: میرے عوض میرے قاتل کو ہی قتل کرنا۔ آپؑ نے اپنے خاندان کو فتنہ کی تحقیق اور قتل کے پس پردہ افراد کو قتل کرنے سے منع کیا اور صرف یہ کہا کہ قاتل کو ہی قتل کیا جائے، اس کے کسی پشت پناہ پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔

آپؑ کے مدد کی انتہا یہ ہے کہ وصیت فرما رہے ہیں کہ قاتل نے ایک ضرب ماری تھی، لہذا اُسے بھی ایک ہی ضرب ماری جائے اور قتل کے بعد اس کے اعضا نہ کاٹے جائیں۔ اس کے بعد امامؑ کی پیشانی پر پینہ آیا اور آپؑ نے اپنے ہاتھ سے پینہ پونچھا۔ آپؑ کی صاحبزادی حضرت زینب کبریٰؑ نے عرض کیا: بابا جان! آپؑ اپنی پیشانی کیوں پونچھ رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں نے تمہارے نانا جان ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جب مومن پر موت آتی ہے اور وفات کی گھڑی قریب آتی ہے تو اس کی پیشانی پر پینہ آتا ہے جو کہ ترددِ نازہ موتوں کی طرح سے ہوتا ہے اور مومن کی آہ و زاری ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت حضرت زینبؑ انھیں اور اپنے آپ کو والد کے سینہ پر گرا دیا اور عرض کیا: بابا جان! کربلا کے متعلق اُم ایمنؑ کی بیان کردہ حدیث مجھ سے بیان فرمائیں؟

آپؐ نے فرمایا: پیاری بیٹی! حدیث وہی ہے جو آپؐ سے اُم ایمنؓ نے بیان کی ہے۔ میں گویا یہ مہر دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ اور آپؐ کے خاندان کی دوسری حضرات اسی شہر میں قیدی بنی ہوئی ہیں اور آپؐ سخت خوف زدہ ہیں اور آپؐ کو یہ خوف لاحق ہے کہ کھن لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔

میری جان! صبر کرنا! صبر کرنا۔

پھر امام علیؑ حسنینؑ کریمینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابو محمدؑ (حسنؑ) اے ابو عبد اللہؑ (حسینؑ) میں گویا یہ مہر دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد تمہارے خلاف اصرار اصرار سے فتنے اٹھے ہوئے ہیں۔ تم صبر کرنا یہاں تک کہ خدا فیصلہ کرے۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے ابو عبد اللہؑ! آپؑ اس امت کے شہید ہیں۔ آپؑ کے لیے لازم ہے کہ خدا کا تقویٰ اختیار کریں اور اس کی آزمائش پر صبر کریں۔ پھر آپؑ مدھوش ہو گئے اور پھر افاقہ میں آئے تو فرمایا:

یہ رسولؐ خدا ہیں، یہ میرا چچا حمزہؓ ہے اور یہ میرا بھائی حمزہؓ ہے اور یہ میرا بھائی جعفرؓ ہے اور یہ رسولؐ اللہ کے احباب و اصحاب ہیں۔ وہ سب مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس جلدی آؤ۔ ہم سب تمہارے مشاق ہیں۔ پھر آپؐ نے اپنے خاندان کے تمام افراد پر نگاہ ڈالی اور فرمایا:

میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تم سب کی حفاظت کرے، میری طرف سے تمہارا خدا نگہبان ہو اور اللہ ہی بطور نگہبان کافی ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: وعلیکم السلام یا رسول اللہ میرے خدا کے نماں خدا تم پر سلام ہو۔

پھر آپؐ نے یہ آیات پڑھیں:

بِشَلِّ هَذَا فَلْيَغْتَبِلِ الْعَامِلُونَ ، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ  
الَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ○

پھر آپؐ مسلسل خدا کا ذکر کرتے رہے اور کلمہ شہادتین پڑھتے رہے۔ پھر آپؐ نے قبلہ

کی طرف رخ کیا اور آنکھیں بند کیں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کیے اور کلمہ شہادتین پڑھا۔ پھر آپؐ کی روح پرواز کر گئی۔

اس وقت سیدہ زینبؓ دختر علیؑ اور ام کلثومؓ کی چٹخیں بلند ہوئیں۔ خاندانِ مصمت کی خواتین نے اپنے گریبان چاک کیے اور چہرے پیٹے۔ آپؐ کے خاتمہ کرامت آشیانہ سے جھج و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اہل کوفہ کو معلوم ہو گیا کہ امیر المومنینؑ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

کوفہ کے مرد و زن گھروں سے باہر نکل آئے اور ہر طرف ماتم کا سماں تھا اور پورے کوفہ سے رونے اور آہوں اور سسکیوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ دن وفاتِ پیغمبرؐ کے دن کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ آفاقِ خمیر ہو چکے تھے۔ لوگوں کو ہوا میں آوازیں سنائی دیں اور پورا کوفہ آپؐ کے غم میں ڈوب گیا۔

آپؐ کی اولاد نے رات کے وقت ہی آپؐ کی تجھیز شروع کر دی۔ جب غسل کے لیے آپؐ کے کپڑے اتارے گئے تو معلوم ہوا کہ آپؐ کے وجودِ اقدس پر ایک ہزار تلواروں، تیروں اور نیزوں کے زخم تھے۔ یہ وہ زخم تھے جو آپؐ کو جنگوں میں لگے تھے۔

امام حسنؑ نے آپؐ کو غسل دیا اور امام حسینؑ نے آپؐ پر پانی ڈالا۔ امامؑ کا پہلو بدلنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ غسل دینے والا جس طرف جسم کو پھیرنا چاہتا تھا آپؐ کا جسم خود بخود اُدھر پھر جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملائکہ آپؐ کے وجود کو پھیر دیتے تھے۔

غسل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد امام حسنؑ نے اپنی بہنوں حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو آواز دی کہ میرے چاہا ہوا رسولؐ خدا کا کافور لائیں۔ حضرت سیدہ زینبؓ تیزی سے کافور لائیں۔ جب اُسے کھولا گیا تو پورے گھر اور پورے کوفہ میں اس کی خوشبو پھیل گئی۔

حنظلہ کے بعد آپؐ کو پانچ کپڑوں کا کفن دیا گیا اور آپؐ کے جسمِ اطہر کو چار پانی پر لٹایا گیا اور حسینؑ نے چار پانی کے پچھلے حصہ کو اٹھایا۔ اٹکا حصہ خود بخود اٹھ گیا جب کہ اٹھانے والا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اگلے حصہ کو جبرئیلؑ و میکائیلؑ نے اٹھایا ہوا تھا۔ آپؐ کا جنازہ جہاں سے بھی گزرا وہ جہزِ جمک گئی۔

کوفہ شہر گریہ و بکا سے لرز اٹھا۔ کوفہ کی خواتین لوحہ کٹاں حضرت کے جنازے میں شریک ہوئیں۔ امام حسن علیہ السلام نے تمام خواتین کو واپس کیا۔ امام حسین علیہ السلام لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ کا ورد کر رہے تھے اور اس کے ساتھ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ کی آیت کی تلاوت کرتے رہے۔

آپ مسلسل یہ کہہ رہے تھے:

يَا أَبَتَايَ وَالْإِنْقِطَاعَ ظَهَرَا مِنْ أَجْلِكَ تَعَلَّيْتُ الْبُكَاءَ إِلَى اللَّهِ  
الْمُسْتَكِلِّ

”ہائے بابا جان! ہائے میری کمر کا ٹوٹ جانا، آپ کی وجہ سے میں نے  
رونا سیکھا۔ خدا کے حضور ہی شکوہ کرتا ہوں۔“

حضرت امام حسن علیہ السلام نے مشایعت کرنے والے تمام افراد کو واپس جانے کا حکم دیا۔ جنازہ کے جلوس میں صرف امیر المومنینؑ کی اولاد اور چند قطعی باوقار دوست ہی باقی رہ گئے۔ رات کی تاریکی میں جنازہ کو کوفہ سے دور لے جا کر نجف لایا گیا۔ جب جنازہ نجف پہنچا تو چار پائی کا اگلا حصہ وہاں رک گیا۔ حسین کریمینؑ نے چار پائی کا پچھلا حصہ رکھ دیا۔

امام حسن مجتبیٰؑ نے امیر المومنینؑ کی نماز جنازہ پڑھائی اور والدؑ کے فرمان کے مطابق جنازہ میں سات گھیرات کیں۔ جنازہ سے فراغت کے بعد اس جگہ سے چار پائی ہٹائی گئی تو وہاں تیار قبر برآمد ہوئی۔ وہاں ایک لوح ملی جس پر یہ عبارت کندہ تھی:

”یہ وہ قبر ہے جسے نوح نبیؑ نے عبد صالح طاہر بن مطہر کے لیے بنایا تھا۔“

جب قبر میں اُتارنے کا ارادہ کیا گیا تو سب نے ایک ہاتف کی یہ آواز سنی:

”اُمّیں پاکیزہ تربت میں اُتارو۔ حبیب اپنے حبیب کا مستحق ہے۔“

اس آواز کو سن کر وہ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ تدفین کا عمل فجر سے پہلے مکمل ہو گیا اور

آپ کی وصیت کے مطابق قبر کا نشان مٹا دیا گیا۔

آپؑ نے نشان قبر مٹانے کی وصیت اس لیے کی تھی کہ آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ کے دشمن اچھائی بے خمیر اور بے اصول ہیں۔ کہیں وہ قبر کی بے ادبی نہ کریں اور آپؑ کے اس

خدا کی تصدیق منتخب التواریخ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حجاج بن یوسف نے نجف میں ہزاروں قبریں کھدوائی تھیں، لیکن کسی بھی قبر سے امیر المومنین کا جسد مبارک برآمد نہیں ہوا تھا۔ ہارون الرشید کے دور تک آپؑ کی قبر عوام سے مخفی رہی۔ آپؑ کی اولاد اور چند خواہی کے علاوہ کسی کو آپؑ کی قبر کا علم نہ تھا۔

عبداللہ بن حازم بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن ہارون الرشید کے ساتھ شکار کے لیے کوفہ سے نکلے اور غربی (نجف) کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمیں کچھ ہرن دکھائی دیئے۔ ہم نے ان پر کتے اور باز چھوڑے۔ وہ کچھ دیر تک ہرنوں کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر ہرن ایک ٹیلے پر جا کر بیٹھ گئے۔

ہرن جیسے ہی وہاں بیٹھے تو کتے دُور رُک گئے اور باز بھی دُور جا کر پرواز کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ہرن ٹیلے سے اترے تو کتے ان کے تعاقب میں دوڑنے لگے۔ ہرن پھر دوبارہ اسی ٹیلے پر آکر بیٹھ گئے۔ کتے ٹیلے سے کچھ فاصلے پر رُک گئے۔ تین مرتبہ یہ اتفاق ہوا۔ ہر بار کتے اور باز اس ٹیلے سے دُور ہو جاتے تھے۔

ہارون ٹیلے پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم ادھر ادھر پھیل جاؤ، تمہیں اس علاقہ کا جو بھی فرد ملے اسے میرے پاس لے آؤ۔ ہارون کے ساتھی کچھ دیر بعد بنی اسد کے ایک بزرگ کو خلیفہ کے پاس لائے۔ ہارون نے کہا: یہ ٹیلہ کیسا ہے؟

بزرگ نے کہا: اگر تو مجھے امان دے تو میں بتاؤں گا؟

ہارون نے کہا: میں خدا کو ضامن بنا کر کہتا ہوں کہ میں تجھے کوئی اذیت نہیں دوں گا۔ بزرگ نے کہا: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا تھا اور اس سے اُس کے والد نے یہ بیان کیا تھا کہ اس ٹیلے پر امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے حرم کا درجہ دیا ہے یہاں پہنچ کر جو پناہ لیتا ہے اُسے امن مل جاتا ہے۔

ہارون ٹیلے سے اُترا اور پانی طلب کر کے وضو کیا اور ٹیلے کے پاس نماز پڑھی اور ٹیلے پر اپنے زخسار لگائے اور رونے لگا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس پر قبہ تعمیر کیا جائے۔

ہارونؑ کے دور میں آپؐ کی قبر اطہر پر پہلا قبہ بنا تھا اور آج صدیوں بعد عظیم الشان روضہ کی صورت میں موجود ہے۔ آپؐ کے حزار اطہر پر سنہری قبہ ہے اور دو سنہری مینار ہیں۔ آپؐ کا حزار انجمن ترنگ کا شاہکار ہے۔ آپؐ کا روضہ سلاطین و ملوک کے ان ہدایا جات سے مزین ہے جو کہ مختلف اوقات میں انھوں نے پیش کیے تھے۔ آپؐ کے روضہ کی شان و شوکت دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے خزانے میں قیمتی اشیاء موجود ہیں۔ دنیا ان کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ہر سال کروڑوں انسان آپؐ کے سلام کے لیے نجف اشرف حاضری دیتے ہیں اور آپؐ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

### امیر المومنینؑ کے حضور خراج تحسین

جب امیر المومنین علیؑ کی تدفین مکمل ہوئی تو مصعبہ بن صوحانؓ قبر مبارک کے کنارے کھڑے ہوئے اور انھوں نے آپؐ کو خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت مصعبہؓ نے اپنا ہاتھ دل پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالی اور یوں گویا ہوئے:

”یا ابا الحسن! یا امیر المومنین! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپؐ کی ولادت پاکیزہ تھی۔ آپؐ کا مبرا انتہائی قوی تھا اور آپؐ کا جہاد عظیم تھا اور آپؐ کی رائے کامیاب تھی۔ آپؐ کی تجارت فائدہ مند تھی۔ آپؐ اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ آپؐ کے رب نے آپؐ کو بشارت دی اور ملائکہ آپؐ کے محافظ ہیں اور آپؐ کو رسولؐ رحمت کے جوار میں جگہ ملی۔ اللہ نے اس جوار سے آپؐ کو مکرم بنایا اور آپؐ اپنے بھائی حضرت محمد مصطفیٰؐ کے درجہ سے ملحق ہو چکے ہیں اور آپؐ ان کے ہاتھوں سے بھرا ہوا جام کوثر نوش کر چکے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں آپؐ کے نقش قدم پر چلنے کے لیے ہم پر احسان فرمائے اور ہمیں آپؐ کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہمیں آپؐ کے دوستوں کا دوست اور آپؐ کے دشمنوں کا دشمن بنائے رکھے اور ہمیں قیامت کے دن آپؐ کے دوستوں میں مشور فرمائے۔

آپؐ نے وہ کچھ حاصل کیا جسے کوئی بھی حاصل نہ کر سکا اور آپؐ نے وہ کچھ پایا جسے کوئی نہ پاسکا۔ آپؐ نے اپنے بھائی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سامنے اپنے پروردگار کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا اور آپؐ نے اللہ کے دین کو اچھی طرح سے قائم کیا۔ آپؐ نے سنتوں کو قائم کیا اور فتنوں کو مٹایا جس سے اسلام قائم ہوا اور ایمان کو قلم نصیب ہوا۔ میری طرف سے آپؐ پر افضل ترین صلوات و سلام ہوں۔

آپؐ کی وجہ سے اہل ایمان کی کمر سیدھی ہوئی اور راستوں کے نشانات واضح ہوئے، شنیق قائم ہیں۔ خدا نے آپؐ کو جتنے مناقب و خصال عطا کیے ہیں آج تک وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ آپؐ نے نبی اکرمؐ کی دعوت پر ساری دنیا سے سبقت حاصل کی اور اُن کی نصرت کے لیے جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان کے ذریعے سے اُن کی حفاظت کی اور آپؐ نے پرہول مقامات پر ذوالفقار اٹھائی۔ اللہ نے آپؐ کے ذریعے سے ہر سرکش و جابر کی گردن توڑی اور آپؐ کی وجہ سے بڑے طاقتور رسوا ہوئے اور آپؐ کے وسیلہ سے اہل شرک و کفر کے قلعہ جات مہدم ہوئے اور آپؐ کے ذریعے سے ہی گمراہ دشمن قتل ہوئے۔

امیر المؤمنینؑ! آپؐ کو مبارک ہو آپؐ رشتہ داری کے لحاظ سے رسول خدا کے سب سے قریبی عزیز تھے اور آپؐ ہی اَوَّلِ اَسْلَمِین تھے اور آپؐ ہی سب سے بڑے صاحبِ علم و فہم تھے۔

ابوالحسنؑ! آپؐ کو مبارک ہو۔ اللہ نے آپؐ کا مقام بلند بنایا اور آپؐ از لحاظ نسب رسول اکرمؐ کے قریبی ترین فرد تھے اور سب سے پہلے آپؐ نے اسلام کا اظہار کیا تھا اور آپؐ یقین کے بلند ترین مقامات پر فائز تھے اور آپؐ مضبوط ترین دل رکھتے تھے اور میدانِ جہاد میں اپنی جان قربان کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے اور ہر بھلائی میں آپؐ کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔

اللہ ہمیں آپؐ کے اجر سے محروم نہ رکھے اور آپؐ کے بعد ہمیں رسوا نہ کرے۔ خدا کی قسم! آپؐ کی زندگی ہر بھلائی کی کلید اور ہر بُرائی کے لیے تالا تھی اور آج کا دن ہر شر کی کلید اور ہر نیکی کے لیے تالا ہے۔ اگر لوگ آپؐ کی تعلیمات کو قبول کر لیتے تو اُن پر آسمان سے رزق نازل



ہوتا اور قدموں کے نیچے سے انھیں رزق ملتا، لیکن لوگوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد مصعبؓ نے آپؐ کا مرقہ پڑھا، پھر بے تحاشا گریہ کیا اور اس کے ساتھ ہر شخص رونے لگا۔ پھر حاضرین حسنؓ و حسینؓ، محمد حنفیہؓ، جعفرؓ، عباسؓ، یحییٰؓ، محسنؓ اور عبداللہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں امام علیؓ کا پرسہ دیا۔ بعد ازاں یہ محدون قافلہ کوفہ واپس آگیا۔

قم ناشد الاسلام عن حصابہ اصیب بالنہی امر کتابہ  
بلی قطنی نفس النبی المصطفیٰ و ادرج اللیلۃ فی اثوابہ  
فاصفہ وجہ الدین لاصفادہ و غضب الایمان لاختصابہ  
قتلتہم الصلاة فی محرابہا یا قاتلیہ و هو فی محرابہ

”اٹھو اسلام، نبی اکرمؐ اور کتاب خدا سے پوچھو کہ ان پر کیسی مصیبت ٹوٹی؟ جی ہاں، نفس رسولؐ (علی مرتضیٰؓ) دنیا سے رخصت ہو گئے اور آج رات انھیں کفن پہنایا گیا۔

امیر المومنینؓ کے زرد چہرے کی وجہ سے دین کا چہرہ زرد ہو گیا اور آپؐ کے خونی خضاب سے ایمان کو بھی خون کا خضاب لگا۔ قاتلین علیؓ اتم نے نماز کو محراب میں قتل کیا ہے۔“

### امام حسن علیہ السلام کا خطاب

بعد ازاں لوگ ابنِ ملجم کی طرف متوجہ ہوئے اور اُسے قتل کر دیا۔ پھر لوگوں نے نظام کے گھر پر حملہ کیا اور تواروں سے اس کے جسم کے کٹوے اُڑادیے اور اس کا گھر لوٹ لیا اور اس کے اور ابنِ ملجم کے ناپاک جسموں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

ناخ التواريخ میں منقول ہے کہ امیر المومنین علیؓ کی شہادت اور ابنِ ملجم کے قتل کے بعد ابنِ عباسؓ لوگوں کے پاس آئے اور کہا: لوگو! امیر المومنینؓ شہید ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنا جانشین تم میں چھوڑا ہے۔ اگر پسند کرو تو وہ تمھارے پاس آئے گا اور اگر تمہیں پسند نہ ہو تو پھر کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔

لوگ رونے لگے اور کہا کہ انھیں ہمارے پاس آنا چاہیے؟  
 امام حسن علیہ السلام سیاہ کپڑوں میں برآمد ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپؑ نے خدا  
 کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

آج رات اس انسان کی وفات ہوئی ہے جس پر اولین میں سے کسی نے عمل میں  
 سبقت نہیں کی اور نہ ہی آخرین عمل کے لحاظ سے اس کے مقام کو پاسکتے ہیں۔ وہ رسول اللہ  
 کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اپنی جان کے ذریعے سے رسول خدا کی حفاظت کرتے تھے۔  
 رسول اکرم ﷺ اپنا پرچم دے کر انھیں روانہ کرتے تھے۔ جبریلؑ اُن کے  
 دائیں طرف اور میکائیلؑ اُن کے بائیں طرف ہوتے تھے اور وہ فتح کے بغیر واپس نہیں آتے  
 تھے۔

اُن کی وفات اس رات ہوئی جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا، اور اسی رات عیسیٰ بن  
 مریمؑ کو اُٹھایا گیا اور اسی رات حضرت موسیٰ کے وحی یوحنا بن نون کی وفات ہوئی تھی۔  
 امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کوئی سونا چاندی میراث میں نہیں چھوڑی۔ بس سات سو  
 درہم چھوڑے ہیں جو کہ اُن کے وعظ سے بچ گئے تھے اور وہ اس رقم سے اپنے افراد خانہ کے  
 لیے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے۔  
 یہ الفاظ کہے اور آپؑ پر گریہ طاری ہو گیا اور تمام حاضرین رونے لگ گئے۔



## اختتام اور اعتذار

برادران ایمانی!

ہم نے آپ کے ساتھ یہ قیمتی راتیں بسر کی ہیں اور ان راتوں میں ہم نے امیر المؤمنین علیؑ کی ذاتِ بابرکات پر گفتگو کی ہے اور ہم نے آپ کی زندگی کے کچھ پہلو اُجاگر کیے ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان راتوں میں ہم آپ کے فضائل و مناقب کا عشرِ عشر بھی بیان نہیں کر سکے۔

ہم نے آپ کے فیصلے اور آپ کے معجزات بیان نہیں کیے۔ اس کے علاوہ ہم نے آپ کی جنگی حکمت عملی اور حکیمانہ سیاست پر بھی گفتگو نہیں کی ہے۔ اس طرح سے ہم نے آپ کی ازواج و اولاد اور آپ کے کلماتِ قصار اور آپ کے ہمیشہ رہنے والے آثار پر بھی بحث نہیں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ان مختصر اور ٹوٹے پھوٹے کلمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تدارکِ مافات کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ہم امیر المؤمنین علیؑ پر سلام بھیجتے ہیں۔

سلام اللہ علی امیر المؤمنین یوم ولد فی الکعبۃ ویوم مات

شہیدانی سبیل اللہ ویوم یربعث حیا للشفاعة

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والسلام علیکم